ہماری ویب ای بُک

ذوالفقار علی بخاری

ZULFIQAR ALI BUKHARI

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Zulfiqar Ali Bukhari"
at Hamariweb.com

کامیابی کا راز

ہم سے اکثر لوگ یہ سوچتے ہیں کہ انسان زندگی کے کسی بھی میدان میں کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں؟ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ انسان کن باتوں پر عمل کرنے سے کامیاب ہوا ہے۔ کسی بھی انسان کے کامیاب ہونے کا راز صرف چند باتوں میں پوشیدہ ہے۔ان باتوں پر اگر کوئی بھی انسان عمل کرنا شروع کر دے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ بھی اپنا شمار کامیاب لوگوں کی فہرست میں نہ کرسکے۔

سب سے پہلی اہم بات تو یہ ہے کہ وقت کی پابندی کی جائے یہ بات تو تقریباً ہر ذی الشعور جانتا ہے کہ وقت ایک بار گذر جائے تو پھر ہاتھ نہیں آتا۔ لہذا آج سے وقت کو ضائع کرنا چھوڑ دیں۔ وقت بھی آپ کو ناکام نہیں ہونے دے گا۔ وقت کو ضائع کرنے والوں کی بے شمار مثالیں ارد گرد معاشرے میں موجود ہیں بات صرف ان سے سبق حاصل کرنے کی ہے۔ انسان اس دنیا میں صرف ایک بار ہی آتا ہے اور اس کے پاس سب سے قیمتی چیز یہی وقت ہے۔ جو لوگ وقت کی قدر وقیمت سے آگاہ ہو جاتے ہیں وہ اپنی زندگی کا ایک بھی لمحہ فضول کاموں میں برباد کرنے کو بالکل بھی تیار نہیں ہوتے ہیں۔

دوسری اہم بات کسی بھی انسان کی خود اعتمادی ہے اگر وہ اس دولت سے مالا مال ہوگا تو وہ زندگی کے ہر میدان میں باآسانی کامیاب ہو سکتا ہے اس کے بغیر کوئی بھی انسان کامیاب نہیں بن سکتا ہے کیونکہ جب آپ کو اس بات کا یقین نہ ہو کہ آپ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں تو پھر ناکامی کا منہ زور دیکھیں گے۔ اعتماد کی بدولت ہی انسان ناممکن کو بھی ممکن بنا سکتا ہے۔اور انسان میں خود اعتمادی اس وقت بھی آجاتی ہے جب وہ مثبت سوچ کا حامل بن جاتا ہے۔ اور زندگی کے حالات کا بخوبی مقابلہ کر سکتا ہے اور کامیابی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔

اس کے علاوہ انسان کا کسی بھی کام کو لگن اور محنت سے سرانجام دینا بھی ہر میدان میں کامیابی کی ضمانت ہے۔ لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اگر انسان کامیاب ہونا چاہتا ہے تو پھر دنیا کی کوئی بھی طاقت نہیں روک سکتی۔ صرف انسان کی کاہلی اور آرام طلبی ہی ہے جو کہ انسان کو ناکامی کی جانب لے جاتی ہے ورنہ انسان میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیاں رکھی ہوئی ہیں ضرورت صرف اس کو استعمال کرنے کی ہے۔

قرآن پاک میں بھی ارشاد ہے کہ "انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے"۔ اللہ نے کسی بھی انسان کو بے کار پیدا نہیں کیا ہے۔ اپنی صلاحیتوں سے آگاہی حاصل کیجیے اور اس بات پر بھی غور کریں کہ آپ اپنے اعمالوں کے خود ذمہ دار ہوں گے۔

انٹرنیٹ عصر حاضر کی بہترین ایجاد

انٹرنیٹ ایک ملین سے زیادہ کے نیٹ ورکس کا ایک گلوبل ویب ہے۔ جس میں 50 ملین سے زیادہ کمپیوٹرز کام کر رہے ہیں۔ اور پوری دنیا سے تقریباً 200 ملین لوگ شامل ہیں۔ اور اس تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ شروع شروع میں تو انٹرنیٹ کی سہولت صرف گورنمنٹ کے اداروں اور بڑی بڑی لائبریریوں تک محدود تھی تاہم وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا اور آج تقریباً تمام دنیا کے لوگ اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔ یہ انفارمیشن ایکسچینج کا تیز اور اہم ترین ذریعہ ہے۔

انٹرنیٹ کے ذریعے آجکل بہت سے ایسے کام کئے جا رہے ہیں۔ جن کا پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کے ذریعے ہر قسم کی معلومات کسی بھی ملک کے بارے میں حاصل کی جا سکتی ہیں۔ جس ہمیں اس ملک کی ثقافت اور سیاسی و سماجی حالات سے آگاہی ہوتی ہے۔ اور تو اور اب بہت سے صنعتی ادارے بھی اپنی اشیا کی تشہیر کیلئے بھی اسی ذریعے کو استعمال کرنے لگے ہیں۔ کیونکہ اس کی بدولت کم وقت میں بہت سے لوگوں تک اپنی معلومات کے بارے میں اور خدمات کے حوالے سے معلومات دی جا سکتی ہیں۔ اور بہت سی اشیائ بھی انٹرنیٹ پر فروخت کیلئے پیش کی جا رہی ہیں اور آن لائن شاپنگ کا تصور بھی انٹرنیٹ کی بدولت سامنے آیا ہے۔ جس کی بدولت اب گھر

بیٹھے ہر قسم کی اشیا کی کریڈٹ کارڈ استعمال کرکے خرید سکتے ہیں اور کچھ اضافی رقم خرچ کرنے پر وہ اشیا ہمیں گھر پر ہی مہیا ہو جاتی ہیں۔ جس سے ہمیں بازار جانے اور وہاں سے اشیا لانے کی کوفت سے نجات حاصل ہوئی ہے۔

جس طرح سے دنیا میں مواصلاتی نظام تعلیم کو عروج حاصل ہوا تھا اور بے شمار لوگ اس سے مستفید ہوئے تھے۔ بالکل اسی طرح آجکل دنیا کی بہت سی یونیورسٹیاں بھی آن لائن تعلیم دے رہی ہیں۔ جس کی بدولت علم کے پروانے اپنی پیاس بجھا رہے ہیں۔اس کے علاوہ غیر ممالک میں پڑھنے کے خواہشمند طلبا بھی اس ذریعہ کی بدولت وہاں کی یونیورسٹیوں میں داخلے کیلئے اپلائی کرکے وہاں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسے افراد جو کسی بھی میدان میں تجربہ رکھتے ہوں مگر ان کے پاس کسی بھی قسم کو کوئی بھی سرٹیفکیٹ نہ ہو تو وہ بھی انٹرنیٹ پر موجود ویب سائٹس پر آن لائن ٹیسٹ دے کر سرٹیفکیٹ حاصل کر سکتے ہیں۔اور اپنے لئے حصول روزگار کو ممکن بنا سکتے ہیں۔انٹرنیٹ پر بہت سی ویب سائٹس ایسی بھی ہیں جن کی بدولت ہر کوئی اپنی من پسند نوکری حاصل کر سکتا ہے بات صرف ان ویب سائٹس پر جا کر آن لائن اپلائی کرنا ہوتا ہے اور بعد میں ان کو انٹرویو کیلئے کال کر لیا جاتا ہے۔

انٹرنیٹ کی بدولت ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک کے افراد سے بات چیت کرکے اپنے تجربات اور علم سے ایک دوسرے کو مستفید کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بہت سے ملکوں کے

باشندوں کے درمیان غلط فہمیاں دور ہو رہی ہیں اور فاصلے سمٹ رہے ہیں۔ جو یہ اس سے قبل ممکن نہ تھا اور یہ صرف انٹرنیٹ کی وجہ سے ہوا ہے۔ کچھ عرصہ قبل تک شاید کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگا کہ ہمیں انٹرنیٹ پر اخبارات بھی پڑھنے کو ملیں گے ۔اب دنیا کے بہت سے اخبارات کے آن لائن ایڈیشنز بھی شائع ہو رہے ہیں۔

انٹرنیٹ کی تباہ کاریاں

انٹرنیٹ ایک ای چیز ہے جس کو آپ جس طرف چاہیں لے جانا چاہیں لے جائیں ۔یعنی اچھے مقاصد کیلئے بھی استعمال کر سکتے ہیں اور برے مقاصد کے لئے بھی۔ اور بچے چونکہ نا سمجھ ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ نا سمجھی میں غلط راہ پر چل پڑتے ہیں ۔ ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ کم سن بچوں میں 57 فیصد بچے ایسے ہوتے ہیں جو انٹرنیٹ پر محش مواد دیکھتے ہیں ۔ جن سے ان کے معصوم ذہین خراب ہوتے ہیں ۔ چونکہ بچے نا سمجھ ہوتے ہیں اس لئے وہ اس قسم کی خرافات میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ جو کہ ان کے ذہن کو آلودہ کر دیتی ہے۔ بچوں اور بڑوں کے دل پڑھائی سے اکتا جاتے ہیں اور وہ بس انٹر نیٹ کی دنیا میں مگن رہتے ہیں ۔ اس کے علاوہ انٹرنیٹ پر چند ویب سائٹوں پر تشد د سے بھرپور گیمز کھیل کر بھی بچوں کے ذہن خراب ہو رہے ہیں۔ اس لئے یہ والدین کی اخلاقی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ خاص طور پر چھوٹے بچوں کو بلاضرورت انٹرنیٹ استعمال نہ کرنے دیں ۔ اور دوسری تعمیری سرگرمیوں میں ان کو مصروف رکھیں۔

ازل سے ہی انسان کی خواہش ہے کہ وہ دوسروں کے بارے میں جانے اور کچھ اپنے بارے میں دوسروں کو آگاہ کرے۔ اس سلسلے میں ایک دوسرے سے بات چیت کا طریقہ کار سب سے بہترین ہے۔ لیکن انٹرنیٹ چیٹنگ ایک ایسی لت ہے جس میں ایک بار کوئی مبتلا ہو جائے تو مشکل سے ہی اس کی جان چھوڑتی ہے ۔ یہ لت ایسی ہے کہ اس میں بارہ سال سے لے کر ستر سال کے لوگ اس میں مبتلا ہیں جن میں اچھے خاصے سمجھ دار لوگ بھی شامل ہیں وہ بھی اس خباثت میں الجھ جاتے ہیں۔ نہ صرف پاکستان میں بلکہ دنیاکے دوسرے خطوں میں بھی Chatting سوائے

جھوٹ ، مکر وفریب کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ لوگ ایک دوسرے کو بے وقوف بنا کر خوش ہوتے ہیں۔اور انہیں زندگی کے قیمیتی وقت کے ضیاع ہونے کا کوئی بھی احساس نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اسی انٹرنیٹ چیٹنگ کی بدولت بہت سی لڑکیاں لڑکوں سے دوستی کرلیتی ہیں اور پھر اپنے گھروں سے باہر نکل کر اپنے والدین کی بدنامی کا باعث بنتی ہیں۔

انٹرنیٹ کی ایجاد جب سے ہوئی ہے بہت سے لوگ اس کو اپنے عقائد و نظریات کے مطابق استعمال کر رہے ہیں اوراپنے نظریات وعقائدہ کا پرچار انٹرنیٹ پر بھی کر رہے ہیں ۔ اپنے خیالات کو دوسروں تک پہچانے کا یہ سب سے بہترین ذریعہ ہے۔اسی وجہ سے بہت سے لوگ اس کو استعمال کر رہے ہیں ۔ اور وہ اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کی خاطر مختلف قسم کی ویب سائٹوں کے ذریعے لوگوں کو اپنے عقائد و نظریات کی طرف مائل کرنے کی کوششوں پر لگے ہوئے ہیں ۔ انٹرنیٹ پر باطنیہ اور باطل فرقے بھی اسلام کی آڑ میں اپنے غلط عقائد کا پرچار کرتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا باعث بن رہے ہیں اور یہ سب اسی انٹرنیٹ کی کارستانی ہے۔ اس سے قبل یہ لوگ ڈھک چھپ کر اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوئے تھے اور اب اس ذریعے سے کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔

اور اب بات کرتے ہیں ان جرائم کی جو انٹرنیٹ کی وجہ سے ہو رہے ہیں ۔ اگرچہ جرائم پہلے بھی ہوتے تھے لیکن اب وہ اس ذریعہ کی بدولت زیادہ منظم طریقے سے ہو رہے ہیں۔اور ان جرائم نے پوری دنیا کو متاثر کیا ہے ۔ کیونکہ انٹرنیٹ کے ذریعے اب

دوسروں کے کریڈٹ کارڈز کو چرا کر آن لائن شاپنگ کی جاتی ہے۔ بنکوں کو لوٹا گیا ہے اور لوگوں کی رقوم بنکوں سے نکوائی گئی ہیں۔ جس سے ایک نئی اصطلاح سامنے آئی ہے اور وہ ہے "سائبر کرائمز" کی اصطلاح جو اس زریعے (انٹرنیٹ) کی بدولت ہونے والے جرائم کیلیے استعمال کی جاتی ہے۔ اور آج سے شاید چند سال قبل لگوں کو اس بات کا اندازہ ہی نہیں ہوگا کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب جرائم اس شکل میں بھی ہوا کریں گے۔ اور یہ سب انٹرنیٹ کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اگرچہ انٹرنیٹ کے فائدے اس کے نقصانات کے مقابلے میں کسی حد تک کم ہیں۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ ہم انسان ہی ہیں جو اس کے ذریعے غلط سرگرمیوں میں ملوث ہو رہے ہیں۔ سو آج سے فیصلہ کر لیجئے کہ آپ انٹرنیٹ کے ذریعے کوئی غلط کام نہیں کریں گے تو یقیقا آنے والے وقت میں اس کی تباہ کاریوں میں کمی ضرور آئے گی۔

ہم کب جاگیں گے؟

پاکستان کو اپنے معرض وجود میں آنے کے بعد سے آج تک بہت سی مشکلات اور خوفناک حالات کا مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ وہ ان سے بخوبی احسن مقابلہ کر رہا ہے اور اپنے دشمنوں کے مہلک وار بھی سہہ رہا ہے۔ اگرچہ پاکستان کو اپنے قیام کے چند سالوں میں ہی اپنے ایک بازو سے محروم ہونا پڑا۔ مگر اس کے باوجود اس پاک ارض کے دشمنوں کے دل و دماغ تاحال اس کے باقی وجود پر ہیں۔ جو یہ نہیں چاہتے کہ پاکستان دنیا کے نقشہ پر ہو اور پاکستان کے ایٹمی قوت بن جانے کے بعد سے تو ہمارے دشمنوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔اور وہ ایک کے بعد ایک وار کرتے رہتے ہیں تاکہ پاکستان کو استحکام حاصل نہ ہوسکے اور اس کی معاشی حالت کبھی ٹھیک نہ ہو؟ جب بھی معاشی طور پر سرگرمیاں عروج پر جانے لگتی ہیں تب ہی کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ ضرور ہو جاتا ہے جس سے معاشی سرگرمیاں ایک دم سے رک جاتی ہیں اور پاکستان کی معیشت کو نا قابل تلافی نقصان پہنچتا ہے۔ جیسا کہ 27 دسمبر کو پاکستان کی شان محترمہ بینظیر بھٹو صاحبہ کی المناک شہادت کی وجہ سے پاکستان کو ہوا۔ پاکستان کو شروع سالوں میں ہی اپنے اولین وزیر اعظم لیاقت علی خان کی شہادت کو

صدمہ سہنا پڑا اور اسکے بعد ہمارے ملک کے حالات اس ڈگر پر چل پڑے جس پر شاید ان کی وفات نہ ہونے سے ملک جس راہ پر گامزن ہوتا وہ دنیا کے لئے قابل رشک ہوتا مگر دشمنوں نے ایسا وار کیا جس کے اثرات ہم ابھی تک بھگت رہے ہیں۔ اس کے بعد ایک اور عوامی یڈر کی باری آتی ہے اور وہ تھے پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی و سابق وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو، جن کے بہترین کارناموں سے خائف ہو کر پاکستان کے دشمنوں نے اسکو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ وہ لیڈر جس کی بدولت قوم کو 1973 کا آئین ملا اور اس کی ہمت کی وجہ سے پاکستان ایٹمی قوت بنا اپنے ناکردہ گناہ کی سزا پا گیا۔ اور اس کے بعد باری آتی ہے اسی شہید بھٹو کی بیٹی کی جو ملک میں جمہوریت کی خواہاں تھی اور اس ملک کے غریب اور بے سہارا لوگوں کی امید تھی کہ وہ آ کر پاکستان کے حالات بدلے گی اور خوشحالی لائے گی تاکہ وہ خواب پورا ہو سکے جس کی خاطر یہ ارض پاک معرض وجود میں آئی تھی۔

پچھلے پچاس سالوں سے ہم بہت سے حالات و واقعات سے گذر چکے ہیں مگر ابھی تک اپنی منزل کا راستہ تلاش نہیں کر پائیں ہیں ؟ کیا ہڑتالیں ، دنگا فساد اور قتل و غارت کا خواب ہی ہمارے بزرگوں نے دیکھا تھا؟ کیا ہم اس ملک کے رہنے والے نہیں ہیں کیا ہمار افرض نہیں بنتا کہ اسکے اپنی جان کی باری لگا کر ملک کو خوشحالی اور استحکام کی طرف لے جائیں؟ کب تک ہم غفلت کی نیند سوئے رہیں گے ؟

فاصلاتی نظام تعلیم -ترقی کا زینہ

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں جب انسان اپنی معاشی مسائل کو حل کرنے کی خاطر مختلف کاموں کو سرانجام دے رہا ہے۔وہ ایسے میں اپنی تعلیم کو جاری نہیں رکھ سکتا۔ ایسے میں فاصلاتی نظام تعلیم کسی بھی انسان کو جو مزید تعلیم کا خواہشمند ہے کو موقعہ فراہم کرتی ہے کہ وہ اپنی نوکری کے ساتھ ساتھ اپنی تعلیم کو مکمل کرسکے اور اپنی اس کمی کو پورا کرسکے جو وہ ادھوری تعلیم کے باعث اس میں تھی۔۔ پاکستان میں اگرچہ فاصلاتی نظام تعلیم کو پسند کرنے والوں کی تعداد کم ہے لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس نظام تعلیم کی بدولت ہزاروں لاکھوں لوگ مستفید ہو چکے ہیں اور آج اس مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ معاشرے اور خاندان میں مثال سمجھے جاتے ہیں۔ اگر وہ اس ذریعہ تعلیم سے فائدہ نہ اٹھاتے تو وہ ترقی کے مواقعوں سے محروم رہتے۔

فاصلاتی نظام تعلیم کی سب سے زیادہ ضرورت ہمارے ملک کو ہے کیونکہ بہت سے لوگ جو اپنی معاشی مجبوریوں اور وسائل کی کمی کی وجہ سے باقاعدہ تعلیم کو جاری نہیں رکھ سکتے مزید تعلیم حاصل کرسکیں۔ اور دیہات میں رہنے والی بہت سی خواتین جن کو تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق اور جذبہ ہے وہ رسم ورواج اور پردے کی پابندی کی وجہ سے گھر سے باہر نہیں نکل سکتیں۔ وہ خاص طور سے اس ذریعہ تعلیم کی بدولت

اپنی سوچوں اور شعور کو وسعت دے سکتی ہیں۔ اور اپنے پاؤوں پر خود کھڑی ہو سکتی ہیں۔ مزید براں یہ کہ وہ گھر کے سربراہ کے کام کاج کے قابل نہ رہنے یا اس کے ساتھ مل کر اپنے گھر کے نظام کو بخوبی چلا کر اپنا اور اپنے بچوں کو پیٹ پال سکیں۔

اگر پوری دنیا میں اس بات کا سروئے کیا جائے کہ ''کیا آپ ترقی کرنا چاہتے ہیں'' تو غالباً 99.9% لوگ اس سوال کا جواب ''ہاں'' میں دیں گے۔ لیکن بہت سے افراد نامناسب حالات کی وجہ سے اپنے اپنے میدان میں ترقی نہیں کرپاتے۔ اس کی بنیادی وجہ دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ تعلیم کی کمی بھی ہے۔ تعلیم کو بلاشبہ ترقی کا زینہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ تعلیم سے ہر انسان ترقی کے خواب دیکھنا شروع کر دے۔ اگر قسمت انسان کا ساتھ دے تو تعلیم کے بغیر بھی کامیابی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔ لیکن ایسا دنیا میں بہت کم کم ہی ہوتا ہے۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ دوسرے عوامل کا کردار بھی کامیابی میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔

کم آمدنی اور غریب گھرانے سے تعلق رکھنے والے وہ افراد جو مزید تعلیم جاری رکھنا چاہ رہے ہوں لیکن باقاعدہ طور پر سکول، کالج نہ جا سکتے ہوں وہ کم خرچ میں تعلیم حاصل کر کے اپنے خوابوں کی تعبیر پا سکتے ہیں۔ اس ذریعہ تعلیم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ نوکری کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی جاری رہتی ہے۔ اور انسان تعلیم کی

بدولت ترقی کی منازل بھی طے کرتا چلا جاتا ہے۔ اور اپنے محکمے میں یا کسی دوسرے ادارے میں اچھی پوسٹ پر فائز ہو جاتا ہے اور ملک و قوم کی خدمت کرتا ہے۔

پاکستان میں فاصلاتی نظام تعلیم AIOU عرصہ دراز سے دے رہی ہے۔ اس نظام تعلیم میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا کردار ناقابل فراموش ہے۔ اور اسے ملک کی اولین فاصلاتی یونیورسٹی ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہے۔ سرکاری سطح پر ورچول یونیورسٹی Virtual University نے بھی فاصلاتی نظام تعلیم کو اپنایا ہوا ہے۔

ایسا نصیب کہاں

وہ چھوٹی سی بچی (بینظیر) جس نے المرتضٰی لاڑکانہ میں اپنے والد کے ہاتھوں بندوق سے فائر کرکے درخت پر سے ایک طوطے کو مارنے پر دو دن تک کھانا نہیں کھایا تھا وہ قتل ہو گئی۔ نہتی اور بندوقوں سے نفرت کرنے والی آخر کار اپنی ہی سر زمین پر شہید ہو گئی؟ دنیا میں بہت سے لوگ آئے روز مختلف حادثات میں مرتے رہتے ہیں؟ کچھ لوگ سیاسی سازشوں کی وجہ سے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں؟ مگر کم کم ایسے ہوتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی وہ کبھی دلوں سے محو نہیں ہو پاتے ہیں اور ان کی یاد ہمیشہ آتی ہیں انہی لوگوں کی فہرست میں پاکستان کی مشہور زمانہ بھٹو فیملی کا نام بھی آتا ہے جس کے خاندان کے افراد کی زیادہ تر اموات غیر طبعی ہوئی ہیں مگر اس کے باوجود بھی اس خاندان سے لوگوں کی محبت وانس کم نہیں ہوا ہے۔ بھٹو خاندان کے پاکستان پر بہت سے احسانات ہیں اور انکے کارنامے تاریخ میں سنہری الفاظ میں لکھنے کے قابل ہیں چاہے وہ 1973 کا آئین ہو یا پاکستان کو ایٹمی قوت کی صلاحیت ہو؟

بھٹو خاندان کے سب سے پہلے شہید ذوالفقار علی بھٹو صاحب تھے جن کو اس وقت کے حکمران ضیا الحق صاحب نے ایک سیاسی متنازعہ کیس میں پھانسی دے دی اور کئی ممالک کے سربراہان مملکت کی سفارش بھی معافی کے سلسلہ میں نہ دی اور اس طرح سے

ملک کا سابق وزیر اعظم تختہ دار پر لٹک گیا۔اس کے بعد بھٹو مرحوم کے سب سے چھوٹے بیٹے شاہ نواز بھٹو کی باری آتی ہے جو پیرس میں مقیم تھے اور وہ اپنے فلیٹ میں مشکوک طور پر مردہ پائے گئے ۔اس کے بعد مرتضیٰ بھٹو شہادت کے درجے پر فائز ہوتے ہیں اور وہ بھی اپنی بہن کے دور حکومت میں پولیس کے ہاتھوں اور اب سے چند دن قبل ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی لاڈلی بیٹی بینظیر بھٹو شہید کر دی گئی ہیں؟مگر بھٹو خاندان سے سیاسی دشمنی کرنے والوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ جب بھی اس کے کسی فرد کو جان سے ماریں گے انکی قوت پہلے سے زیادہ سامنے آئے گی اور اب تک کے رونما ہونے والے حالات و واقعات نے یہی ثابت کیا ہے؟

کیا اب تک کوئی سیاسی شخصیت جس نے عوام کے ساتھ ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائیں ہوں وہ عوام کے ساتھ مرے ہیں؟ نہیں نا یہ اعزاز صرف اور صرف بھٹو خاندان کو سوائے قائداعظم محمد علی جناح ہی حاصل ہے۔اس کے علاوہ اس حکمران رہنے والے خاندان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس کے چار سپوت اس سرزمین کیلئے شہادت کے منصب پر فائز ہوئے ہیں۔ بھٹو خاندان سے لوگ کس قدر محبت کرتے ہیں وہ تو بھٹو فیملی سے دشمنی کرنے والوں نے محترمہ کی شہادت کے موقعہ پر چاروں صوبوں کی عوام کو دھاڑیں مار مار کر اپنے غم کا اظہار کرتے ہوئے دیکھ لیا ہوگا؟اور بہت سے لوگ شدت غم کی وجہ سے بھی اپنی جان سے گئے صرف بھٹو خاندان سے محبت کی وجہ سے؟ کوئی ایسا لیڈر ہے جس کی خاطر عوام اپنی جانیں تک قربان کرنے پر تیار ہوں؟

وقت کو کیسے بچائیں؟

اس دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کہ کام کی زیادتی اور وقت کی کمی کا رونا اکثر وبیشتر روتے ہیں۔ وقت ایک ایسی چیز ہے جو کہ ہر امیر، غریب کے پاس یکساں موجود ہے۔ اور اس بات سے بھی سب ہی بخوبی واقف ہیں کہ ''وقت کبھی لوٹ کر واپس نہیں آتا''۔ بات صرف اس کو ٹھیک طور سے استعمال کرنے کی ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ضروری کام کاج نمٹانے کے بعد اپنی من پسند سرگرمیوں کو بھی سرانجام دے لیتے ہیں۔اور وقت کو گنوانے والوں کے پاس سوائے پچھتاوے کے اور کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی۔ دنیا میں کامیاب ترین انسانوں کی سب سے.بڑی خوبی یہی تھی کہ وہ وقت کی قدر و قیمت سے آگاہ تھے اور اسی وجہ سے وہ کامیاب انسان کہلائے۔

ہم میں سے اکثر لوگ یہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش دن میں کچھ اور گھنٹے ہوتے، اور ہم اپنے ادھورے کاموں کو مکمل کرسکیں ایسا تو ممکن نہیں ہے لیکن میں آج چند ایسی باتیں آپ کو بتاؤں گا جس پر اگر آپ عمل کرنا شروع کردیں تو آپ اپنا کافی قیمتی وقت بچا سکتے ہیں۔ اور کامیاب ترین انسانوں کی فہرست میں شمار ہو سکتے ہیں۔ دنیا بھر کے ماہرین نے وقت کی منصوبہ بندی پر باقاعدہ تحقیق کی ہے اور اس

موضوع پر انہوں نے لوگوں کو کئی مفید مشوروں سے نوازا ہے۔

☆سب سے پہلے تو آپ کو اپنے وقت کے مسئلے سے نمٹنے کیلئے سنجیدہ ہونا پڑے گا اور اچانک بہت سے گھنٹے کا وقت بچانے کی بجائے اپنی توجہ ان چھوٹی چھوٹی سرگرمیوں پر رکھیں جن سے آپ کے پانچ دس منٹ بچ سکتے ہیں۔ کیونکہ اسی وجہ سے آپ کا زیادہ وقت ضائع ہوتا ہے۔ جتنا جلدی اگر کوئی کام کیا جاسکتا ہے تو اس کو جلد مکمل کرنے کی کوشش کریں۔

☆اپنے وقت پر بیدار ہو جائیں اور بستر پر پڑے رہنے، کی بجائے اٹھ کھڑے ہوں کیونکہ بستر میں فضول قسم کی سوچوں میں رہنے سے آپ کا وقت ضائع ہوگا۔اللہ تعالی نے آپ کو بے کار پیدا نہیں کیا ہے اپنی صلاحیتوں سے آگاہی حاصل کریں اور مثبت کاموں کو سرانجام دیجئے۔

☆ناشتے سے قبل اگر آپ کوئی کام کرنا چاہ رہے ہوں تو وہ ناشتہ کرنے سے پہلے کرلیں کیونکہ ایسا کرنے سے آپ اطمینان سے کھانے سے لطف واندوز ہو سکیں گے۔ ناشتہ ضرور کریں چاہے وہ ہلکا پھلکا ہی کیوں نہ ہو چونکہ آپ نے دن بھر مختلف کاموں میں اپنی توانائی کو ہی استعمال کرنا ہے۔

☆ایسا لباس پہنے سے اجتناب کریں جس پر زیادہ استری کرنے کی ضرورت پڑتی ہو۔ کیونکہ استری کا مسئلہ بھی کئی لوگوں کی مصروفیت پر بری طرح اثر کرتا ہے۔ لباس زیادہ قیمتی ہو یا نہ ہو صاف ستھرا ضرور ہو تاکہ لوگوں پر آپکا اچھا تصور قائم ہو۔

☆اس بات کی کوشش کریں کہ ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ کام ہوتے رہیں یہ وقت بچانے کا سب سے عمدہ طریقہ ہے۔ وقت بچانے کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ آپ گھر کے چھوٹے موٹے کاموں کیلئے کوئی ملازم رکھ لیں ایسا کرنے کی صورت میں آپ اپنا کافی وقت بچا سکتے ہیں۔

محبت اور دوستی

آج کل ہر طرف دوستی اور محبت کا چرچا ہے ہر کسی کی زبان پر محبت اور دوستی کا نام ہے چاہے ان کو اس کا مطلب بھی اچھی طرح سے نہ آتا ہوں وہ بھی محبت اور دوستی سے لطف اندوز ہونے کے لئے ترستے ہیں۔ لیکن بہت سے لوگ اس بات سے آگاہ نہیں ہیں بظاہر چند حرف پر مشتمل یہ الفاظ اپنے اندر کتنی گہرائی رکھتے ہیں شاید وہی لوگ ہی اس سے بخوبی واقف ہوپاتے ہیں جو دوستی اور محبت میں مخلص ہوتے ہیں۔

دوستی اور محبت میں بڑا فرق ہوتا ہے دوستی تو ہر انسان سے کی جا سکتی ہے لیکن خاص محبت بہت کم ہی لوگوں کے نصیب میں آتی ہے۔ دوستی تو لوگ مطلب کی خاطر کر سکتے ہیں لیکن محبت وہ واحد جذبہ ہے جو بغیر کسی مطلب کے بس اپنے محبوب کی طلبگار ہوتی ہے۔

آج دوستی کے نام پر بڑے بڑے کام نکلوائے جا رہے ہیں اور دوستی جیسے رشتہ کو پامال کیا جارہا ہے لیکن محبت کو جان دے کر بھی اس کے تقدیس کو بچایا جا رہا ہے لوگ جان دے دیتے ہیں لیکن اپنی محبت پر آنچ نہیں آنے دیتے ہیں۔ لیکن آجکل انٹرنیٹ اور موبائل فونز پر لوگ محض وقت گزاری کی خاطر محبت اور دوستی جیسے

جذبے کو استعمال کر رہے ہیں اور بہت سے معصوم دلوں سے کھیل رہے ہیں شاید اور بے خبر ہیں کہ کل کو کوئی ان کے ساتھ بھی یہ کھیل کھیل سکتا ہے۔

دوستی اور محبت جیسے رشتے زندگی میں رعنائی کا باعث ہیں اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو زندگی بے معنی اور بے کیف سی ہو جاتی۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ دوستی اور محبت انسانوں سے ہو یہ اللہ، اسکے رسول اور کائنات میں موجود اشیا سے بھی ہو سکتی ہے۔

اردو قومی زبان۔ آخر کب؟

قیام پاکستان سے ہمارے ملک کو بہت سے اندرونی اور بیرونی مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور ہر آنے والا نیا دن اس کے لئے مزید مسائل لے کر آ رہا ہے۔ مگران برسوں میں جب سے پاکستان کا قیام وجود میں آیا ہے ایک مسئلہ روز اول سے ہے کہ اس ریاست میں کون سا نظام موزوں رہے گا جمہوری طرز کا یا مکمل اسلامی طرز کا ہوگا اور اس کا دوسرا نہایت اہمیت کا حامل مسئلہ یہ ہے کہ اس میں کون سی زبان کو قومی تصور کیا جائے گا۔

اگرچہ قیام پاکستان سے قبل ہی بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے فرمادیا تھا کہ اردو کو اس ملک میں قومی زبان کی حیثیت دی جائے گی۔ مگر بعد میں آنے والے وقت میں یہ بات سامنے آئی کہ اردو کو محض سرکاری دستاویزات میں سرکاری زبان قرار دے دیا گیا مگر عملی طور پر اس کی شکل دیکھنے میں سامنے نظر نہیں آئی۔اس وقت ملک میں اردو اور انگریزی زبان رائج ہیں اور مختلف قسم کی ملازمتوں میں بھی انگریزی بولنے اور لکھنے والوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔

سرکاری دفاتر میں بھی ہر قسم کی دستاویزات انگریزی میں تحریر کی جاتی ہیں اور اردو کو محض خانہ پری کے طور پر سرکاری، قومی زبان قرار دیا گیا ہے۔ مگر اس کو

عملی طور پر نافذ کرنے میں حکومت کس طور بھی سنجیدہ نظر نہیں آ رہی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اردو کو ہر سطح پر رائج کیا جائے جیسا کہ دنیا کے باقی ممالک نے اپنی قومی زبان کو رائج کرنے کے اقدامات کیے ہوئے ہیں ویسے ہی ہماری حکومت کو کرنا چاہیے۔

کتب خانے۔ علم دوستی کے علمبردار

کتب خانہ جس کو انگریزی میں لائبریری کہا جاتا ہے لفظ لائبریری لاطینی زبان ''لبرا سے ماخوذ ہے جس کے معنی چھال اور کتاب کے ہیں۔ لائبریری کا لفظ پڑھنے، تحقیق'' کرنے یا دونوں مقاصد کیلئے باقاعدہ کسی ایک جگہ کتب و مخطوطات کو اکھٹا کرنے کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ کتب خانہ کا بنیادی مقصد علم کی حفاظت اور ترسیل ہے۔ مسلمانوں نے کتب خانوں کو ''معلوماتی مرکز'' کا نام دیا تھا۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ بنی نوع انسان کے تہذیب یافتہ دور میں قدم رکھتے ہی کتب خانوں کا آغاز ہو گیا تھا۔ انسان کا دنیا میں آنکھ کھولتے ہی لکھنے پڑھنے کی رجحان تھا۔ اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے مٹی کی تختیوں، جانوروں کی جھلی اور لکڑی کی تختیوں کو استعمال کیا گیا بعد ازاں چین میں کاغذ کی ایجاد عمل میں آئی۔

فن تحریر کے ساتھ ہی کتب خانوں کے قائم ہونے کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ قدیم دور کے کتب خانوں میں آشور بنی پال، کتب خانہ اسکندریہ اور کتب خانہ پرگامم قابل ذکر ہیں۔ آشور بنی پال کے کتب خانے میں دو لاکھ تیس ہزار مٹی کی

تختیاں تھیں اور اس کتب خانے کو پہلا عوامی کتب خانہ بھی کہا جاتا ہے۔ جبکہ پرگامم کا مواد پیپرس رولز اور پارجمنٹ پر مشتمل تھا اور یہ ذخیرہ دو لاکھ کے لگ بھگ تھا۔ دنیا کا پہلا منظم کتب خانہ اسکندریہ تھا اور اس میں منہ مانگی قیمت پر کتب خرید کر رکھی جاتی تھیں اس میں میں رکھے گئے مواد کو مضامین کے اعتبار سے رکھا جاتا تھا۔ اس کا قیام 323 ق۔م میں مصر میں عمل میں آیا اور اس میں ذخیرہ کتب سات لاکھ تھا۔ اس کی تعمیر و قیام میں بطلیموس دوم نے اہم کردار سرانجام دیا تھا۔ پرانے وقتوں کے عظیم کتب خانوں کی دو اہم خصوصیات علم دوستی اور حکمرانوں کی ذاتی دلچسپی اور ان کی ہیت و تنظیم میں ہم آہنگی تھی۔ نجی کتب خانوں کا بانی ارسطو کو کہا جاتا ہے۔ ارسطو نے کتب خانوں کی تنظیم و ترتیب سائنسی بنیادوں پر رکھنا شروع کی تھی۔ یونانی کتب خانوں میں ادب، تاریخ، سائنس، ریاضی، فلسفہ، مذہبیات، سیاسیات اور اخلاقیات جیسے موضوعات پر ذخیرہ کتب زیادہ تھا۔ آپ کو یہ بات جان کر شاید حیرت ہو کہ مغل بادشاہ ہمایوں وہ بادشاہ تھا جو کتب خانہ کی سیڑھیوں سے پھسلا اور بعد میں انتقال کر گیا۔

تعلیم اور کتب خانے ایک دوسرے کیلئے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں کوئی تعلیمی درسگاہ ایک منظم کتب خانے کی ضرورت سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔ تعلیمی اداروں میں نصابی ضرورت محض نصابی کتابوں سے پوری نہیں ہو سکتیں لہذا تحقیقی ضروریات کیلئے اضافی کتابوں کا ہونا ضروری ہے۔ جنہیں منظم تعلیمی کتب خانوں کی

صورت میں رکھا جا سکتا ہے۔ معاشرتی ترقی کا انحصار اس بات پر ہے کہ عوام مروجہ علوم اور زمانے کے تقاضوں سے آگاہ ہوں۔ عوام کی علمی سطح جتنی بلند ہوگی ملک اتنی ہی ترقی کرے گا۔ علم کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہمارے سکول، کالج اور یونیورسٹیاں ہیں مگر ان میں صرف نصابی تعلیم دی جاتی ہے۔ تعلیمی ادارے علم کی انتہائی نہیں بلکہ لوگ یہاں سے اپنے راستے سے آگاہ ہوتے ہیں۔ عملی زندگی کے راستے پر مسلسل گامزن رہنے کا ذریعہ کتب خانے ہیں۔ ان کی اہمیت اس لئے بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ صحیح معنوں میں علم کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ لہذا یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جو راستہ تعلیمی ادارے سے نکلتا ہے وہ کتب خانہ میں آ کر ختم ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ یہ کسی بھی شخص کی معلومات کا بہترین ذریعہ ہیں۔ یہاں پر ہر قسم کا علم بغیر کسی پابندی اور رکاوٹ کے مل جاتا ہے۔

پاکستان میں بہت سے تعلیمی ادارے ایسے بھی ہیں جہاں لائبریری کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے کتب خانوں سے نوجوان نسل کی دوری کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے شاید ان کے کرتا دھرتا لائبریری کی اہمیت و قدر سے واقف نہیں ہیں اور چھوٹی چھوٹی عمارتوں میں تعلیمی ادارہ قائم کرکے محض روپیہ تو کما رہے ہیں لیکن طلبہ میں علم کی جستجو اور قدر کو اجاگر نہیں کر رہے ہیں۔ اور طلبہ اپنا وقت مختلف قسم کے کھیلوں میں صرف کر دیتے ہیں اور ان کو کچھ بھی سیکھنے کو نہیں ملتا ہے۔ جب کہ ان کا رجحان اگر تعلیم کی طرف کر دیا جائے تو یہ ملک کی ترقی و خوشحالی میں

بہتر طور سے اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

پاکستان میں شرح خواندگی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بہت سے طلبا تعلیم کی طرف مناسب رہنمائی نہ ملنے کی وجہ سے کسی فنی ہنر سیکھنے کی طرف مائل ہو جاتے ہیں تاکہ روزگار کی فراہمی آسان ہو سکے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کی دلچسپی نصابی کتب سے ہٹ کر دیگر موضوعات پر مطالعہ کرنے کی ترغیب نہیں دی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ حصول تعلیم کو بوجھ سمجھتے ہوئے اس سے چھٹکارہ حاصل کر لیتے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ "محبوبہ جب بیوی بن جائے تو بور کرنے لگتی ہے"۔اس طرح سے ایک دلچسپ کتاب بھی نصاب میں داخل ہو کر بوریت کا سبب بن جاتی ہے کہ اس کو بار بار پڑھنا پڑتا ہے اور اسطرح سے تخلیقی قوت کو ابھارنے کی صلاحیت کھو جاتی ہے۔ لہٰذا اسطرح کے اقدامات کرنے چاہیے کہ طلبا میں ذوق مطالعہ پیدا ہو جائے اور وہ مرتے دم تک کتب سے دوستی کبھی دستبردار نہ ہوں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ " Child is the father of man" بچہ ہی مستقبل کا باپ ہے آج کے والدین کل بچے تھے اور آج کے بچے ہی کل کے اچھے اور ذمہ داری شہری ہونگے لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ انکی تربیت اس انداز سے کی جائے کہ ان میں فروغ مطالعہ کی عادت پختہ ہو جائے تاکہ وہ تمام عمر حصول علم میں مگن رہ سکیں۔

خوف خدا

زندگی کا کچھ پتا نہیں کہ کب ختم ہو جائے لیکن حضرت انسان تو ایسے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دے رہا ہے جیسے اسے اپنے کسی بھی عمل اور فعل کا جوابدہ نہیں ہونا ہے۔

آئے روز اخبارات میں نت نئے واقعات پڑھنے کو ملتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی ذاتی انا اور خواہش کی طلب ہمیں کہیں کا بھی نہیں چھوڑے گی اور جب اس بات کا احساس ہوگا اس وقت تک بہت دیر ہو چکی ہو گی۔

پاکستان کو قائم ہوئے ساٹھ سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن ہمارے حکمران اللہ تعالیٰ سے نہیں بلکہ امریکہ کی خوشنودی کی خاطر کچھ بھی کرنے کو تیار ہیں چاہے وہ عافیہ صدیقی کا معاملہ ہو یا محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب کا مسئلہ ہو۔ ہمارے حکمران صرف اس موجودہ زندگی کی تمام تر رنگنیوں سے لطف واندوز ہونا ہی انکا مطع نظر بن چکا ہے اور کسی قسم کا کوئی خوف خدا ان میں نظر آتا ہے۔اور عوام تو بے بس ہیں وہ کریں بھی تو کیا کریں ان کو تو معاشی بدحالی ہی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اور مسائل کے حل کی جانب نظر ڈالیں۔

عدل وانصاف کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ عدل کی کرسی پر فائز رہنے والے صاحب آج

کل خود انصاف کی تلاش میں ہیں جو منصف کی کرسی پر ہیں ان کو اپنی بیٹی ہی نظر آتی ہے باقی کسی کے نمبرز نہیں.ٹرھائے شاید ان کے باپ عدل کی کرسی پر فائز نہیں ہیں۔ عدل وانصاف کو اللہ بھی پسند کرتا ہے لیکن ایسے نہیں جیسے اج کل ہمارے ملک کے عدل کے فراہمی کرنے والے سرانجام دے رہے ہیں۔

ہم کہاں جا رہے ہیں؟

اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جو کہ اپنے پیروکاروں کو امن و سلامتی کا درس دیتا ہے اور اسی وجہ سے دنیا بھر کے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ اسلام کا شمار دنیا کے سب سے تیزی سے پھیلنے والے مذہب میں ہوتا ہے جو بغیر کسی طاقت کے زور پر پھیلا تھا اور اب بھی پھیل رہا ہے۔ پاکستان کو بھی اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا اور اس میں رہنے والے بیشتر لوگ مسلمان ہیں جو کہ اسلام کے اصولوں کے مطابق اپنی زندگیوں کو بسر کر رہے ہیں اور کرنے کے خواہشمند بھی ہیں۔ اور اسی وجہ سے ہمارا ملک دیگر اقوام کی طاغوتی طاقتوں کا نشانہ بنا ہوا ہے چاہے وہ مذہبی انتہا پسندی کی شکل میں ہو یا خودکش حملوں کی صورت میں کی جا رہی ہے۔ پاکستان کو ہر پل کمزور سے کمزور تر کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں باوجود اس کے ہم اپنا ایک بازو بھی کھو چکے ہیں ابھی تک ہم اپنے دشمنوں سے آگاہ نہیں ہو سکے ہیں اور یہی ہمارا سب سے بڑا لمحہ فکریہ ہے۔ کسی نہ کسی منزل پر پہنچنے کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ ہمیں راستے کی دشواریوں اور سمت کا بخوبی اندازہ ہو ورنہ ہم راستے میں بھٹک سکتے ہیں اور اپنی منزل سے دور ہوتے چلے جا سکتے ہیں۔ بالکل ایسے ہی پاکستان کو اسلام کے نام پر حاصل تو کر

لیا گیا مگر اسلام کے نفاذ کے سلسلے میں خاطر خواہ اقدامات جیسے کرنے چاہیے تھے نہ کئے جا سکے۔ لیکن گذشتہ ساٹھ سالوں میں کسی حکومت یا سیاستدان یا مذہبی رہنما نے بھی کوئی ایسی سنجیدہ کوشش نہیں کی کہ وہ یہاں بسنے والوں کے درمیان کم از کم جو آپس کی فرقہ واریت ہے اس کو ختم کر سکیں۔ کیا ہم نے اللہ کے حضور پیش نہیں ہونا ہے؟ ہم اپنے اعمالوں کے جوابداہ خود ہونگے؟ اپنی پیدائش کے مقصد حیات سے قطع نظر کرکے اپنے خدا اور رسول کے احکامات کی نافرمانی کرکے کیا ہم راہ حق پر چل سکتے ہیں؟ ہم لوگ آپس میں ایک ہی دین کے پیروکار، ایک ہی رسول اور خدا کو ماننے والے، قرآن مجید کو آخری الہامی کتاب ماننے والے ہو کر آپس میں ہی ایک دوسرے سے دست و گریبان ہیں اور اس چپقلش سے دوسرے مذاہب (یہود و نصاریٰ) کے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اور انہی کی کارستانیوں کی وجہ سے ہم لوگ ایک دوسرے کی نفرت کا شکار ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف آئے دن کوئی نہ کوئی کاروائی کرتے رہتے ہیں۔ ایسے کر کے ہم کون سے راستے پر چل رہے ہیں؟ کیا اسی میں ہماری فلاح ہے؟ کیا انہی کاموں کی بدولت ہماری آخرت میں نجات ہوگی؟ ہم جانتے ہیں کہ گمراہی کے راستہ پر چل رہے ہیں پھر بھی دوسروں کو بھی ایسی راہ پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں جو سراسر نقصان کا باعث ہے۔

پچھلے چند برسوں میں کچھ ایسے لوگ پاکستان میں سامنے آئے ہیں جنہوں نے اپنے قابل مذمت کاموں (دہشت گردی، فرقہ واریت) سے اسلام کے تشخص کو متاثر کرنے کی کوشش کی

ہے اور لوگوں کو اپنے قول و فعل سے گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ اپنے مذموم مقاصد کو حاصل کر سکیں۔ جو لوگ ایسا کام کرتے ہیں کیا وہ نہیں جانتے کہ وہ اس ملک کو کس راہ پر لے جا رہے ہیں؟ یہ بات سب کو یاد رکھنی چاہیے کہ اس ملک کا حصول اسلام کے نام پر ہوا تھا اور یہ مسلمانوں کا ملک ہے۔ اسلام کو زبردستی نہیں بلکہ پیار و محبت کی جنگ سے لوگوں کو اس کی طرف مائل کرنے کی ضرورت ہے اس کے بعد کسی کو اسلام کو نفاذ کی ضرورت کسی کو نہ پڑے گی جب لوگ خود اسلام کی باتوں پر عمل کریں گے۔ اس ملک کا المیہ یہ ہے کہ حکمران سمیت سب کہتے ہیں عمل نہیں کرتے سب کو عمل کرنے کی ہدایت کی ضرورت ہے۔ اللہ بھی ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرنا چاہیں۔

بلا عنوان

میرے اس عنوان سے آپ یہ مت سمجھیے گا کہ میں کسی ملک کے دورے سے واپس آیا ہوں اور اس خاص ملک کے بارے میں اپنے تاثرات بغیر کسی عنوان کے پہنچاؤں گا تاکہ کسی پر حرف نہ آئے لیکن میرے ان مقدس خیالات کا آپ کی زندگی پر کوئی گہرا اثر نہیں پڑے گا۔ جب ملک آزاد عدلیہ اور جمہوریت کے محض نام سے چل سکتا ہے تو آپ لوگوں کو بھی حق ہے کہ جو چاہیں جب چاہیں جو بولیں اور کریں۔ جہاں بہت سے لوگوں پر اسلام کی باتیں اثرانداز نہیں ہوتی ہیں وہاں مجھ جیسے حقیر انسان کی باتیں کہاں کوئی اثر رکھتی ہیں۔ اور ویسے بھی میرے ایک آرٹیکل پر تبصرہ کرنے والے صاحب کا فرمان ہے کہ انسان کو پہلے اپنے آپ کو ٹھیک کرنا چاہیے ۔مجھے اپنے آپ کو ٹھیک کرنے دیں ملک و قوم کی خیر ہے ویسے بھی آجکل جن کے سپرد میرا ملک ہے وہ اس کے ساتھ تو ٹھیک ٹھیک سلوک تو کر ہی رہے ہیں نا؟ تو میں کہوں بولو! لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اگر انسان خود عمل کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود کسی مجبوری کے تحت عمل نہ کرسکے تو اسکے لئے ضروری ہے کہ دوسروں کو عمل کی ترغیب دے۔ نیکی کسی بدکار انسان کی قسمت میں بھی لکھی ہوتی ہے۔

نہ میرا ارادہ ملک میں واپس آنے والے سیاست دانوں کے بارے میں کچھ لکھنا ہے

کیونکہ ان کے اعمال کسی حد تک ایسے ہی تھے کہ وہ باہر کی سیر کرکے آئیں کیونکہ اندر کی ہوا تو وہ ویسے کھا چکے تھے خیر اب یہی دیکھ لیں کہ کبھی کبھی انسان کو شریف ہونے کی کس حد تک قربانی دینی پڑ جاتی ہے جیسے کہ آزاد عدلیہ اور جمہوریت کے علمبردار دو بھائیوں نے دی ہے۔ اور دوسری طرف ان کو ایک طرف کرنے کے باوجود بھی ابھی تک سیاست کے کھیل کے باری گر کو ابھی تک مطلوبہ سیٹس نہیں ملی کہ تنہا ہی حکومت بنا سکے۔ پچھلے چند روز سے مجھے پتا نہیں کیوں شرافت اور شریف دونوں لفظوں سے ڈر لگنا شروع ہو گیا ہے۔

نہ تو میں اس بارے میں کچھ کہوں گا کہ ملک میں اکثریت لوگ جن میں سیاست دان سرِفہرست ہیں کو اولین مقصد صرف اور صرف اپنے مفاد کا حصول ہے۔ عوام کو روزی روٹی سے فرصت ملے گی تو دھرنے اور لانگ مارچ میں شرکت کرے نہ؟ جہاں دو دن میں روٹی کی قیمت بڑھ جائے وہاں اور کیا کیا نہ ہوگا؟اور روپے کی خاطر وفاداریاں فروخت کی جائیں۔

سوچ کا دائرہ

ہم میں سے اکثر لوگ ہر پل کچھ نہ کچھ سوچتے رہتے ہیں اور یہی سوچنے کا عمل ہی ہے جو انسان سے مختلف نوعیت کے کارہائے نمایاں سرانجام دینے ،انواع واقسام کے مسائل سے نجات بھی دلاتا ہے۔ اس بات سے سب ہی واقف ہیں کہ عملوں کا دار و مدار نیت پر ہے ۔اور انسان کے اجر و ثواب کا تعین بھی اس کی نیت پر منحصر ہے۔ اسی طرح اپنے آپ کو سدھارنے اور ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے اچھی سوچ کا ہونا ضروری ہے۔ یوں کہیے کہ سوچ جب اچھی اور مثبت طرز عمل پر مبنی ہوگی تو اس کے مطابق اپ اپنے کاموں کو سرانجام دیں گے اور اسی کے مطابق آپ کی زندگی کا سفر جاری و ساری رہے گا۔ ہر انسان کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار کسی حد تک اس کی سوچنے کے عمل یا اس کے سوچ کے دائرہ پر بھی ہوتا ہے۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سے نوجوانوں میں منفی سوچ کا رجحان آجکل کچھ زیادہ نظر آرہا ہے اور اسی وجہ سے وہ بہت سے جرائم میں بھی ملوث ہو رہے ہیں یہ سب ان کی سوچ کے دائرہ کا محدود ہونے کی وجہ سے ہے۔ بہت سے لوگ صرف وقتی فائدہ کی خاطر حقائق کو نظر انداز کرکے کچھ ایسے کام یا اقدامات کر لیتے ہیں جن کا بعد میں ان کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ قسمت

میں جو کچھ لکھا ہو وہ ضرور ہوتا ہے لیکن قران میں بھی یہ بات بھی ہے کہ ہر انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

ہم جس قدر اپنی سوچ کا دائرہ وسیع کریں گے ہم بہت سے مسائل اور پریشانیوں سے بچ جائیں گے اور پرسکون زندگی گزار سکیں گے۔ مثبت سوچ اور قران کریم کے مطالعہ سے ہر انسان کی سوچ کا دائرہ وسعت اختیار کرسکتا ہے اگر وہ کچھ غور و فکر سے اس کو پڑھے۔۔ ہر صورت حال میں مثبت طرز عمل اختیار کرنے سے زندگی کے بہت سے مسائل پیدا ہونے پہلے ختم ہو جاتے ہیں۔ بات چاہے خواتین کو تعلیم دلوانے کی ہو یا ملک کی ترقی واستحکام کی سوچ مثبت اور حقائق پر ہو تو ضرور عمل درآمد بھی ہوتا ہے۔

بہت سے نوجوان کسی ملازمت کے حصول کے لئے جاتے ہیں تو بہت سے سوالات ان کے زہنوں میں ہوتے ہیں اگر وہ اپنی سوچ کو مثبت رکھیں اور اپنی طرف سے بھرپور محنت اور کوشش کریں تو وہ کہیں بھی عمدہ نوکری حاصل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ جب کوئی نوجوان پہلے ہی اپنی گھریلو اور معاشی پریشانیوں میں گھرا ہوگا اور یہ سوچ ہوگی کہ نوکری ملتی ہے یا نہیں؟ تو کیسے وہ بہترین طریقے سے انٹرویو دے سکے گا۔ بہت سی عمدہ ملازمتوں کو حصول بعض اوقات اچھے اور عمدہ انٹرویو دینے اور خود اعتمادی کے اظہار کے بعد ہی حاصل ہوتی ہیں۔یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اگر اپ خود اعتماد اور کام کرنے والے ہیں تو کہیں نہ کہیں آپکا رزق ضرور لکھا ہوگا اگر

اپ اللہ تعالی کی سفارش اور اسکے انصاف پر یقین رکھتے ہیں۔

لہذا آج سے مثبت اور اچھی سوچ اپنائیں قران کریم کا مطالعہ روز کیجے۔ جو ماضی میں ہوچکا اس کو بھول جائیں اور کل کے لئے ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کی تیاری شروع کیجے۔ روزمرہ کے معاملات میں بھی کھلے دماغ اور سوچ وبچار کے ساتھ فیصلے کیجئے اور پھر دیکھیں اپ کی زندگی میں کیا انقلاب آتا ہے۔

آزاد عدلیہ۔ مستحکم پاکستان

عدل وانصاف ہر معاشرے میں امن و خوشحالی کے لئے بے حد اہمیت رکھتا ہے اور بہت سے مسائل اس کی بدولت پروان نہیں چڑھ سکتے ہیں۔ لیکن اگر معاشرے میں عدل وانصاف کی فراہمی نہ ہو تو معاشرے کے اندر بدامنی اور انتشار پھیل جاتا ہے۔ تاریخ بھی اس بات کی گواہ ہے کہ جن حکمران نے اس کی اہمیت و قدر کو سمجھ کر لوگوں کو انصاف کی فراہمی ممکن بنائی ان کا اقتدار کا دورانیہ دیگر حکمرانوں کی نسبت زیادہ رہا ہے۔ اور اسلام کی تعلیمات بھی عدل وانصاف کی فراہمی پر بہت زور دیتی ہیں۔

لیکن بدقسمتی سے قیام پاکستان سے لے کر آج تک پاکستان میں عدل وانصاف کی فراہمی کسی بھی حکومت کی ترجیح نہیں رہی ہے اور آزاد عدلیہ کا خواب دیکھنے والے حسرت دل میں لئے ہی اس جہاں سے رخصت ہوگئے۔ پاکستان میں بہت سے کیسز میں عدل وانصاف کی بجائے قائداعظم کے نوٹ کی قدر کے مطابق فیصلے کیے جاتے رہے ہیں۔ سپریم کورٹ میں تو بہت کم کیسز جاپاتے ہیں اور بہت سے تو نچلی عدالتوں میں ہی دم توڑ دیتے ہیں یا ان کے پیروکار ہی اس سے جان چھڑوا لیتے ہیں۔

بالاخر حکومت نے نہ چاہتے ہوئے بھی چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کو بحال کرنے کا فیصلہ کر دیا ہے اور ان کی بحالی پر پورے ملک میں جشن منایا جا رہا ہے اگرچہ ان کے بارے میں بھی بہت سی باتیں اڑائی گئی ہیں لیکن مجموعی طور پر ان کی ساکھ مضبوط ہے اور ان کا ماضی جو کچھ لوگوں کے لئے سوالیہ نشان بنا ہوا ہے اس کی وہ یقینی طور پر عمدہ عدل و انصاف پر مبنی فیصلوں سے چند ناعاقبت اندیش لوگوں کو ضرور چپ کروا دیں گے۔ ان کی بحالی میں وکلا اور دیگر سیاسی جماعتوں اور عوام نے کافی قربانی دی ہے اور اب وہ ان سے عدل وانصاف پر مبنی فیصلوں اور آزاد عدلیہ کے قیام کے لئے اقدامات کے منتظر ہیں۔ کیونکہ جب تک پاکستان میں آزاد عدلیہ کا قیام ممکن نہیں ہوگا اس وقت تک پاکستان بھی مستحکم نہیں ہو سکتا ہے اور ابھی صرف چیف جسٹس کی بحالی سے ہی پاکستان کو اچھی نظروں سے دنیا بھر میں دیکھا جا رہا ہے اور یقینی طور پر آزاد عدلیہ کے قیام کے بعد پاکستان کی ساکھ اور اچھی ہوگی۔ کیونکہ بعض سیاسی بنیادوں پر مبنی فیصلے پہلے ہی دنیا بھر میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھے گئے ہیں۔اور اب قوم مزید اس طرح کے فیصلوں کی متحمل نہیں ہو سکتی ہے۔ لہٰذا پاکستان کے عوام اب چیف جسٹس صاحب اور ان کے ساتھیوں سے آزاد عدلیہ اور عدل وانصاف کی توقع کر رہی ہے جس کا جواب آنے والے وقت پر منحصر ہے؟

نوجوانوں کی جرائم میں ملوث ہونے کے عوامل

دنیا میں جرائم کا آغاز تو اس وقت سے ہی ہو گیا تھا جب یہ وجود میں آئی تھی اور جب تک دنیا میں انسان موجود ہیں جرائم کا سلسلہ جاری رہے گا۔ ویسے تو جرائم کی بہت سی وجوہات ہیں اسلیے ان کو مکمل طور پر نہیں روکا جاسکتا ہے۔ تاہم اس کی شرح میں کسی حد تک ضرور کمی کی جاسکتی ہے۔ جرائم پر قابو پانے کے لئے دعوے اور باتیں تو ہر ملک کی حکومت کرتی ہے لیکن پھر بھی جرائم کی شرح آج بھی بہت سے معاشروں میں تشویشناک حد تک زیادہ ہے۔

جرائم کرنے والوں میں ہر قسم کے افراد بلاامتیاز و جنس و عمر شامل ہیں لیکن گزشتہ چند سالوں سے نوجوانوں میں جرائم کی شرح بڑھ رہی ہے۔ نوجوانوں میں جرائم کی جانب رجحان پیدا کرنے میں بہت سے عوامل شامل ہیں لیکن ذیل میں بیان کردہ وجوہات یا یوں کہیے کہ وہ عوامل جن سے نوجوانوں میں جرائم ملوث ہونے کے ذمہ دار ہیں بیان کیے جارہے ہیں۔

گھریلو مسائل

مدارس میں مناسب رہنمائی کا نہ ملنا اور غیر نصابی سرگرمیوں کا فقدان

منشیات کا استعمال اور نفسیاتی مسائل

معاشی عدم استحکام اور بے روزگاری

بری صحبت کے حامل افراد سے تعلق

بہت سے نوجوان گھریلو مسائل کی وجہ سے بھی جرائم کی دنیا میں چلے جاتے ہیں۔ جب والدین کے پاس اپنے بچوں کو کھلانے کے لئے کچھ نہ ہو اور انکی تعداد بھی زیادہ ہو اور والدین کے درمیان آئے روز کی لڑائیاں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراضگی اور نوجوان بچوں بالخصوص لڑکوں کی مار پیٹ سے بھی بچے کچھ سوچے سمجھے بغیر اس طرح کے واقعات سے بچاؤ کی خاطر جرائم کی دنیا میں قدم رکھ دیتے ہیں۔ مدارس میں مناسب رہنمائی کا نہ ملنا اور غیر نصابی سرگرمیوں کا فقدان بھی موجود ہے۔

ہمارے ہاں مدارس میں کوئی ایسا سلسلہ نہیں ہے کہ نوجوانوں کی مناسب کردار سازی کی جاسکے اور اسطرح کی تربیت فراہم کی جاسکے کہ بعد از فراغت تعلیم وہ کچھ عملی طور پر کرسکیں۔ بصورت دیگر وہ تعلیم مکمل کئے بغیر ہی کچھ کر دکھانے کے متمنی بن جاتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کے لئے عملی طور پر ایسے اقدامات کئے جاسکیں کہ وہ ہر میدان میں کامیابی حاصل کریں اور ملک و قوم کا نام روشن کریں۔ اس طرح سے انکو جرائم کی دنیا میں جانے سے کسی حدتک

روکا جاسکتا ہے۔

منشیات اور نفسیاتی مسائل بھی نوجوانوں کو جرائم کی دلدل میں اترنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔اور معاشی طور پر مستحکم نہ ہونا بھی بعض اوقات کسی بھی نوجوان کو وقتی فائدہ کے حصول کی خاطر پوری زندگی جرائم کی دنیا میں گزارنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اور بعض اوقات دانستہ طور پر جرائم پیشہ یا بری صحبت کے حامل اشخاص سے دوستی بھی جرائم سرزد کروادیتی ہیں۔ جس سے وہ تاحیات شرمسار ہوتے رہتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ نوجوانوں کو مثبت سرگرمیوں میں مصروف عمل رکھا جائے اور حکومت وقت کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ایسے اقدامات کرے کہ نوجوانوں کو میرٹ پر نوکریاں مل جائیں اور ان کے لئے مختلف سطح پر غیر نصابی سرگرمیوں کا بندوبست کرے۔ بالخصوص والدین کی زمہ داری بنتی ہے کہ اپنے جوان ہوتے بچوں کا خیال رکھیں اور انکی ضروریات کو حتی الامکان پورا کرنے کی کوشش کریں اور انکی ایسی تربیت کریں کہ وہ جرائم سے دور رہیں اور سچے مسلمان اور ذمہ داری شہری بن سکیں۔

سچائی اور ہمارے سیاستدان

اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جس نے اپنے پیروکاروں کی اخلاقی اور روحانی دونوں اعتبار سے تربیت کی ہے اور اس بات کی جانب راغب کیا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے لئے جہدوجہد کریں بلکہ ساتھ ساتھ دوسروں کی بھی مدد کریں اور اگے .بڑھنے میں مدد کریں۔ ان کا خیال کریں اور اپنی خوشیوں میں دوسروں کو بھی شریک کریں۔ اور ان کا دل نہ دکھائیں۔ لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمان دین سے دور ہوتے گئے اور آج حالات یہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ وہ غیر مسلموں کے ہاتھوں ذلیل ورسوا ہو رہے ہیں۔ وہ دین کی باتوں پر عمل نہیں کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک سچ نہ بولنا بھی ہے۔ ہمارے آج کے معاشرے میں سچ بولنے والوں کی کوئی قدر نہیں کرتا ہے اور ہر جگہ بیچارہ سچا انسان شرمسار ہو رہا ہے کہ وہ کہاں آ کر پھنس گیا ہے۔
قرآن میں جا بجا سچ بولنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن پھر بھی ہم خاص طور پر کچھ پاکستانی لوگ اس پر عمل نہیں کرتے ہیں نہ اور نہ اپنے بچوں کو اس کی اہمیت کے بارے میں کچھ آگاہ کر رہے ہیں۔ ہمارے سیاستدان ایک سچ کو چھپانے کی خاطر ہزار جھوٹ بول دیتے ہیں۔ ابھی گزشتہ دنوں جب وکلا اور شریف .برادران

سمیت چند دیگر جماعتوں نے لانگ مارچ کا اعلان کیا اور اس کے بعد لانگ مارچ شروع ہوا تو اس دن سے آخری دن تک جو کچھ سیاستدانوں نے فرمایا وہ سب کے سامنے ہے اور ان کی سب باتیں سامنے ہیں۔ جس طرح کے بیانات سامنے آئے حالات کو وہ ایک دم خراب کر سکتے تھے محض اپنے فائدہ کے حصول کے لئے وہ ملک سے کھیل رہے تھے لیکن خدا نے آخری وقت پر وہ فیصلہ حکمران جماعت سے کروا دیا شاید جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ سیاست دانواں کے جھوٹ بولنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا ہے اور نہ کبھی ہوتا ہے جتنا جھوٹ چھپایا جائے سچ پھر بھی سامنے آ جاتا ہے۔ جب ہم جانتے ہیں کہ سچ کبھی بھی چھپ نہیں سکتا ہے تو پھر ہم لوگ کیوں جھوٹ بولتے ہیں؟ انٹرنیٹ پر چیٹ میں جھوٹ بولنے والے اور ہمارے قومی سیاست دانوں دونوں ہی شاید اس بات سے غافل ہیں کہ ان کو کسی دن اپنی ان باتوں کا اللہ کا حساب دینا ہے؟

ہمارے نوجوان اور ذرائع ابلاغ

گزشتہ چند سالوں میں ذرائع ابلاغ (اخبارات، ٹی وی، ریڈیو، وغیرہ) نے بلاشبہ کافی ترقی کی ہے اور اس کی وجہ سے ہر معاشرے میں بہتری آئی ہے۔ دنیا بھر کی حکومتوں کو اپنی کوتاہیوں اور کارکردگی سے آگاہی بھی اس کی بدولت حاصل ہوتی ہے اور وہ اسی لحاظ سے مستقبل کے لئے اپنی حکمت عملیاں اور اقدامات اٹھاتی ہیں۔ ذرائع ابلاغ کی وجہ سے ہی حکومتیں اپنی بات عوام تک پہنچاتی ہیں۔ لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ ذرائع ابلاغ کی آزادی کی وجہ سے بہت سے معاشرتی مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا بھر میں ذرائع ابلاغ کی آزادی پر سوالات اٹھتے رہتے ہیں۔ پاکستان میں گزشتہ چند سالوں میں ذرائع ابلاغ (بالخصوص ٹیلی ویژن) نے بہت سے نوجوانوں پر منفی اثرات ڈالے ہیں۔ مجرموں اور بدکردار لوگوں کے بارے میں پروگرام پیش کیے ہیں جس سے نت نئے جرائم کے طریقہ کار سامنے آئے ہیں۔ کوئی ڈرامہ یا گانے کی وڈیو ایسی نہیں ہے جس میں صنف مخالف نہ ہو (یعنی انکے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں)، سب سے بڑھ کر محبت پر مبنی ڈراموں نے ناپختہ ذہنوں پر بھی بہت برا اثر ڈالا ہے جس کی وجہ سے وہ عملی طور پر ویسا ہی کرنے کی کوشش

کرتے ہیں۔ ہمارے اخبارات ایسی خبروں سے بھرے پڑے ہیں۔ ڈراموں میں قیمتی موبائل فونز اور گاڑیوں وملبوسات سے متاثر ہونے والے نوجوانوں نے ان سب کے حصول کے لئے چھوٹی موٹی وارداتوں میں ملوث ہونا ضروری سمجھا ہے۔ موبائل فونز کے چھیننے والے واقعات ہمارے سامنے ہیں جوان نسل یہ محض لطف واندوز ہونے کے لیے کر رہی ہے کیا؟ لڑکیاں بھی لڑکوں کی مانند اس قسم کی سرگرمیوں میں ملوث ہیں اگرچہ انکی تعداد لڑکوں نسبت زیادہ نہیں ہے لیکن بوائے فرینڈز کے تصور کے بارے میں ذرائع ابلاغ نے ہی راغب کیا ہے؟

جس طرح سے فلموں اور ڈراموں، افسانوں میں ہیرو اور ہیروئین ملتے ہیں اسی طرح کے واقعات نہ صرف کراچی کے مزار قائد بلکہ پاکستان کے چند دیگر معروف مقامات پر دیکھنے میں آرہے ہیں؟ جس کی وجہ سے شریف لوگوں کا پارکوں میں جانا محال ہوگیا ہے؟ چند روز قبل پنڈی کے ایک پارک میں مجھے جس قسم کا منظر دیکھنے کو ملا ہے اس کے بعد سے میرا دل پارکوں میں جانے سے یکسر انکاری ہے؟ کم از کم الیکٹرانک میڈیا کو اپنے انداز واطور میں ضرور تبدیلی لانی ہوگی بصورت دیگر ہمیں اپنے ذہنوں اور سوچوں کو تبدیل کرنا ہوگا؟

جس طرح سے مختلف دنوں (محبت کا عالمی دن وغیرہ وغیرہ) میں اخبارات خصوصی ضمیمے شائع کرتے ہیں وہ بھی نواجون نسل کے ذہن کو خراب کرتے ہیں محض چند

لوگوں کی تسکین کے لئے لاکھوں کے ذہنوں کو خراب کرنا اچھی بات نہیں ہے اس سلسلہ میں متعلقہ لوگوں کو غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔اور اشتہارات شائع کرتے وقت بھی خیال رکھا جائے کہ لباس میں ستر پوشی کا خاطر خواہ خیال رکھا گیا ہو۔ معیاری اور اخلاق کو سنوارنے والی تحریریں شامل اشاعت کی جائیں۔اور ریڈیو پر اخلاق سوز گانے نہ نشر کیے جائیں ابھی پاکستانی گانوں کا حال کچھ اچھا ہے اوپر سے بھارتی گانوں کے کیا کہنے ہیں جو آجکل ہر جگہ بج رہے ہیں اس سلسلہ میں بھی کوئی واضح حکمت عملی تیاری کی جائے۔

یہ انسان فطرت میں ہے کہ انسان برائی کی جانب جلدی راغب ہوتا ہے لیکن ہم ہر بات قسمت پر نہیں ڈال سکتے ہیں بعض اوقات کسی کی غلط رہنمائی اور ترغیب بھی برائی کی دلدل میں دھکیل سکتی ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ذرائع ابلاغ ایسی حکمت عملی ترتیب دے جس سے مثبت قسم کے اثرات نوجوانوں پر مرتب ہوں اور اپنی زندگی کے لئے اور ملک وقوم کے لئے بھی اچھے کام سرانجام دیں سکیں۔

عمدہ مضمون نگاری۔ کیسے؟

اپنے خیالات اورت جربات کو تحریری شکل میں لوگوں کے سامنے دو اقسام میں پیش کیا جاتا ہے ایک کو کالم اور دوسرے کو آرٹیکل کہا جاتا ہے۔ دونوں بنیادی طور پر کسی ایک یا بہت سے مسائل کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے لکھے جاتے ہیں لیکن کالم میں لکھنے والا ایک خاص عنوان کے تحت مختلف مسائل پر لکھتا ہے جبکہ آرٹیکل میں اس کو یہ رعایت حاصل نہیں ہوتی ہے۔ گزشتہ چند سالوں سے آرٹیکل نویسی مضمون نویسی) کا فن تیزی رفتاری سے مقبولیت حاصل کر رہا ہے جس کے ذریعے کسی) بھی عنوان کے تحت لوگ اپنی رائے اور حقائق عوام کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔
جب بھی بھی قلم اٹھانے لگیں تو یہ ضروری سوچ لیں کہ آپ کی لکھی گئی تحریر دوسروں پر بہت گہرا اثر ڈالے گی لہذا تحریر میں کوئی ایسی بات مت لکھیں جس پر بعد میں آپ کو ندامت ہو۔ جس موضوع پر لکھنے کا ارادہ بنائیں اس سے متعلقہ مواد کا ضرور ایک بار مطالعہ کریں تاکہ تحریر کو چار چاند لگ جائیں اور ہمیشہ تصویر کے دونوں رخ دیکھتے ہوئے آرٹیکل لکھیں تاکہ غیر جانب داری کا الزام عائد نہ کیا جا سکے۔ اگر آپ نئے نئے لکھنے والے ہیں تو ابتدا میں مختصر اور جامع لکھنے کی کوشش کریں تاکہ لوگ اپ کے عمدہ لکھے گئے مضمون کو

طوالت کی وجہ سے نظر انداز نہ کردیں۔

کوشش کریں کہ آپ کی لکھی گئی تحریر پیراگراف پر مبنی ہو اور ہر پیرا میں الگ الگ نکات پر بحث کی جائے۔ الفاظ کی بجائے خیالات کو ترجیح دیں بعض اوقات غیر ضروری الفاظ یا بلاوجہ انگریزی زبان کا اردو میں مضمون لکھتے وقت استعمال مناسب نہیں لگتا ہے۔ تحریر اس قدر بھی مختصر نہ ہو کہ مطلب واضح نہ ہوسکے اور نہ ہی اس قدر طویل ہو کہ پڑھنے والا قاری بوریت کا شکار ہوجائے۔

عمدہ اور اچھا لکھنے کے لئے بہترین اور جاندار لکھنے والوں کو پڑھنا بھی ضروری ہے۔ جو بات دل میں ہو وہ ضرور دوسروں تک پہنچائیں مگر یہ نہ ہو کہ کسی کی دل آزاری کا سبب بن جائے۔ مثبت اور حقائق پر مبنی تحریریں سب ہی پسند کرتے ہیں۔ اس بات کا ضرور خیال رکھیے گا۔

اسلامی شریعت کا نفاذ

اسلام کا شمار دنیا کے سب سے تیزی سے پھیلے والے مذہب میں ہوتا ہے جو بغیر کسی طاقت کے زور پر پھیلا تھا اور اب بھی پھیل رہا ہے۔ پاکستان کو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا اور اس میں رہنے والے بیشتر لوگ مسلمان ہیں جو کہ اسلام کے اصولوں کے مطابق اپنی زندگیوں کو بسر کر رہے ہیں اور کرنے کے خواہشمند بھی ہیں۔ اور اسی وجہ سے ہمارا ملک دیگر اقوام کی طاغوتی طاقتوں اور چند ناعاقبت اندیش لوگوں کا نشانہ گزشتہ چند سالوں سے بنا ہوا ہے۔ اور ان لوگوں کی پاکستان کو ہر پل ہر لحاظ سے کمزور سے کمزور تر کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں لیکن ابھی تک ہم اپنے دشمنوں سے آگاہ نہیں ہوسکے ہیں اور یہی ہمارا سب سے بڑا لمحہ فکریہ ہے۔ یا پھر یوں کہیے کہ ہم جان بوجھ کر اپنے آپ کو ڈسوانے کے عادی ہو چکے ہیں؟

پاکستان میں اسلام کے نفاذ کے سلسلے میں خاطر خواہ اقدامات جیسے کرنے چاہیے تھے نہ کئے جاسکے ہیں۔ یہ بات سب کو یاد رکھنی چاہیے کہ اس ملک کا حصول اسلام کے نام پر ہوا تھا اور یہ مسلمانوں کا ملک ہے۔ اسلام کو زبردستی نہیں بلکہ پیار و محبت کی جنگ سے لوگوں کو اس کی طرف مائل کرنے کی ضرورت ہے اس کے بعد کسی کو اسلام کو نفاذ کی ضرورت کسی کو نہ پڑے گی جب لوگ خود

اسلام کی باتوں پر عمل کریں گے۔اس ملک کا المیہ یہ ہے کہ حکمران سمیت سب کہتے ہیں عمل نہیں کرتے سب کو عمل کرنے کی ہدایت کی ضرورت ہے۔اللہ بھی کی ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرنا چاہیں۔ لیکن گزشتہ ساٹھ سالوں میں کسی حکومت یا سیاستدان یا مذہبی رہنما نے بھی کوئی ایسی سنجیدہ کوشش نہیں کی کہ وہ یہاں بسنے والوں کے درمیان کم از کم جو آپس کی فرقہ واریت ہے اس کو ختم کر سکیں اور اسی وجہ سے مولانا صوفی محمد اور انکے ساتھیوں نے از خود اسلام کو نافذ کرنے کے لئے مختلف اقدامات اٹھانے شروع کر دیئے ہیں۔اور اسلام کے شرعی قوانین نافذ نہ کرنے کی صورت میں سنگین نتائج کی دھمکی دی ہے؟ کیا اسلام میں زور زبردستی سے شرعی احکامات پر عمل درآمد کروانے پر ضرور دیا گیا ہے؟ کیا ہم نے اللہ کے حضور پیش نہیں ہونا ہے؟ ہم اپنے اعمالوں کے جوابداہ خود ہونگے؟ اپنی پیدائش کے مقصد حیات سے قطع نظر کرکے اپنے خدا اور رسول کے احکامات کی نافرمانی کرکے کیا ہم راہ حق پر چل سکتے ہیں؟ ہم لوگ آپس میں ایک ہی دین کے پیروکار، ایک ہی رسول اور خدا کو ماننے والے، قرآن مجید کو آخری الہامی کتاب ماننے والے ہو کر آپس میں ہی ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں اور اس چپقلش سے دوسرے مذاہب (یہود و نصاریٰ)کے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں ۔ اور انہی کی کارستانیوں کی وجہ سے ہم لوگ ایک دوسرے کی نفرت کا شکار ہیں کیا اسی میں ہماری فلاح ہے؟ کیا انہی کاموں کی بدولت ہماری آخرت میں نجات ہوگی؟ ہم جانتے ہیں کہ گمراہی کے راستہ پر چل رہے ہیں

پھر بھی دوسروں کو بھی ایسی راہ پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں جو سراسر نقصان کا باعث ہے۔

اسلام سب کے ساتھ رواداری کا حکم دیتا ہے لیکن اسلامی شریعت کے نام پر پگڑی کے مخصوص رنگ کا اعلان کس بات کی نشاندہی ہے؟ کہیں مختلف مسلک کے درمیان فرقہ ورایت تو کرنے کا ارادہ تو نہیں بنا رہا ہے؟خدارا اسلام کو محض چند مقاصد کے حصول کے لئے بدنام مت کیجئے پاکستان میں مسلمان لوگ ہی بستے ہیں ان پر شرعی احکام کے نافذ سے قبل ہر کسی کو اپنے مکمل طورپر اسلامی تعلیمات پر عمل درامد کرنے بھی دوسروں پر اسکے نافذ اور عمل درامد کروائے ورنہ عقل و دانش اور لوگ بھی رکھتے ہیں اور دین کو سمجھتے بھی ہیں۔آپس میں دست وگریبان سے زیادہ ضرورت کفار کا مقابلہ کرنا اہمیت کا حامل ہے اور یہ کہ براہ کرم اپنے نقطہ نظر کو مثبت رکھیں اور دوسروں کو بھی آگاہ کیجئے۔اللہ ہم پر رحم فرمائے (آمین)۔

اسلام ہمارا ہے؟

اسلام امن و سلامتی کا دین ہے اور اسکی تعلیمات تمام بنی نوع انسانیت کے لئے ہیں۔ زندگی کے ہر طبقہ اور شعبہ کے لئے اسلام کے اصول و ضوابط واضح ہیں اور زندگی کے معاملات میں ان کو کسی طور بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔اسلام کی تعلیمات پر اگر درست طور پر عمل کیا جائے تو کسی بھی فرد کے لئے کوئی مسئلہ کسی اعتبار سے پیدا نہیں ہوتا ہے۔اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے کا اولین حق تو مسلمانوں کا بنتا ہے لیکن گزشتہ چند دہائیوں سے مسلمان دین سے دور ہوتے جارہے ہیں اور اسلام کی تعلیمات پر ہم مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلم عمل کر رہے ہیں اور اس پر ہم کسی طور پر شرمسار نہیں ہیں؟ اگر ہوتے تو آج مسلمان یوں دنیا بھر میں اپنے اعمالوں سے یوں مختلف مسائل میں گھرے نہ ہوتے؟ غیر مسلموں کے لئے اسلام ایک ڈر و خوف کی علامت بن چکا ہے اور وہ آئے دن مسلمان اور اسلام کے نام پر مختلف قسم کے اقدامات کرتے رہتے ہیں؟ لیکن ہم اس بات کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں کہ ہم میں سے چند افراد (نام کے مسلمان ہی سہی) ایسے اقدامات سرانجام دیتے ہیں کہ ہم کو انکے مسلمان ہونے پر شک وشبہ سا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے مذموم مقاصد کے لئے دوسروں کے آلہ کار بن کر مقاصد کے حصول کی کوشش کرتے ہیں اور اسلام کو بدنام کرتے

ہیں۔

سب مسلمانوں کو یہ بات اپنے ذہنوں میں اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اسلام ہمارا دین ہے اور اسکی تعلیمات پر ہمیں خود عمل کرنا ہے اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی ہدایت کرنی ہے؟ میں تلقین کرنے کی بات کر رہا ہوں کیونکہ قران میں ہے کہ " دین میں کوئی جبر نہیں "جب دین میں کوئی جبر و ستم کی بات نہیں ہے تو ہم کیسے زور زبردستی سے لوگوں کو اسلام کی تعلیمات پر عمل کروا سکتے ہیں؟ اور اس کے لئے شرعی قوانین کے نفاذ کی بات قطعی طور پر غلط ہے کیونکہ ہم لوگ کسی کفار کی ریاست میں نہیں اسلامی ریاست میں رہائش پذیر ہیں اور بہت سے لوگ اسلامی قوانین پر چاہے اس پر عمل کرنے کی شرح کسی حد کم ضرور ہے عمل تو کرتے ہیں نا؟ کیا ہر سال حج و عمرہ پر جانے والے، نمازیں پڑھنے والے لوگ مسلمان نہیں ہیں؟ کیا ہم میں ایسے لوگ نہیں ہیں جو داڑھی رکھتے ہیں؟ یا وہ لوگ مسلمان ہیں جو وعدے کر مکر جاتے ہیں، جو اپنے ہی ملک کے مسلمانوں کو طرح طرح کی دھمکیاں دیتے ہیں، جو غیر مسلم لوگوں کو علاقہ غیر بے دخل کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ کیا اسلام کی تعلیمات ان تمام اقدامات کی حوصلہ افزائی کرتا ہے؟ اسلام ہمارا پیارا دین ہے اور ہم اس کی سربلندی کے لئے جان بھی قربان کر سکتے ہیں لیکن جان سے قبل اپنے قول وفعل سے یہ ثابت تو کیجیے یہ اسلام ویسا نہیں ہے جیسا کہ چند مہربان لوگوں نے پوری دنیا میں

اسکی تعلیمات کی ساکھ متاثر کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسلام کے نام پر پاکستان کو حاصل کیا تھا اور اسلامی جمہوریہ پاکستان ہمارے وطن عزیز کا نام ہے۔ یہاں پر مختلف مسالک کے لوگ ساٹھ سالوں سے اکھٹے رہ رہے ہیں اور کبھی بھی کوئی بڑا مسئلہ کسی جانب سے سامنے نہیں آیا ہے تاہم چند ناعاقبت اندیش لوگوں نے آپس میں دست و گریبان ہونے کی ضرور کوشش کی ہے لیکن وہ بھی اپنے مقاصد پوری طرح کامیاب نہیں ہوسکے ہیں۔ پاکستان میں رہنے والے تمام مسلمانوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سمجھیں اور خود ہر فرد اپنے آپ پر نافذ کرے اور ایسا کرے کہ کسی کو اپ سے عمل درآمد کرنے کی درخواست یا حکم نہ سننا پڑے اور ایسے اقدامات جن میں کسی کو غیر مسلم کہا جائے، بے دین کہا جائے یا دیگر باتیں کہی جائیں تو پہلے اس کی اچھی طرح سے اپنی طور پر تصدیق ضرور کرلیں پھر کوئی فیصلہ کرلیں ہم لوگ فیصلہ تو پہلے کرلیتے ہیں اور سوچتے سمجھتے بعد میں ہیں؟

گزشتہ چند ہفتوں سے ذرائع ابلاغ اور اخبارات پر اور سیاسی رہنماؤں کے بیانات سے تو ایسا لگا رہا ہے کہ ہم خدانخواستہ اسلامی ریاست کے شہری نہیں ہیں اور سب محض امن کے نام پر کوئی اور ہی کھیل کھیلنے کی کوشش شرعی عدل کے نظام کی آڑ میں ہو رہی ہے سب کو اس حوالے سے سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کرنے

کی ضرورت ہے۔پاکستان کے عوام کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت اور سیکورٹی اداروں پر عائد ہوتی ہے اور ان کو اس اعتبار سے اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہیے اور ایسے اقدامات کرنے چاہیے کہ وہ امن و سکون کی فضا میں سانس لیں سکیں۔

وقت - اک نمول شے

دنیا کی سب سے قیمتی اور انمول شے وقت ہے۔ جو ایک بار گزر جائے تو پھر کبھی لوٹ کر واپس نہیں آتا ہے۔ ہماری زندگیوں میں وقت کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ وقت پر کئے جانے والے فیصلے اور بے وقت پر کئے جانے والے فیصلوں سے ہماری زندگیوں کا دھارا ہی بدل جاتا ہے اور ہم میں سے اکثر لوگ درست وقت پر درست فیصلہ نہ کرنے پر ساری زندگی پچھتاتے رہتے ہیں؟

اللہ تعالی نے سب کو ایک متعین وقت کے لئے اس دنیا میں بھیجا ہوا ہے اور سب ہی نے ایک دن واپس لوٹ جانا ہے لیکن ہم وقت سے فائدہ نہ اٹھا کر قسمت اور نصیب پر سارا الزام ڈال دیتے ہیں حالانکہ کہ قرآن میں بھی ہے کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے تو پھر ایسا رویہ، ایسی سوچ کیوں؟

آج ہم زندہ ہیں اپنی مرضی سے ہر کام کر سکتے ہیں جو اللہ اور اسکے رسول کی تعلیمات کے مطابق ہوں۔ ہم نے اپنے وقت کا حساب بھی دینا ہے لیکن ہم میں سے بیشتر لوگ شاید غفلت کی وجہ سے اس بات کو بھول چکے ہیں؟ ہم اللہ کے قوانین و اصول سے دور ہو کر اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ کیا ہم نے کبھی اس بات پر

غور کیا ہے کہ ہم جتنا وقت

موبائل پر ایس ایم ایس کرنے

آئی مس یو کہنے

آئی لو یو کہنے

جھوٹ بولنے

فریب دینے

والدین کی نافرمانی

اور دیگر اسی طرح کی باتوں میں صرف کرتے ہیں کہ برعکس ایسے کام کیوں نہیں کرتے جس سے ہم کو آخرت میں کوئی شرمندگی نہ ہو۔ اس بات پر سوچیے ضرور کیوں کہ آپ نے اپنے ہر عمل اور کام کا اللہ کو جواب دینا ہے؟ اگر نہیں تو پھر جیسے ہیں ویسے رہیے کیوں کہ آپکی زندگی میں مداخلت کرنے کا کوئی حق کسی کو بھی نہیں ہے؟

قصور وار کون؟

پاکستان آرمی کے آپریشن راہ راست کے آغاز سے ہی بہت سے حلقوں میں چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں کہ بات چیت سے مسئلہ کو حل کر لیا جانا چاہئے فوجی آپریشن کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہوتا ہے؟ اس طرح کی کاروائیاں عوام میں بے چینی اور ملک کی سلامتی کا خطرات لاحق ہو جاتے ہیں؟ لیکن پتا نہیں ہمارے معاشرے کے لوگ کو آخر کیا مرض لاحق ہے کہ حقائق اگر کسی کو قصور وار ٹھرا بھی رہے ہوں تب بھی اس کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں ابھی طالبان نے جب اسلامی شریعت کے نفاذ کا اعلان کیا تو سب ہی نے اس کی حمایت کی لیکن جب انہوں نے اپنا اصل چہرہ دکھایا تو سب چپ ہو گئے لیکس طالبان کی غیر ضروری حمایت کرنے والے اپنے کو قصور وار تصور نہیں کرتے ہیں؟ اور جنہوں نے سب سے زیادہ شور مچایا ہوا تھا جب متاثرین اپنے گھر بار چھوڑ کر نکلے تو انہوں نے اپنے خطہ ارض میں انکے داخلے پر پابندی لگا دی کہیں انکا ووٹ بنک کمزور نہ ہو جائے جو کہ ایک نہ ایک دن ضرور ہوگا چاہے وہ کچھ بھی کر لیں؟ سوچنے کی بات ہے کہ ہم اپنے اعمالوں کے نتائج کو دیکھتے ہوئے بھی اپنا قصور تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوتے ہیں؟

اکثر و بیشتر جب حالات ہمارے ہاتھوں سے نکل جاتے ہیں اور ہم جو کچھ کرنا

چاہ رہے ہوتے ہیں وہ اپنی نا اہلی یا کمزوری کی بنا پر نہیں کر پاتے ہیں تو سارا الزام قسمت پر دھر دیتے ہیں اور تصویر کی دوسری جانب دیکھنے کو تیار نہیں ہوتے ہیں جو کہ ہمیں سچائی کا سامنا کرنے پر مائل کر رہی ہوتی ہے؟ قسمت پر الزام لگانے والوں کی اس بات کی شاید خبر نہیں ہوتی ہے کہ بعض اوقات قسمت سے زیادہ خود حضرت انسان کا اپنی زندگی میں مسائل اور ناکامیابیوں میں زیادہ اہم کردار ہوتا ہے لیکن وہ اپنے آپ کو قصور وار ٹھہرانے کی بجائے الزام اور ان پر ڈال کر راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکں ضمیر کی خلش پھر بھی اس کا سکھ و چین بالاخر چھین ہی لیتی ہے؟

موجودہ دور میں والدین کا شمار سب سے زیادہ پریشان ہونے والوں میں ہوتا ہے جو کہ اپنی اولاد کی وجہ سے ہر پل رنج واہم میں مبتلا رہتے ہیں اور ان میں سے بیشتر اس بات سے بھی غافل ہوتے ہیں کہ اولاد کے بگاڑ میں سب سے اہم کردار خود ان کا ہوتا ہے لیکن انکو قصور وار نظر نہیں آتا ہے؟ اگر وہ شروع سے ہی بچوں کی تعلیم وتربیت کا خیال رکھیں اور صحیح دینی تعلیم فراہم کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ انکی راحت کا سبب بنیں۔ لیکن جب پانی سر سے گزرتا ہے تب ہی ان کو ہوش آتا ہے لیکن بعض اوقات.بروقت رہنمائی سے وہ مستقبل میں بہت سی پریشانیوں اور مسائل سے بچ سکتے ہیں۔

بعض اوقات محبت میں ہار جیت یا یوں کہیں کہ ناکامی کا قصور بھی دونوں فریقین پر ہوتا ہے لیکن دونوں ہی اس بات سے بالکل لاعلم ہوتے ہیں اور محبت اپنے انجام کو پہنچ جاتی ہے جس کی ایک کسک تاحیات دلوں میں موجود رہتی ہے؟ زندگی کے چند معاملات ایسے بھی ہیں جن میں وقتی طور پر قصوروار ہونے کا اندازہ پتا نہیں چلتا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب اس بات سے آگاہی ہو جائے کو کم از کم خود ہی دل ہی دل میں اپنے آپ کو بھی قصور تسلیم کرنے سے بھی بہت سے مسائل اور الجھنوں سے نجات مل جاتی ہے؟ اس بات سے قطعی طور پر انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اللہ نے جو لکھا ہے وہ ہونا ہے لیکن بعض اوقات انسان کے اپنے فیصلے ہی اس کے لئے باعث نقصان بن جاتے ہیں بات صرف حقائق سے آگاہ ہونے کی ہوتی ہے؟ قصور تسلیم کرنے سے انسان چھوٹا نہیں بلکہ بڑا اخلاق و کردار کا حامل سمجھا جاتا ہے؟

ناقابل تسخیر دفاع۔ مستحکم پاکستان

اسلام کے نام پر قائم ہونے والی واحد اسلامی ریاست پاکستان کے بارے میں شروع میں ہی دعویٰ کر دیا گیا تھا کہ یہ چھے ماہ بعد اس کا وجود نہ رہے گا لیکن وقت نے اس بات کو غلط ثابت کر دکھایا اگرچہ بعد میں پیدا ہونے والے حالات و واقعات کی وجہ اس کے ایک حصہ اس سے جدا ہونا پڑا لیکن پھر بھی دنیا میں اولین اسلامی ایٹمی قوت کے طور پر ابھر کر سامنے آیا۔ اس سلسلے میں ہمارے سائنس دانوں بالخصوص ڈاکٹر عبدالقدیر اور چند سیاستدانوں کا اہم کردار ہے جن میں سے ایک کو اس کا ازالہ اپنی جان دے کر ادا کرنا پڑا اور شاید اسی وجہ سے عوام کے دلوں میں آج بھی زندہ ہے۔ ہمارے ایٹمی اثاثوں کے بارے میں گذشتہ کئی سالوں سے چہ مگوئیاں کی جارہی ہے کہ یہ القاعدہ، طالبان یا دہشت گردوں کے ہاتھ لگ سکتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ انکی حفاظت کا خاطر خواہ انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ حالانکہ سات اعلانیہ اور دو غیر اعلانیہ ایٹمی ریاستوں کے پاس بھی ایسا حفاظتی نظام نہیں ہے یوں سمجھئے کہ اگر کسی نے ایٹمی اثاثوں کے گرد ایک حفاظتی حصار رکھا ہوا ہے تو ہم نے تین حصار رکھے ہوئے ہیں۔ اور اسی بنا پر

ہی پاکستان آغیار کی جنگ کرنے کوششوں سے بچا ہوا ہے جن کا مقصد اس صلاحیت کو ختم کرنے کے در پے ہیں۔ ایٹمی قوت ہونے کی وجہ سے ہی آج پاکستان بہت حد تک مستحکم ہو چکا ہے۔

الحمداللہ ہمارے ایٹمی اثاثے محفوظ ہاتھوں میں ہیں اور اب تک ان تک رسائی کی دو کوششیں ناکام بھی بنائی جا چکی ہیں جس میں ایک اسرائیل اور بھارت کا مشترکہ مشن تھا اور تیسرے فریق کی شمولیت کے بارے میں بھی واضح ہو چکا ہے کہ کون تھا لہذا سب کو اس کی طرف سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ آجکل اس کو ہی ہمارے ان اثاثوں کی زیادہ فکر لگی ہوئی ہے جب کہ اس کو اپنے اور دیگر ممالک کی جانب سے افغانستان میں گم یا لاپتہ ہھتیاروں کی فکر ہونی چاہیے جو کہ کثیر تعداد میں ادھر ادھر ہو گئے ہیں اور قوی امکان ہے کہ وہ پاکستان کے خلاف استعمال ہو رہے ہوں یا کئے جائیں۔

پاکستان میں بھی چند ناعاقبت اندیش لوگوں کو ایٹمی قوت کی صلاحیت کے حصول پر اعتراض ہے وہ حقائق سے منافی باتیں کرکے ذاتی مقاصد کے حصول کے لئے غیر ملکی آقاؤں کو خوش کر رہے ہیں۔ حالانکہ قومی سلامتی پر کسی کو بھی کسی طور کوئی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے اور دوسروں کو سمجھانے کی بجائے خود سمجھنے کی ضرورت ہے اس سلسلہ میں حق پر مبنی بیانات یا دلائل سے سب کو قائل کرنے

کی ضرورت ہے تاکہ ہر ایرا غیرا اپنی حکمت دوسروں پر نہ تھوپے۔ اس کے ساتھ ساتھ سب کو ایٹمی اثاثوں کے حوالے یکسر خاموشی کی ضرورت ہے اور اس حوالے سے کسی کو جواب دینا فضول ہے۔ خاموش رہنے کا عمل سب کو بالآخر چپ ہو جانے پر مجبور کر دے گا بصورت دیگر معاملہ کوئی اور رخ بھی اختیار کر سکتا ہے جو کہ ملک و قوم کی سلامتی کو خطرہ میں ڈال سکتا ہے۔

مسائل کا حل - نیا صوبہ

چند روز سے نئے صوبے کے قیام کی بات ہر خاص و عام کی زبان پر آ رہی ہے اور اس سلسلہ میں ہر کوئی اپنی راگنی راگ رہا ہے اس سلسلہ میں ایک سابقہ وزیر نے بہت اہم کردار کیا ہے جنھوں نے عوام کو یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ نئے صوبے کے قیام سے بہت سے مسائل سے چھٹکارا ممکن ہو سکتا ہے۔ یہ صاحب نئے صوبے کے قیام کے زبردست حامی ہیں لیکن جب وہ خود اقتدار میں تھے تو انھوں یہ بات کیوں نہیں سوجھی تھی؟ ہمارے سیاستدانوں کو شاید اقتدار میں رہتے ہوئے اپنے اور بعد ازاں جب وہ کچھ کرنے کے قابل نہیں ہوتے ہیں تو عوام کی فلاح و بہبود کا خیال آ جاتا ہے؟ ابھی سوات، وزیرستان اور بلوچستان کا مسئلہ حل نہیں ہوا ہے اور ایک نیا شوشہ نئے صوبے کے قیام کا چھوڑ دیا گیا ہے؟ کیا یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ہمارے سیاستدان دوسروں کے ہاتھوں میں کھیل کر اپنے مفادات کے حصول کو ممکن بنا رہے ہیں؟

اگرچہ نئے صوبے کے قیام سے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں لیکن جہاں ساٹھ سالوں میں کچھ بھی نہیں ہوا ہے تو وہاں نئے صوبے کا قیام کیا کردار سرانجام دے سکتا ہے؟ ابھی چار کے مسائل حل نہیں ہو پاتے ہیں وہاں مزید صوبے کا قیام

کیا معجزے رونما کرے گا شاید اس بات کا ہمارے سابقہ وزیر سیاستدان کو خبر نہیں ہے۔
نئے صوبے کے قیام سے ضروری یہ بات ہوگی کہ جنوبی پنجاب کے لوگوں کو وہیں روزگار کے مواقع فراہم کئے جائیں۔ اگرچہ اس بارے میں یہ افواہ بھی گرم ہے کہ شاید اسطرح سے مسلم لیگ نون کو ووٹ بنک کم کرنا مقصود ہے لیکن ایسا کرنے والے حقائق سے واقف نہیں ہیں اسطرح سے وہ مزید مضبوط ہو جائے گی۔
آج اگر ایک نئے صوبے کے قیام ممکن بنایا گیا تو کل کو کوئی اور نئے صوبے کے قیام کا مطالبہ بھی کر سکتا ہے لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسے اقدامات حکومت کو کرنے چاہیے کہ لوگوں کے مسائل حل کئے جائیں اور ذاتی مفادات کے حصول کی بجائے پاکستان کے مستقبل اور استحکام کی طرف توجہ دی جائے۔ نئے صوبوں کا قیام اس وقت تک چھوڑ دیا جائے جب تک پاکستان کے تمام مسائل حل نہیں ہو پاتے ہیں۔ دنیا میں بہت سے ممالک میں صوبوں کی تعداد زیادہ ہے جس کی وجہ سے وہ کافی مستحکم ہیں لیکن ہمارے ہاں اس قدر چور بازاری اور ہیرا پھیری ہے کہ نئے صوبوں کے قیام سے وہ کسی دن ملک کو ہی دیوالیہ کروا دیں اور اپنی سیاست کو چمکانے کی کوشش کریں گے نہ کے عوام کے مسائل کو حل کروا سکیں گے ۔جب مخلص اور ایمان دار لوگ حکمران ہوں اور قوم وملک سے مخلص ہوں تبھی ایسا اقدام پاکستان کی خوشحالی اور استحکام کی ضمانت بن سکتا ہے۔ اور اس وقت ہی ہمیں نئے صوبوں کے قیام کا مطالبہ کرنا چاہیے۔

عوام کی محافظ - پولیس کرپشن میں سرِ فہرست

پاکستان کی صورتحال گزشتہ چند سالوں میں بین الاقوامی حالات اور اندرونی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے بہت خراب ہو چکی ہے اور عوام کی حفاظت پر معمور ادارے تحفظ فراہم کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں جن میں پولیس کا محکمہ سرِ فہرست ہے۔ جہاں ان کے پاس جدید ساز و سامان کی کمی ہے وہیں بہترین تنخواہوں کے فقدان کی وجہ سے وہ عمدہ کارگردگی کا مظاہرہ نہیں کرتے ہیں اور اپنی توجہ عوام کو تحفظ مہیا کرنے کی بجائے رشوت ستانی جیسے برے فعل پر مرکوز رکھتے ہیں تاکہ انکا گزر بسر اچھا ہو سکے۔ حکومت کی جانب سے صوبائی اور وفاقی سطح پر اگرچہ انکی تنخواہوں میں تو اضافہ کیا گیا ہے لیکن روز بروز بڑھتی ہوئی منہگائی کی وجہ سے یہ اونٹ کے منہ میں زیرہ کے مانند حیثیت رکھتی ہے۔ حال ہی میں ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل کے نیشنل سروے ۲۰۰۹ کے مطابق پاکستان میں گزشتہ تین سالوں کے دوران کرپشن مین چار سو فی صد اضافہ ہوا ہے اور ۲۰۰۹ میں قوم کا ۱۹۵ ارب روپیہ کرپشن کی نذر ہو چکا ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق جس کی پوری دنیا میں تشہیر کی جاتی ہے۔ پولیس محکمے نے حسب معمول کرپشن میں پہلے نمبر پر آنے کا اعزاز برقرار رکھا ہے۔ پاور کا دوسرا، صحت کا تیسرا اور تعلیم جیسا محکمہ جو آنے والے اور موجودہ نونہالوں کا روشن مستقبل اور بہترین کردار سازی کا

ضامن ہے وہ کرپشن کی اس فہرست میں پانچویں نمبر پر ہے۔

پولیس کسی بھی ملک کا وہ ادارہ ہوتا ہے جس کی ذمہ داری لا اینڈ آرڈر کی حالت کو بہتر بنانا ہوتا ہے اس کے علاوہ عدالتی احکامات یعنی قانون کی علمداری بھی اس کی ذمہ داری ہوتی ہے اور اگر محکمہ میں ہی کرپشن جیسا گھناؤنا فعل اس حد تک سرایت کر جائے تو اس میں کرپشن کو جڑ سے اکھاڑنے کا خواب کس طرح سے شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے؟

موجودہ دور میں جبکہ مرکزی کے علاوہ صوبائی حکومتوں کی طرف سے بھی پولیس کی تنخواہوں اور مراعات میں بھی خاطر خواہ اضافہ کیا جا چکا ہے جس سے اس ادارے میں کام کرنے والی فورس کے مسائل کو کم کرنے میں مدد ملی ہے لیکن پھر بھی یہ لوگ باز نہیں آرہے ہیں اور سرتاپا کرپشن جیسے ناسور میں ملوث نظر آتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک غیر ملکی ادارے کو بھی باقاعدہ تحقیق کرکے یہ اعداد و شمار مجبوراً دنیا کے سامنے لانے پڑے ہیں جو تو نہ اس ادارے کے لئے نیک نامی کا باعث ہے اور نہ ہی ارباب اختیار ان اعداد و شمار سے نظریں چرا سکتے ہیں۔ موجودہ نازک ملکی حالات سے بھی پولیس نے سبق نہیں سیکھا اور تھانوں میں مختلف مقدمات کے سلسلے میں ملوث افراد یا سڑکوں پر ناکوں کی صورت میں اپنے فرائض منصبی سرانجام دینے والے عوام سے ناجائز رقوم بٹورنے کا کام جاری و ساری رکھے ہوئے ہیں نہ جانے یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا اور کون کب ان جرائم کا نوٹس

لینا شروع کرے گا تاکہ پولیس کو کرپشن سے پاک محکمہ بنا کر ملک میں تبدیلی کا عمل شروع کیا جا سکے۔

ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل کی اس رپورٹ میں یہ خوش آئند بات بھی سامنے آئی ہے کہ عدلیہ کا ادارہ جو کرپشن میں پہلے تیسرے نمبر پر تھا ۲۰۰۹ میں اب یہ ساتویں درجے پر چلا گیا ہے اور یہ چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چوہدری کے کرپشن کے بارے میں سخت نوٹس لینے کی وجہ سے ہوا ہے۔ کیونکہ چیف جسٹس صاحب نے چارج سنبھالتے ہی عدلیہ کو کرپشن سے پاک کرنے کے اپنے عزم کا اظہار کیا تھا اور انہی کے مثبت اقدامات کی وجہ سے ہی اس ادارے میں کرپشن کی شرح بہت کم رہ گئی ہے جو کہ معاشرے کی کامیابی کی جانب ایک مثبت قدم ہے اس طرح کے اقدامات باقی اداروں کے سربراہان کو بھی کرنے چاہیے۔ حکومت کو سرکاری اداروں میں کرپشن کے واقعات کا نوٹس لینا چاہے اور ذمہ داران کو کیفر کردار تک پہنچنا چاہیے اور ایسی سزائیں دیں کہ دوسروں کو بھی عبرت حاصل ہو تاکہ معاشرے سے یہ لعنت ختم ہو سکتے۔ پنجاب کے صوبے میں وزیر اعلیٰ شہباز شریف کے عمدہ اقدامات کی وجہ سے پولیس کا کسی حد تک راہ راست پر آئی ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں عوام کو بھی اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہیے اور ناجائز اقدامات کے لئے روپے پیسے کی مدد سے پولیس کی مدد لینے سے گریز کرنا چاہیے۔

ذرا سوچیے؟

اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جو کہ اپنے پیروکاروں کو امن و سلامتی کا درس دیتا ہے اور اسی وجہ سے دنیا بھر کے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام کا شمار دنیا کے سب سے تیزی سے پھیلنے والے مذہب میں بھی ہوتا ہے جو بغیر کسی طاقت کے زور پر پھیلا تھا اور اب بھی پھیل رہا ہے۔ پاکستان کو بھی اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے اس میں رہنے والے بیشتر لوگ مسلمان ہیں اور باقی ماندہ لوگ مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں جو کہ اسلام کے اصولوں کے مطابق اپنی زندگیوں کو بسر کر رہے ہیں اور کرنے کے خواہشمند بھی ہیں۔ لیکن انہیں اس بات کی اجازت نہیں دی جا رہی ہے؟

اسی وجہ سے ہمارا ملک دیگر اقوام کی طاغوتی طاقتوں کا نشانہ بنا ہوا ہے چاہے وہ مذہبی انتہا پسندی کی شکل میں ہو یا خود کش حملوں کی صورت میں کی جا رہی ہے۔ پاکستان کو ہر پل کمزور سے کمزور تر کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ابھی گزشتہ چند دن قبل جو کچھ گوجرہ میں ہوا ہے کیوں ہوا ہے ؟ کس کے کہنے پر لوگوں کی جان و مال کا نقصان کیا گیا ہے؟ لوگوں کو اشتعال انگیزی سے کیوں روکا نہیں گیا ہے؟ کیوں ہماری حفاظت پر معمور ادارے عوام کی جان و

مال کے تحفظ میں ناکام رہے ہیں؟ کیا اس قتل و غارت سے قبل حقائق کی تصدیق کی کیوں ضرورت محسوس نہیں کی گئی ہے؟ کیا محض چند ناعاقبت اندیش لوگوں کی مذموم حرکات پر لوگوں کی جان و مال سے کھیلنا جائز ہے؟ کیا اسلام اس طرح کے اقدامات کی جو کئے گئے ہیں کی اجازت دیتا ہے؟ اسلام کی تعلیمات کے مطابق جو ناحق ایک جان جاتی ہے پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے؟ ہم کیوں محض نام کے مسلمان بن کر رہ گئے ہیں؟ باوجود اس کے ہم اپنا ایک بازو بھی کھو چکے ہیں ابھی تک ہم اپنے دشمنوں سے آگاہ نہیں ہوسکے ہیں اور یہی ہمارا سب سے بڑا لمحہ فکریہ ہے۔

توہین رسالت کرنے والے کی اگرچہ سزا مقرر ہے لیکن کیا قانون کو اپنے ہاتھوں میں لینا کہاں کا انصاف ہے؟ پہلے ہی آپس کی فرقہ واریت کی وجہ سے بہت نقصان ہو چکا ہے اب غیر مسلم لوگوں کے ساتھ اس طرح کے اقدامات سے پاکستان کا تصور باقی دنیا میں کیا ہوگا اس بات کی دوسروں کے ہاتھوں میں کھیلنے والوں کی شاید خبر نہیں ہے ان کو بس اپنا مفاد عزیز ہے۔ اس سلسلے میں بعض علما کرام کا کردار بھی اسلام کی تعلیمات کے عین مطابق نہیں ہے وہ اسلام کی بعض شرعی احکامات کی درست طور پر وضاحت نہیں کرتے ہیں اور معصوم و سادہ لوگ ان کی باتوں سے خدا اور رسول کی نافرمانی کے مرتکب بن جاتے ہیں۔

اسلام کی تعلیمات باقی تمام مذاہب کا احترام کا درس دیتی ہیں اور غیر مسلموں کو بھی حقوق دیئے گئے ہیں لیکن بعض لوگوں کو اس طرح کی باتیں کھٹکتی ہیں اور وہ محض اپنے فائدے کی باتیں سوچتے ہیں؟ کچھ نا عاقبت اندیش لوگوں کی رائے میں یہ واقعہ شاید توہین رسالت کی سزا کے خاتمہ کا سبب بن جائے لیکن ایسا کسی طور ممکن نہیں ہے کوئی مسلمان توہین رسالت کرنے والے کو برداشت نہیں کر سکتا تاوقتیکہ وہ اپنے کیفر کردار کو نہ پہنچ جائے لیکن پہلے قران کے مطابق حقائق کی تصدیق ضروری ہوتی ہے؟ ایک فرد کی سزا سو لوگوں کو دینا کہاں کی عقلمندی ہے؟

وزیر اعلیٰ پنجاب نے اس بارے میں تحقیقات کا حکم دے دیا ہے اور وہ مجرمان کو سزا دینے میں سنجیدہ نظر آتے ہیں ضرورت اس امر کی بھی ہے کہ حکومت اس بار یہ کام کر ہی دے کہ مجرم اپنے انجام کو پہنچیں تا کہ کل کو کوئی پھر سے یہ کھیل نہ کھیل سکے۔

ایک گزارش یہ ہے کہ اگر ہم مسلمان پیدا ہو ہی گئے ہیں تو خدارا ایسے کام نہ کریں کہ اسلام اور مسلمانوں پر سوالات اٹھائے جائیں۔

تضاد

ایک بات کی سمجھ آج تک نہیں آئی ہے کہ جب ہم مسلمان ہیں تو ہمارے اعمال اسلام کے اصولوں اور تعلیمات کے مطابق کیوں نہیں ہیں؟ ہمارے کہنے، کرنے اور بولنے میں کیوں اتنا تضاد پیدا ہو گیا ہے کہ ہم لوگ صرف نام کے ہی مسلمان بن کر رہ گئے ہیں؟ اور دیگر اقوام کو مسلمانوں پر تنقید کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ کیا ہم اس بات کو بھول چکے ہیں کہ ہم نے اپنے اعمال کا آخر کسی روز حساب بھی دینا ہے؟

قرآن میں بھی اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ اے ایمان والوں ایسی بات کیوں کرتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو محض دوسروں سے وقتی طور پر فائدہ کے حصول کے لئے ہمارے معاشرے میں موجود افراد بشمول سیاست دان حضرات کے سب ہی اس لت میں مبتلا ہو چکے ہیں اور زیادہ سے زیادہ دنیاوی فوائد لینے کے چکر میں ہیں؟ کل کے دشمن آج کے دوست بن چکے ہیں اور دوست بن جانے والے کل کو اپنے ہی دوستوں پر مختلف الزامات عائد کرتے ہیں جبکہ وہ دوستی کے زمانے میں انکی تعریف کرتے ہوئے حد سے بھی گزر جاتے ہیں؟

جھوٹ، مکر وفریب اور دغا بازی کرنے کے باوجود بھی ہم لوگ اپنے آپ کو سچا

اور پکا مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جیسے آج کل ایک آرمی سے ریٹائرڈ صاحب اپنے آپ کو سچا اور پکا پاکستانی مسلمان ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں؟ پتا نہیں کیوں وہ سچ کو ماضی میں سامنے نہیں لائے اب اتنا ہنگامہ کرنے کی وجوہات کیا ہیں یہ ہر دانا شخص بخوبی جانتا ہے؟ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ خود انکی اپنی باتوں میں اتنا تضاد ہے کہ وہ خود بھی شاید اس سے باخبر نہیں ہیں؟

ہم اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے میں بڑا فخر تو محسوس کرتے ہیں یقیناً کرنا بھی چاہیے ہمیں رمضان میں اپنے کاروباری بھائیوں کی طرف جو عمدہ نمونہ مہنگائی کی صورت میں جو دیکھنا پڑ رہا ہے۔ بجلی، آٹا اور چینی کی گرانی میں اضافہ کیوں اچانک کر دیا گیا ہے اس کی وجہ کچھ اور نہیں محض روپیہ کمانا تھا باتیں محض باتیں ہیں کہ پاکستان ٹریڈنگ کارپوریشن کی غلطی کی وجہ سے ہوا ہے یہ سیاسی اور چند ناعاقبت اندیش لوگوں کا کارنامہ ہے کہ لوگ قطاروں میں کھڑے ہوگئے ہیں؟ کہاں چلے ہیں وہ سیاسیت دان جو قوم کو خوشحالی کی طرف لے جارہے تھے محض ایک دو نے عمدہ مثالیں تو قائم کر دی ہیں لیکن باقی ابھی تک چپ ہیں شاید وہ بھی کسی خونی انقلاب کے منتظر ہونگے؟ ویسے اپنے قول و فعل پر عمل نہ کرنے والوں کے ہونا ایسا سلوک ہی چاہیے؟

اپنے دین کی تعلیمات سے دور ہونے کی وجہ سے ہی ہم قول و فعل کے گھناؤنے فعل میں ملوث ہو چکے ہیں اگر ہم دین کی باتوں پر عمل کریں تو ہم سچے اور عمدہ مسلمان بن سکتے ہیں؟ ہمارے اس تضاد کا بہت ہی برا اثر آنے والی پود پر پڑ رہا ہے جس کے لئے ابھی سے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے ورنہ شاید وہ خود بے مذہب ہوتے چلے جائیں گے۔

سیاست کا بازی گر

کبھی کبھی انسان کی قسمت ایسا کھیل بھی کھیلتی ہے کہ جس بات کی وہ توقع نہیں کر رہا ہوتا ہے وہی اس کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ جس کی عام صورتحال میں ہونا ناممکن ہی ہوتا ہے۔ ایسا ہی کچھ ہمارے قابل احترام صدر محترم کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ محترمہ بے نظیر صاحبہ کی شہادت نے انکو ایسا موقعہ فراہم کر دیا کہ وہ پاکستان کی صدارت کرنے کے حقدار بن گئے۔ اگرچہ ماضی میں انکے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں اور کرپشن کی داستانیں بھی خلق خدا کو سننے کو ملیں لیکن اس بار قسمت ان پر مہربان ہو ہی گئی اور ان کو کسی حد تک اپنے ماضی کو دھونے کا موقعہ ملا ہے جس میں کسی حد تک کامیاب ضرور ہوئے ہیں لیکن ان کے دشمن آج بھی انکے سائے کے پیچھے ہیں۔ محترم صدر صاحب کے بارے میں کچھ بھی کہا جائے وہ ایسی شخصیت کے مالک ہیں اگر وہ چاہیں تو پاکستان کے تمام تر مسائل کو ختم اور پاکستان کو ترقی یافتہ ملک بننے کی راہ پر گامزن کر سکتے ہیں۔ لیکن ان کو اس سلسلہ میں مختلف جماعتوں اور اشخاص کی جانب سے خاطر خواہ تعاون نہیں مل رہا ہے۔ ابھی حال ہی میں امریکہ کی اے ایف پاک پالیسی سے انکار کر کے انہوں نے بہت حد تک اپنی ساکھ کو مضبوط کیا ہے۔

ابھی تک مختلف بحرانوں سے بچ نکلنے والے زرداری صاحب اپنے حریفوں کو اپنی باری گریاں دیکھ کر بازی جیت رہے ہیں اور مستقبل میں بھی ان سے یہی توقع کی امید کی جا رہی ہے۔ ایک بات ان کے حریفوں کو بخوبی جان لینی چاہیے کہ بہت سال جیل میں اپنے زندگی کے قیمتی پل گزارنے والے شخص نے ماضی سے بہت کچھ سیکھا ہے اب وہ بہت مشکل سے ہی کسی غلطی پر آمادہ ہوسکے گا۔ اس کو دیگر سیاست دانوں کے ساتھ موازنہ کرنے والے اس بات کو نظرانداز کر رہے ہیں کہ وہ باقیوں سے یکسر مختلف کردار کا مالک ہے۔ جس کا اب اولین مقصد نہ صرف پارٹی کو مضبوط بنانا، بچوں کے لئے سیاست کے میدان میں آنے کی راہ ہموار کرنا اور اپنے ذاتی تشخص کو بہتر بنانا ہے۔

محب وطن لوگ

گزشتہ چند ماہ سے پاکستان کے اندرونی حالات بہت خطرناک صورت حال اختیار کرتے جارہے ہیں۔ قوم ویسے ہی باسٹھ سالوں سے نت نئے بحرانوں سے نبرد آزما ہے۔ اب اسے چند سالوں سے دہشت گردی جیسی سنگین صورت حال کا بھی سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ آئے روز دہشت گردی (خودکش حملے وغیرہ) نے عوام کو مختلف پریشانیوں میں ڈال دیا ہے۔ ملک کے نااہل سیاست دان صرف اور اپنے مقاصد کی خاطر عوام کو سڑکوں پر لانے کے لئے ہی کوششیں کرتے ہیں۔ بے روزگاری اور معاشی خوشحالی کا ان کو کوئی خیال نہیں ہے۔ بہت کم محب وطن ایسے ہیں جنہیں اس ملک اور عوام سے کوئی انس ہے ورگرنہ ملک اور قوم کا تو خدا ہی حافظ ہے۔

ہمارے ملک کو اغیار کی سازشوں کا قیام سے ہی سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور اس ملک کی سلامتی اس ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنے والی افواج اور آئی ایس آئی پر ہے۔

بصورت دیگر ہمارے سیاستدان تو موقعہ ملنے پر اس وطن کو بیچ ہی ڈالیں گے جب بھی ان کو موقعہ ملتا ہے وہ ایسے اقدامات کرتے رہتے ہیں ابھی امریکہ کی خفیہ ادارے کو اسلام آباد میں رہائشی مکانات اور اسلحہ کی فراہمی کی کہانی سب کی زبان اور اخبارات سے سامنے آچکی ہے۔ ایسے میں افواج اور آئی

ایس آئی جس کی حب وطنی پر کسی کہ شبہ نہیں ہے کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ملک دشمن عناصر کا قلع قمع کریں اور عوام کو سکون فراہم کریں اور ملک کی سلامتی کے ضامن بن جائیں تاکہ کوئی میلی آنکھ سے اس ملک کی طرف نہ دیکھ سکے۔

افواج پاکستان اور آئی ایس آئی کی صلاحیتوں اور کارگردگی سے پوری دنیا واقف ہے اور مختلف ادوار میں دونوں پر کسی نہ کسی طور الزامات تراشی کی جاتی رہی ہے تاکہ ان کو بدنام کرکے پابندیوں کی زد میں جکڑا جاسکے لیکن ایسا کبھی نہ ہو سکا ہے اور نہ ایسے محب وطن لوگوں پر کوئی روک ٹوک لگائی جا سکتی ہے۔

حال ہی میں سوات اور اب وزیرستان میں آپریشن کی کامیابی کا ذمہ بھی انہی دونوں اداروں کی مرہون منت ہے جس کی وجہ سے نام نہاد اسلام کے خیر خواہ طالبان سے چھٹکارا مل سکا ہے۔ اسی کا بدلہ لینے کی خاطر جی ایچ کیو اور فوج کے قابل افسران کو اپنی مذموم مقاصد کے حصول کی خاطر نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ لیکن افواج پاکستان اور ہمارے سلامتی کے ذمہ دار ادارے اپنی فرائض سے غافل نہیں ہیں انکی ہر صورتحال پر نظر ہے ہمیں بھی اپنے ان محب وطن لوگوں کا ساتھ دینا چاہیے اور کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہے کیونکہ یہی لوگ ہمارے پاکستان کی سلامتی اور دفاع کے ضامن ہیں۔

فیصلہ کیجئے؟

گزشتہ ساٹھ سالوں سے پاکستانی قوم بے شمار مسائل کا شکار ہے اور ابھی تک کسی نے بھی ان کے حل کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی ہے۔ اتنے برسوں کے سفر میں ماسوائے ایٹمی قوت کے حصول کے کوئی بھی قابل ذکر تبدیلی نہ تو ہمارے سیاست دانوں اور نہ ہی حکمران لا سکے ہیں۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ سماجی قدروں میں بھی بہت حد تک تبدیلی آچکی ہے۔ لوگ محض دال روٹی کے چکر میں ہی پھنس کر رہ گئے ہیں۔ اپنے مفاد کے حصول کے لیے کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہو چکے ہیں؟ محترم مشرف صاحب کی مثال ہمارے سامنے ہے جنھوں نے اپنے سنہری اقوال سے پاکستانی صدر زرداری اور ایٹمی صلاحیت کے حوالے سے اپنے مذموم عزائم کا اظہار کر کے اپنے کردار و فعل کو واضح کر چکے ہیں؟ کئی سال تک پاکستان کے سیاہ و سفید کے مالک انسان نے اپنے مادر وطن کی نیک نامی کس قدر اضافہ کیا ہے اور قوم کی نسلوں کو کن مسائل سے دوچار کر دیا ہے یہ تو وقت ثابت کر رہا ہے؟ پاکستان ہمارے اس محترم کی وجہ سے امریکہ کی کالونی کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے اور ہماری آزادی سلب کی جانے کی کوششیں شروع اسی کے دور سے ہیں؟ کیا ہم اس کے تدارک کے لئے اقدامات اٹھا رہے ہیں؟

ہمارے جمہوریت کے علمبردار سیاست دانوں کا اعمال نامہ تو این آر آو اور قرضے معاف کروانے والوں کی فہرست دیکھ کر ہی لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے یہ قوم کی رہنمائی کے دعوے دار کس حد تک قوم کی خوشحالی کی بجائے روپے کے پجاری بن چکے ہیں؟ صرف اپنے بچوں کے مستقبل کی فکر ہے قوم کو ذلت و رسوائی کی زندگی پر مجبور کرنا ہی انکا متاع نظر بن چکا ہے؟ لیکن ہم ہیں کہ ہر وقت ان کو ہی آزماتے رہتے ہیں کبھی دوسرے آنے والے اچھے اور مخلص لوگوں کی قدر نہیں کرتے ہیں؟ کیا ہمارے مقدر میں بد کردار اور بد دیانت لوگ ہی رہنمائی کے قابل رہ گئے ہیں؟

اس کے ساتھ ساتھ ملک میں جو خود کش حملوں کو جو سلسلہ شروع ہو چکا ہے اس سلسلہ میں سب کو محتاط رہنے کی ضرورت ہے اپنے بچوں کی طرف زیادہ دھیان دیجئے اور ایسی تربیت کیجئے کہ وہ کل کو اپنے ہی بھائیوں کی گردن کاٹنے پر مجبور نہ ہو جائیں چاہے وہ کسی بھی طاغوتی طاقت کے آلہ کار بن جائیں لیکن کسی کی زندگی کا چراغ گل کرنے کے درپے نہ ہوں۔ ہمیں حکومت کی طرف نظریں کرنے کی بجائے اپنی مدد آپ کے تحت اقدامات اٹھانے ہونگے۔

ہمیں اب اس بات کا خود فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہمیں کس انداز حکمرانی والے لوگوں کی ضرورت ہے جس سے نہ صرف ہماری آنے والی نسلیں بلکہ ہمارے ملک کو

بھی خوشحالی اور استحکام مل سکے۔ ہمیں مل کر اپنی اور اپنے ملک کی تقدیر بدلنی ہو گی
بات صرف تعاون اور فیصلہ کرنے کی ہے؟ سوچیے اور فیصلہ کیجئے ایسا نہ ہو کہ وقت ہاتھ
سے نکل جائے؟

خوشی

ہم میں سے اکثر لوگ لفظ خوشی کا استعمال اپنی روز مرہ کی گفتگو میں کرتے ہیں لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ وہ لوگ حقیقی خوشی سے محروم ہوتے ہیں۔ محض لفظ بولنے سے ہی خوشی نہیں مل جاتی ہے۔ اس کے لئے عمل بھی کرنا پڑتا ہے۔ بقول میری ایک بہن کے خوشی حاصل کرنی ہے تو دوسروں کو حاصل ہونے والی خوشیوں میں اس انداز سے شریک ہو کہ جیسے اپ اپنی کسی کامیابی پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ ایسا کرنے سے ہی اپ کو خوشی حاصل ہو گی۔

دوسروں کو خوشیاں فراہم کرکے انسان خوش رہ سکتا ہے۔ لیکن آج کے دور میں جب ہر طرف افراتفری کا سماں ہے کسی کو کوئی پروا نہیں ہے ہر کوئی مطلب کی خاطر دوسروں کی خوشی کا قتل کرکے وقتی طور پر خوش ہو رہا ہے۔ جبکہ حقیقی خوشی تو دوسروں کے ساتھ خوشی میں شامل ہونا ہے۔

انسان کو خوشی ایسے ہی نہیں مل جاتی ہے یہ بھی تلاش کرنی پڑتی ہے جیسے موت انسان کو ڈھونڈتی ہے ویسے ہی یہ انسان کی تلاش میں ہوتی ہیں۔ بہت بار انسان کی زندگی میں ایسا ہوتا ہے کہ خوشی ہمارے ارد گرد ہوتی ہے اور ہم اس کو

کہیں اور ہی تلاش کر رہے ہوتے ہیں۔
بھلائی اور نیکی کے کاموں سے بھی انسان کو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں انسان کی بہت مشکلات اور مسائل کو حل بعض اوقات آسان سا ہوتا ہے لیکن اس کی سوچ اس طرف نہیں جاپاتی جس سے وہ مطمئین ہوسکے جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مثبت انداز فکر نہیں رکھتا ہے۔ مثبت سوچ کی وجہ سے بھی انسان کو بے انتہا خوشیاں حاصل ہوتی ہیں۔
اسلام کے اصولوں پر عمل کرنے سے بھی مسلمان بہت حد تک خوشیاں سمیٹ لیتے ہیں۔

کل ہو نہ ہو

حضرت انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مدت تک لے لئے زمین پر اتارا اور اس پر مختلف انواع و اقسام کے مسائل اور حالات و واقعات سے آزمائش جنت و دوزخ کے حصول کے لیے رکھ دیے۔ جس نے نیکی اور بھلائی کے کام کئے اور اپنی زندگی کو اللہ کے متعین کردہ اصولوں کے مطابق گزارا اس کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں بھلائی رکھ دی گئی ہے۔

دنیا میں انسان ایک خاص وقت تک لئے ہی رہتا ہے اور وہ اس کے بعد اس فانی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اس محدود زندگی میں انسان کو بے شمار زندگی کے مراحل سے گزرتا پڑتا ہے۔ اور وہ اپنی سوچ و عقل کو استعمال کرتے ہوئے ان سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ بعض اوقات وہ وقت پر درست فیصلے کرتا ہے اور خوشیاں اور سکون پاتا ہے اور بعض اوقات وقت پر کسی بات کا فیصلہ نہ کرنے پر مختلف مسائل کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ وقت کی اہمیت سے آگاہ نہیں ہوتا ہے جس کا خمیازہ اسے بھگتانا پڑتا ہے۔

آج کے مصروف ترین دور میں ہم بہت سے کاموں کو کل کے لئے چھوڑ دیتے ہیں اور

کل ہماری زندگی میں کبھی نہیں آتی ہے۔ خاص طور پر گورنمنٹ کے اداروں میں کام کاج کرنے والے لوگ وقت کا بے دردی سے استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے ادارہ کا نظم وضبط تباہ اور کارکردگی صفر ہو جاتی ہے۔ جو کام آج ہو سکتا ہے اس کے لئے کل کا انتظار کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟

جب ہمیں یہ معلوم نہیں کہ ہمیں اگلا پل نصیب ہوتا ہے کہ نہیں؟ ہم کیوں کل کا انتظار کرتے ہیں؟ یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی کے متعلق ہر بات کا جواب اللہ تعالی کو دینا ہے تو کیوں ہم غفلت کا شکار ہیں اور اپنے ضمیر کی آواز نہیں سن پاتے ہیں؟

ہمارے پاس جو کچھ بھی کرنے کو ہے وہ آج ہی کرنا ہے کل نہ کبھی آئی ہے اور نہ کبھی آئے گی؟ سوچیے اور اپنی زندگی کو مثبت اور خوشگوار بنائیں آپ کے بے شمار مسائل خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

جو کرنا ہے سو کر گزرو کرنے کے لئے کل ہوں نہ ہوں
جو آج ہمارے ہاتھ میں ہیں وہ پل کل ہوں نہ ہوں

ہم جواب دہ ہیں؟

اللہ تعالی نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش کے لئے بھیجا ہے اور ایک مقررہ وقت زندگی کا گزار کر وہ رخصت ہو جاتا ہے۔ اس زندگی کے مختصر سے سفر میں انسان بے شمار حالات و واقعات سے گزرتا ہے جن پر وہ اپنی سوچ کے مطابق عمل درآمد کرتا ہے۔ بہت سے معاملات میں خدا اور رسول کی تعلیمات کے مطابق عمل کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کی زندگی خوشگوار بن جاتی ہے۔ جس کا صلہ نہ صرف اسے دنیا میں ملتا ہے بلکہ آخروی لحاظ سے بھی فائدہ میں رہتا ہے۔

جو لوگ اپنی زندگی کو سنت اور قرآن کے احکام کے مطابق گزارتے ہیں وہ آخرت کی زندگی کے بارے میں فکر مند ہوتے ہیں اور نیک اور بھلائی کے کام سرانجام دیتے ہیں۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اسلام، قرآن کے احکامات کی روگردانی کرتے ہیں اور ہر وہ کام کرتے ہیں جو کسی بھی طور جائز نہیں ہوتے ہیں۔ بہت سے ناعاقبت اندیش لوگ مختلف حربوں سے اپنے دین کے تشخص کو بھی متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں محض چند ٹکوں کی خاطر یا اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے وہ ایسے گھناؤنے کام سرانجام دیتے ہیں۔ ہمیں ایسے لوگوں کی ہر سطح پر مذمت کرنی چاہیے۔

برائی کو جلد از جلد ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ معاشرے کے باقی افراد اس سے دور رہ سکیں۔ مگر شرط اول یہ ہے کہ وہ شخص خود ہر طرح سے عیوب سے پاک ہو نہ کہ لوگوں کو اسے سدھارنے کی ضرورت محسوس پڑے۔ اگرچہ ہر انسان کامل نہیں بن سکتا ہے لیکن ایسا کرنے کی کوشش ہر فرد کی ذمہ داری بنتی ہے۔

سوچیں اگر ہم دنیا میں برے کام کریں اور قیامت والے دن اللہ ہم کو دوزخ میں پھینک دیں اور ہم چیخ و پکار کریں کہ ہم کو معاف کر دیں۔ ہم سے غلطی ہو گئی تو ہمیں پہلے تو اپنے کئے کی سزا تو بہر حال بھگتنی ہوگی بعد میں ہم اللہ کی رحمت و شفقت کے طلبگار بن سکیں گے۔ اس وقت سے قبل ہم اپنے اعمال اور قول و فعل کو بہتر کرلیں تو کیا ہمارے حق میں بہتر نہیں ہے؟ کیونکہ ہم اپنے ہر فعل و عمل کے جواب دہ ہیں؟

حسد - اک برا فعل

کسی مسلمان کے پاس اللہ کی کوئی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ نعمت اس سے چھن کر مجھے مل جائے، حسد کہلاتا ہے۔ اور آج کے دور میں یہ بہت سے لوگ نا چاہتے ہوئے بھی اس میں بتلا ہو چکے ہیں۔ اور بہت سے افراد اپنی اس عادت سے بھی بے خبر ہوتے ہیں تاوقتیکہ ان کو اس بارے میں آگاہ نہ کیا جائے۔

آپ میں سے اکثر لوگوں کے لئے یہ شاید ایک نئی بات ہو کہ روئے زمین پر سب سے پہلا ظاہری گناہ یعنی قتل، اسی حسد کی وجہ سے ہوا تھا۔ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر ڈالا تھا۔ یہ پورا واقعہ قرآن کی سورہ مائدہ میں تفصل کے ساتھ موجود ہے۔

ایک احادیث مبارکہ ہے کہ

" کسی سے حسد نہ کرو اور نہ ہی کسی سے بغض و کینہ رکھو۔ اے اللہ کے بندو! بھائوں کی طرح بن جاؤ"

جب کہ قرآن میں سورہ نسا میں بھی اس حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ
"اور اس کی آرزو نہ کرو، جس کے سبب اللہ نے تم میں سے ایک دوسرے پر بڑائی دی"
حسد انسان کے ساتھ ہی پیدا نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ مختلف قسم کے حالات و واقعات کے انسانی زندگی پر اثرات کے رد عمل کے طور پر انسانی شخصیت کا حصہ بن جاتا ہے۔ اور جب تک ہم حسد پیدا ہونے کے اسباب ختم نہیں کرتے اس وقت تک اس سے نجات حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔

حسد میں مبتلا ہونے کی بڑی وجہ دین سے دوری ہے۔ ہم لوگ زیادہ سے زیادہ مادی فوائد کے حصول میں لگے ہوئے ہیں اور دین پر وقت یا اس پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ جس کی وجہ سے ہم بہت سے روحانی اور اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اللہ ہمیں اسلام پر عمل کرنے اور اس کی تعلیمات کو سمجھنے کی توفیق دے (آمین)

کتاب ہدایت - قرآن مجید

قرآن مجید کا شمار آخری نازل ہونے والی الہامی کتابوں میں ہوتا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے اپنا کلام قرآن کی شکل میں نازل فرمایا جو کہ ہمارے زندگیوں کے لئے ایک دستور کی مانند اہمیت رکھتا ہے۔

سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب کا اعزاز بھی قرآن حکیم کے پاس ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس کو بغیر سمجھے پڑھنے والوں کی تعداد بھی ہزاروں لاکھوں میں ہے۔ ہمارے پاس فضول کتابوں، ناولوں اور افسانوں اور نیٹ چیٹنگ کے لئے تو وقت ہے لیکن قرآن پاک کے سمجھ کر پڑھنے کا بالکل بھی وقت نہیں ہے۔ جب کہ اس میں شعبہ ہائے زندگی کے بہت سے مسائل کا حل موجود ہے۔

حصول معاش کی فکر میں سرگرداں مسلمان آج کل قرآن پاک سے دور سے دور تر ہوتے جارہے ہیں اگر اس کو پڑھتے بھی ہیں تو فقط ثواب کے حصول کے لئے، الفاظ کے معنی پر غور کرنے کا وقت بھی نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہم گمراہی اور جہالت کی گہرائی میں گرتے چلے جارہے ہیں اور ہمیں مشکلات نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔

قرآن پاک میں مختلف حالات و واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں تاکہ وہ لوگ جو خوف خدا رکھتے ہیں وہ اس سے کچھ سبق حاصل کر سکیں۔ قرآن تا قیامت تک رہنے والی کتاب ہے اور اسکی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھی ہے اور مختلف اوقات میں ہمیں ایسے بہت سے مناظرے دیکھنے کو ملتے رہے ہیں۔

کتاب ہدایت کے ذریعے کچھ ناعاقب اندیش لوگ اپنی دکانداری بھی چمکانے میں بھی لگے ہوئے ہیں۔ ہر کوئی اس میں موجود کلام کو اپنے مذموم مقاصد کے حصول میں لگا ہوا ہے۔ اگر اس زمرے میں ان سے کچھ کہا جائے تو مختلف قرآنی حوالوں کے ذریعے دوسرے کو قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک کو کسی کی بھی تصدیق کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ہی کسی کو یہ کہنے کی ضرورت پڑتی ہے کہ یہ الفاظ قرآن پاک کے ہیں؟ قرآن مجید بہت سی ویب سائٹوں پر موجود ہے اور انکے بارے میں آگاہ ہیں محض نمود و نمائش کی خاطر ان کا استعمال جائز نہیں ہے۔

بہت سے بدنصیب ایسے ہیں جو اپنے آپ کو راہ حق پر سمجھتے ہیں اور دوسروں کو مختلف القاب اور اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ لیکن وقت نزع پر ان پر آشکار ہوتا ہے کہ وہ تو سراسر گمراہی کے راستے پر تھے پیشتر اس کے ہم پر ایسا وقت آئے ہمیں کتاب ہدایت کے اصل مقصد اور مفہوم کی جانب راغب ہو جانا چاہیے۔

قرآن پاک کے کلام کے مفہوم کو بہت سے لوگ اپنے اپنے ذہن کے مطابق لیتے ہیں اور جتنا جتنا ہم ان پر غور کرتے ہیں اتنا ہی اس کا تصور مزید واضح ہوتا چلا جاتا ہے۔ جس سے ہمارا ظاہر و باطن ایک جیسا ہونے لگتا ہے۔ اور اللہ کے حضور سرخرو ہونے کے قابل بنانے کے قابل ہونے لگتے ہیں۔

قرآن حکیم کی تعلیمات پر سب سے پہلے انسان کو خود اپنے قول و فعل ظاہر کرنا چاہیے تاکہ دوسروں کو اس کے ذریعے راہ راست پر لایا جائے۔ تاکہ خود اس شخص پر لوگ انگلیاں اٹھائیں بد قسمتی سے ایسے افراد کی ہمارے معاشرے میں کمی نہیں ہے۔ قرآن پڑھنے، سمجھنے اور عمل و دوسروں کو پڑھانے کی چیز ہے اس کو محض اپنی شہرت کے لئے استعمال کرنا بہت غلط طرز عمل ہے۔ کتاب ہدایت کو اگر دل سے پڑھا جائے تو انسان کی دنیا اور آخرت دونوں سنور سکتی ہیں۔ بات فقط سوچ کے دائرے کو وسیع کرنے کی ہے۔ بصورت دیگر ہر انسان کے نصیب میں ہدایت نہیں ہوتی ہے۔

لڑکیوں کے مسائل

مسائل بہت سی وجوہات کی بنا پر وجود میں آتے ہیں اور حالات و واقعات کے مطابق اپنے منطقی انجام کو پہنچ جاتے ہیں۔ بعض مسائل فوری طور پر حل ہو جاتے ہیں۔ کچھ وقت کے ساتھ ساتھ حل ہو جاتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو اپنے انجام کے منتظر ہی رہتے ہیں۔ مسائل زیادہ تر اسوقت پیدا ہوتے ہیں جب کسی چیز یا کام کو اس کے حقیقی پہلو کو سامنے رکھ کر سرانجام نہیں دیا جاتا ہے۔

مختلف ممالک، معاشرے اور انسان مختلف قسم کے مسائل کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ تاہم انسانوں کے مسائل زیادہ توجہ طلب ہوتے ہیں۔ اور انسانوں میں صنف نازک کے مسائل زیادہ اہمیت کے حامل ہیں کے ان کو ہمیشہ مرد کے سرنگوں رہنا پڑتا ہے۔ اسلام باقی مذاہب کے مقابلے میں خواتین کو ہر لحاظ سے مردوں کے مساوی عزت و وقار بخشتا ہے۔

آج کے دور میں ہمارے موجودہ معاشرے میں صنف نازک بالخصوص لڑکیوں کے مسائل کو کوئی بھی ذی شعور سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا ہے۔ ہر کوئی ان کے دکھ درد اور سکھ سے لاتعلق ہی زیادہ تر رہتے ہیں۔ والدین کے پاس وہ ایک کھلونے کی

مانند ہوتی ہیں کہ استعمال کے بعد ایک طرف رکھ دیا گیا۔ پھر اللہ میاں کی گائے کی طرح ہر حال میں خوش و راضی رہتی ہیں۔ چاہے وہ زخموں سے چور ہو جائیں اپنی خواہشات اور احساسات سے دوسروں کو بے خبر ہی رکھتی ہیں۔

ان کو سمجھنے کی ضرورت کوئی بھی محسوس نہیں کرتا ہے۔ پھر جب ان کو کوئی سمجھنے اور خوب صورت ہونے کا احساس دلاتا ہے تو اس کو جان تک دینے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں چاہے وہ چاہت کا جذبہ کم گہرائی کا حامل ہی کیوں نہ ہو۔ بعض اوقات یہی بات ان کو مزید اندر سے توڑنے کا سبب بھی بن جاتی ہیں مگر وہ ان مسائل کو بھی اپنی ذات کا حصہ بنا لیتی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کے مسائل کو سمجھا جائے اور انکا حق دیا جائے کہ روز قیامت ہر اک سے اس بابت پوچھا جائے گا۔

عوام رے عوام

ہمارے بزرگ کہتے تھے کہ حکومت عوام کی خادم ہے مگر آج مجھے لگتا ہے کہ پاکستان میں عوام حکومت کی خادم ہے خود ہی دیکھ لیجئے کہ عوام اپنی روزمرہ کی اشیاء پر کس قدر رقوم خرچ کرکے اپنے اُوپر حکومت کرنے والے ناعاقبت اندیش لیڈران کی عیاشی کا سامان پیدا کرتی ہے۔ جاگیردار حکمران طبقہ آرام و آسائش میں زندگی گزار رہے ہیں وہیں عوام ظلم و ستم اور غربت کی چکی میں پس رہے ہیں ۔آج عوام کا کوئی مخلص ہمدرد نظر نہیں آتا ہے۔ عوام پر طرح طرح کے جرمانے (Taxes) لگا کر حکمران طبقہ اپنے خزانے کو بھر رہے ہیں اپنے مفادات کی خاطر ملک اور عوام کو داؤ پر لگا رہے ہیں۔ اب تک پتا نہیں کتنے لوگ غیروں کے ہاتھوں بیچ کر دولت کمائی جاچکی ہے۔کتنے ہی بے گناہ افراد روزانہ ڈرون حملوں میں مارے جاتے ہیں، کتنے ہی خودکش حملوں کی نظر ہو جاتے ہیں ،کتنے ہی غربت کی وجہ سے اپنی اور اپنے بچوں کی جان لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ جن کی کھیلنے کی عمر ہوتی ہے وہ کھلونوں ،کتابوں کی بجائے روٹی کے متلاشی ہوتے ہیں عوام کو کوئی بھی تو پوچھنے والا نہیں ہے۔

بچاری عوام جائے تو جائے کہاں روز بروز بڑھتی مہنگائی نے ان کا جینا دو بھر

کر رکھا ہے۔جب حکمران عوام کے سامنے آتے بھی ہیں تو وہ انکے جذبات سے بے خبر اپنے سہانے خوابوں میں مگن رہتے ہیں اگر یہ ایک دن غریب عوام کے گھر کی حالت دیکھ لیں تو ان کی ساری خوشی کافور ہو جائے۔ عوام سے بھرے جلسے جلوسوں میں یہی عوام انکے حق میں نعرے لگاتی ہے مگر بدلے میں انکو کچھ نہیں ملتا ہے۔ عوام سے کروڑوں اربوں روپے کا ٹیکس حاصل کرکے اپنے بنکوں کو بھرتے ہیں اور عوام بچاری غربت میں مرتی ہے۔اور وہ بھی اُس جمہوری حکومت کے دور حکومت میں جو غریبوں کی ہمدرد کہلواتی ہے اور اسی وجہ سے غریب عوام مکاؤ پروگرام پر عمل پیرا ہے تاکہ نہ رہیں غریب ،نہ رہے غربت واہ کیا انصاف ہے؟

ہمارے ملک میں بچاری عوام روزی روٹی کی فکر ہی میں پڑی ہوئی ہے جبکہ تیونس اور مصر کی عوام کسی قدر خواب غفلت سے جاگ اٹھی ہیں۔کیا یہ بات اہم نہیں ہے کہ ملک کی سربراہت کو اپنی جاگیر سمجھنے والے لیڈران کو نا چاہتے ہوئے بھی اقتدار اور ملک چھوڑنا پڑا ہے۔ حسنی مبارک صاحب نے اپنے طور سے تو بہت زور لگایا کہ میٹھی گولی دے کر جیسے ہمارے پاکستان میں لیڈران ووٹ کے حصول کے لئے جھوٹے وعدہ کرکے اقتدار میں آتے ہیں ویسے ہی وہ اپنے اقتدار کو طول دے سکیں مگر عوام نے بس ایک ہی مطالبہ رکھا جناب آپ کی رخصتی سے کم کسی بات پر کوئی سمجھوتہ نہ ہوگا۔ جیسے ہمارے حکمران اپنے مفادات کی خاطر سپرپاور مملکت سے اپنے اقتدار کی طوالت اور مالی مفاد مانگتے ہیں کہ بدلے میں

بیٹیاں اور بیٹوں کی جانوں کا نذرانہ بمعہ تمام تر شرائط کو مان لیں گے جو بھی آپ پسند کریں۔ لیکن مصری عوام میں شعور اجاگر ہو چکا تھا لہذا وہ ہوا جو بہت کم دیکھنے میں آتا ہے مصر کی عوام نے تو باقی مسلمان ممالک کے لئے ایک مثال قائم کر دی ہے کہ اگر سب متحد ہو جائیں تو کسی بھی فرعون سے چھٹکارہ پانا کوئی مشکل کام نہیں ہے بس بات صبر اور حوصلے سے حالات کا مقابلہ کرنے کی ہے۔پاکستان میں بسنے والی عوام کو بھی چاہیے کہ اپنے حقوق کے حصول کی خاطر عملی قدم اُٹھائے وگرنہ وہ اسی طرح سے اپنی باقی ماندہ زندگی بھی گزار لے گی کہ وقت کب کسی کے لئے رک پاتا ہے۔ویسے بھی خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرنا چاہتے ہیں اور اگر کسی قوم کو اپنی حالتے بدلنے کا خیال نہیں آئے گا تو انکی حالت زار کسی طور بہتر نہیں ہو پائے گی تو قانون فطرت ہے

۔

دوٹوک

مجھے اس بات کی آج تک سمجھ نہیں آئی ہے کہ جب بھی ہمیں کسی پریشانی یا تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو ہم یہ کیوں کہتے ہیں کہ یہ سب ہمارے نظام کی خرابی کی وجہ سے ہوا ہے یا ہمارے نصیب میں ہی ایسا کیوں لکھا ہوا تھا؟ سوچنے کی بات ہے کہ ہم ساری زندگی سچ سے دور بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں مگر پھر بھی وہ ہمارے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے پتا نہیں کیوں ہم اپنی غلطیوں اور کمزوریوں پر نظر رکھنے کی بجائے دوسروں کی ذات پر رائے زنی کرنا اپنا بنیادی فرض سمجھتے ہیں۔ کوئی اچھا کام کرے یا برا دونوں صورتوں میں تنقید کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یوں کر لیا جاتا تو بہت اچھا ہوتا مگر خود اچھا کرنا یا اپنی غلطی کو مان لینا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں ایک مضمون نگار کا کالم پڑھنے کا اتفاق ہوا جس میں انہوں نے ایک پاکستانی ITادارے کے حوالے سے بہت ہی منفی باتوں کا پرچار تو کیا ہے مگر اس حوالے سے کوئی خاص تجاویز فراہم نہیں کی ہیں کہ جس سے منفی تاثر کا ازلہ کیا جا سکتا۔ مگر یہ کہنا ضروری سمجھا گیا کہ اس ITادارے کا نظام ہی فرسودہ ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو تکلیفیں ہو رہی ہیں جب کہ اس ادارے کی وجہ سے ملک کا نام بھی روشن ہو رہا ہے۔ صرف تصویر کے ایک رخ کے بیان کی وجہ میری سمجھ سے بالاتر ہے کیا کسی ایسے ادارے کو سراہنا درست

طرز عمل نہیں ہے جو اپنی بہترین خدمات اپنی تمام تر خوبیوں و خامیوں کے ساتھ سرانجام دے رہا ہے۔ میرے خیال میں نظام کسی بھی چیز کا ہو اگر درست طور پر چلایا جائے تو ہر نظام بہترین بن سکتا ہے اگر اس میں موجود خرابیوں کو رفتہ رفتہ دور کر لیا جائے۔اگر لکھنے والے ہی تصویر کا ایک رخ پیش کر کے اپنی مرضی کے نتائج پیدا کرنے کی کوشش کریں گے تو یہ بات بہت سے مسائل کو پیدا کرنے کا سبب بنے گی۔ مسائل کو اجاگر کرنا اور بات ہے مگر اس سلسلے میں احتیاط کا دامن بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے تصویر کے دونوں رخ بیان کرنے چاہیں تاکہ منفی سوچ مرتب نہ ہو۔ ہمارے ہاں تو حالات تو اس قدر خراب ہو چکے ہیں کہ ہم اپنے مسائل کے حل کے لئے رُعب و دھمکی سے کام لینے لگے ہیں اور پھر جب ہمارے سامنے اس کے نتائج و عواقب ہمارے مطابق سامنے آنے لگتے ہیں تو اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم بھی "کوئی چیز" ہیں۔ جب ہمارے حق میں کوئی بات نہ جائے تو نظام کی خراب کو موردالزام ٹھہراتے ہیں۔ چاہے کوئی جتنی بھی دلائل سے بات کرے کہ تصویر کے دونوں رخ دیکھے جانے چاہئیں تو الزامات کی برسات کر دی جاتی ہے۔ ویسے بھی کہا جاتا ہے کہ اگر کسی کو مارنا ہے تو اس پر الزام لگا دیجئے اور پھر دیکھئے کہ وہی ہوگا جیسے آپ کرنا چاہیں گے۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کا معاملہ بھی ہمارے سامنے ہے کہ کیسے ہمارے سپرپاور کہلوانے والے ہمارے ہمدرد دوست نما دشمن نے بے بنیاد الزامات کی بناء پر 86 سال کی سزا سنا دی اور اب اپنے شہری کے لئے سفارتی استثنٰی چاہ

رہا ہے۔اگر ہمارے حکمران دباؤ میں نہ آئیں اور ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے بدلے ریمنڈ ڈیوس کی رہائی کا دو ٹوک مطالبہ منوالیں تو یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ریمنڈ کی سزا سے زیادہ اہم ہماری بہن کی رہائی کا مسئلہ ہے جو اپنے ناکردہ گناہ کی سزا اس ملک کے باشندے اور مسلمان ہونے کے ناطے بھگت رہی ہے۔

ہمارے ملک میں تو بس جس حکمران طبقے کا جو جی چاہتا ہے وہی کرتا ہے اور اپنے لئے ہی آسائش وآرام اور دھن دولت کی خاطر عوام کی زندگیوں کو عذاب میں مبتلا کرنا ہی اپنے لئے باعث ثواب سمجھتا ہے۔اور بے چاری عوام کہیں کا غصہ کہیں پر نکالنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ سیالکوٹ میں دو معصوم بھائیوں کے ساتھ ہونے والے ظلم کو ہی دیکھ لیجئے پولیس اور عوام کے سامنے دو بے گناہ مارے گئے اور کسی نے روکنے تک کی زحمت تک نہیں کی۔مذہبی منافرت تو اب عام سے بات ہو گئی ہے اور ایک دوسرے کو حق پر سمجھنے کی جنگ نے صورتحال گھمبیر سی بنا دی ہے۔آئے روز کے خودکش حملوں نے ذہنی پریشانیوں میں اور اضافہ کر دیا ہے۔پہلے ہی معاشی بدحالی نے ادھ مویا کر رکھا ہے اسی وجہ سے ہماری برداشت کرنے کی قوت بھی جواب دیتی جا رہی ہے اور ہم بات بے بات ہر کسی سے لڑنے جھگڑنے لگے ہیں اس بات کو آپ بآسانی اپنے ارد گرد محسوس کر سکتے ہیں کہ لوگ سچ پر مبنی دو ٹوک بات کو بھی سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں اور ہاتھاپائی پر اتر آتے ہیں صبر تو باقی رہا ہی نہیں ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے

کہ اعتدال کا دامن تھامے رہیں اس سے ہمارے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔
ہماری دینی تعلیمات بھی اس چیز کا درس دیتی ہیں کہ ہمیں کسی کی دل آزاری نہیں کرنی
; چاہیے اور ہر حال میں اللہ کی رضا پر راضی ہونا چاہیے۔

ریمنڈ ڈیوس کون ہے؟

جنوری کے آخری ہفتے میں " سپر پاور ملک " کے شہری ریمنڈ ڈیوس نے لاہور میں دن دہاڑے دو افراد کو جان سے مار دیا اور اسکو بچانے والی گاڑی نے ایک معصوم شخص کو ٹکر مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ ریمنڈ ڈیوس کو واقعہ کے رونما ہونے کے بعد پنجاب پولیس نے اپنی حراست میں لے لیا اور پوچھ گچھ شروع کر دی۔ قانون کے مطابق اس کے خلاف قانونی کاروائی کا آغاز تو کر دیا گیا مگر اس کے سفارتی استثنٰی کے معاملے ، گمنام شناخت اور اُس سے .برآمد ہونے والی اشیاء نے ریمنڈ ڈیوس کو مزید پراسرار بنا دیا ہے کہ اسکی اصلیت کیا ہے؟ اگرچہ ریمنڈ ڈیوس یہ بات ثابت نہیں کر سکا ہے کہ اس نے اپنے دفاع کرتے ہوئے دو افراد کو جان سے مارا ہے مگر پھر بھی اسکا "سپر پاور ملک " چاہ رہا ہے کہ اس کو بآسانی وطن واپس بھیج دیا جانا چاہیے وہیں پر اس سے ہر بات کا حساب لے لیا جائے گا۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ ریمنڈ ڈیوس کے بارے ابتدائی ایام میں متنازعہ بیانات جاری کرکے اس کے اپنے ملک ہی نے اسکی باعزت واپسی کو بہت مشکل بنا دیا ہے مزید رہی سہی کسر اس سے .برآمد ہونی والی اشیاء نے پوری کر دی ہے۔ اس کو ہمارے ناعاقبت اندیش حکمران چاہتے ہوئے بھی چھوڑ نہیں پا رہے ہیں کہ اسکا "جرم " کوئی معمولی حیثیت کا حامل نہیں ہے کہ یوں آسانی سے چھوڑ دیا جائے۔ اگرچہ واقعے

کے چند روز تک امید تھی کہ ہمارے حکمران دباؤ میں آکر اسے چھوڑ دیں گے مگر ایسا نہیں ہوا کہ شاید ہماری غلامی کے دن ختم ہونے کو ہیں کہ ہمارے حکمران "سپر پاور ملک" سے زیادہ اپنے ملک کے مفاد اور عوام کی خواہشات کے مطابق مجرم کو سزا دینے کا سوچ چکے ہیں۔اگرچہ ابھی عدالت نے تمام تر شواہد اور ثبوت دیکھنے کے بعد فیصلہ کرنا ہے جو کہ تمام تر حقائق ریمنڈ ڈیوس کے خلاف ہیں۔اگر ہمارے حکمرانوں نے آئندہ کمزوری اس معاملے میں نہ دکھائی تو شاید نئی تاریخ رقم ہو جائے گی۔ ویسے بھی "انکل سام" نے جو کچھ ہمارے ساتھ دوستی میں کیا ہے وہ تو دشمنوں جیسا سلوک کیا ہے کہ اتنا ساتھ دیا پھر بھی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے۔اس سے تو اچھا ہے کہ ہم ایک حد میں رہ کر اپنی ترجیحات کو دیکھیں۔ مزید غلامی سے اچھا ہوگا کہ ہم آزادی سے اپنے فیصلے کریں کہ جو بھی جرم کرے اگر ثابت ہو جائے تو قرار واقعی سزا ملے؟ محض کسی کے دباؤ یا اونچے عہدے کی پرواہ نہ کی جائے۔اگر قانون پر عمل درآمد ہی نہیں کرنا ہے تو اسکے بنانے اور عمل درآمد کروانے کی تگ و دو کیسی؟

ریمنڈ ڈیوس کے سفارتی استثنٰی کے بارے میں طرح طرح کی خبریں روز سامنے آرہی ہیں ہر کوئی اس بارے میں سنہری الفاظ استعمال کر رہا ہے۔ایک بات تو بہت حد تک حتمی ہو چکی ہے کہ اس کو سفارتی استثنٰی حاصل نہیں ہے اسی وجہ سے بیشتر لوگ اُس سے اپنے تمام تر مظالم جو انہوں نے "انکل سام" کی وجہ سے اُٹھائے

ہیں سے حساب برابر کرنے کے چکروں میں ہیں۔ سننے میں آیا ہے کہ ہلاک شدگان کے ورثاء نے ریمنڈ ڈیوس کے بدلے ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی رہائی کا مطالبہ کیا ہے؟ اگر ایسا ہو جائے تو بہت ہی اچھا ہو گا کہ بچاری عافیہ صدیقی بہت کچھ سہہ چکی ہے اور کم از کم اب اگر خدا نے موقعہ فراہم کر دیا ہے تو ہمارے حکمرانوں کو اس بارے میں بھی سوچنا چاہیے۔ اگرچہ انصاف یہ نہیں ہو گا مگر اس کو ایسے ہی چھوڑ دیا گیا تو بہتر ہو گا کہ اس کی رہائی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی رہائی سے مشروط کر دی جائے۔ ویسے اب "انکل سام" کو کون سمجھائے کہ جناب! آپ نے بچاری عافیہ صدیقی کو محض بندوق کے فائر فوجی کو نہ لگنے پر بھی 86 سال کی سزا سنا دی ہے؟ کیا اب ہمارا اتنا حق بھی نہیں ہے کہ جس ریمنڈ ڈیوس نے پچاس فٹ کے فاصلے سے بہترین نشانہ بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دو افراد کو قتل کیا ہے اس کو بچاری عافیہ صدیقی سے آدھی سزا ہی سنا دی؟ جناب انصاف کا تقاضا تو یہی ہے ؟

خدا جانے یہ ہمیں موقعہ غلامی سے نکلنے کا ملا ہے یا پھر سے کوئی گھناؤنی سازش ہمارے ملک کے خلاف ہونے لگی ہے؟ ریمنڈ ڈیوس یقینی طور پر کسی خفیہ مہم پر تھا جب ہی تو سب اسکی جان بچانے کی فکر میں ہیں؟ اگر وہ اس قدر اہم نہ ہوتا تو شاید اتنا دباؤ اور شناخت چھپانے کی ضرورت نہ ہوتی یقیناً وہ "بلیک واٹر" یا "سی آئی اے" کا خفیہ کارندہ ہو گا تبھی تو اسطرح کی حرکات میں ملوث

واتنا ماہر نشانہ باز ہے۔ وہ بھی مان چکا ہے کہ وہ کنسلٹنٹ ہے تو اب اسکا سفارتی استثنٰی کیسا؟ سفارتی استثنٰی کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ آپ لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیں اور اسی بناء پر قانون کے دائرہ اختیار سے باہر بھی رہیں یہ تو انصاف کی توہین ہے جناب! ریمنڈ ڈیوس درحقیقت میں کون ہے اس بارے میں تو آنے والا وقت ہی بہتر طور پر فیصلہ کرلے گا۔ فی الحال تو معاملہ الجھ سا گیا ہے کہ ریمنڈ ڈیوس کی شناخت بھی متنازعہ ہو چکی ہے اور اس سے جو کچھ برآمد ہوا ہے وہ تو بہت ہی سنگین جرائم میں گردانا جائے گا۔ ویانا کنونشن پر ہمارے سپرپاور آقا نے بھی دستخط کئے ہوئے ہیں مگر انہوں نے ماضی میں پاپوانیو گنی کے سفیر کو بھی کوئی رعایت نہیں دی تھی جب ان سے ایک ٹریفک حادثے ہوا جس کے نتیجے میں دو افراد صرف زخمی ہوئے اور پانچ گاڑیوں کا نقصان ہوا تھا۔ لیکن انکو قانون کے مطابق گرفتار کرکے طویل عرصہ تک انکے خلاف مقدمہ چلایا گیا اور انہیں جیل میں ڈالے رکھا گیا تھا۔ ذرا سوچئے جب ہمارے سپرپاور آقا نے ایک چھوٹے سے جرم کی سزا اس قدر دی تھی تو کیا دو افراد کے قاتل کو کوئی سزا دینا غلط ہے کیا؟

میں نے پیار کیوں کیا

یوم تجدید محبت کے دن جب سب لوگ اپنی محبت کا اظہار مختلف طریقوں سے ادا کر رہے تھے تو مجھے پتا نہیں کیوں کچھ عجیب سی بے چینی سی ہو رہی تھی۔ میرا ذہن اس ستم گر کی یادوں میں کھو سا گیا جس سے میری ملاقات اسی یوم تجدید کے منائے جانے کے کچھ عرصہ بعد ہی ہوئی تھی اور اس کے آنے سے قبل ہی میری محبت کی داستان اپنے منطقی انجام کو پہنچ گئی ۔ میں اپنے بارے میں آپکو بتاتا چلوں کہ میرا نام فرہاد (فرضی نام) ہے ۔ میں ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہوں اور شاید اسی کی وجہ سے میں اپنی محبت کو حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہوں کہ آجکل دھن دولت ہی سب کچھ ہے یا پھر ہمیں دوسروں کے احساسات وجذبات کی فکر نہیں ہے محض اپنے مفادات کی خاطر دوسروں کی جانوں اور جذبات کو داؤ پر لگا دیتے ہیں خیر میں اپنی داستان شروع سے بیان کرتا ہوں کہ کیوں میں آجکل سب سے ناطہ توڑے بیٹھا ہوں اور سب لڑکیوں کو ہی نا قابل اعتبار سمجھنے لگا ہوں جو کہ فطری عمل ہے کوئی ہمارا بھروسہ توڑ دے تو کسی پر اعتماد کرنے کا دل نہیں کرتا ہے۔

محبت کے بارے آپ کو بتاتا چلوں کہ محبت ایک عجیب جذبہ ہے اور محبت کرنے والے لوگ عجیب تر ہوتے ہیں۔ محبت کو میں ایک ایسا پہاڑ سمجھتا ہوں جس کو سر

کرنا اگر ناممکن نہیں ہے تو ممکن کرنا بھی کسی معرکے سے کم نہیں ہے۔ محبت انسان کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔ محبت کے بل بوتے پر کسی سے بھی کچھ بھی کروایا جا سکتا ہے۔ اگر ہماری زندگیوں میں محبت کا جذبہ نہ ہو تو شاید زندگی کی بیشتر رعنائیاں ختم ہو جائیں ۔محبت کے بغیر زندگی بیکار ہے۔ جیسے مچھلی کا پانی کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا ہے اسی طرح سے محبت کے بغیر انسان زندگی نہیں گزار سکتا ہے۔ چاہے یہ محبت انسانوں سے ہو یا اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ سے ،ہماری زندگیوں کا لازمی جز محبت بن چکی ہے۔ میری محبت کی کہانی کا آغاز موبائل فون کی بدولت ہوا تھا میرے خیال میں ٹیلی فون کی ایجاد کے بعد اتنا نقصان لوگوں کو نہیں پہنچا ہو گا جتنا کہ اس موبائل فون کی وجہ سے لوگوں کو ہو رہا ہے۔ دوسروں کو بلاوجہ مس کالز / رانگ کالز اور کالیں کر کے تنگ کرنا ہمارے پاکستانی بھائیوں کی عادت سی بن گئی ہے۔ اور خوش قسمتی یا بدقسمتی سمجھ لیں اگر دوسری جانب کسی خاتون بولیں تو پھر اس وقت تک اس کی جان نہیں چھوٹتی ہے جب تک اس سے دوستی کی آفر کر کے اسے دوستی کرنے پر مجبور نہ کر دیں۔اور جب دوستی ہو جائے تو پھر اس کے گھر سے باہر ملنے کا کہتے ہیں بصورت دیگر اگر وہ ملنے سے انکار کر دے تو اس کو بلیک میل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اور اس تمام تر صورت حال سے وہ خاتون صرف اس وقت ہی چھٹکار کسی حد تک پاتی ہیں جب وہ اپنا موبائل نمبر تبدیل نہ کر لیں۔ ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ ان کی حرکتوں کی وجہ سے بہت سی معصوم لڑکیاں نہ صرف اپنے گھر

والوں بلکہ پوری خاندان میں بدنام ہو رہی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ صرف موبائل دوستی ومحبت کی وجہ لڑکے ہی ہیں یقیناً کچھ ایسی لڑکیاں بھی ہیں جن کو گھر والوں کی بے جا سختی، والدین کی محبت سے محرومی اور بُری صحبت کے شکار دوست بھی لڑکوں سے دوستی کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ مومنہ (فرضی نام) بھی انہی لڑکیوں میں شمار ہوتی تھی جو والدین سے بہت سی باتوں پر شاکی تھی۔ جس سے میری حادثاتی طور پر رانگ کال کے ذریعے سے بات چیت شروع ہوئی جو بعد ازاں دوستی کی شاہراہ سے ہوتے ہوئے محبت تک جا پہنچی۔ ہماری بات چیت روز ہونے لگی جس کی وجہ سے ہم روز بروز ایک دوسرے کے قریب سے قریب تر ہونے لگے اور ذہنی طور پر ایک دوسرے کو اچھی طرح سے سمجھ لینے کے بعد ہم نے فیصلہ کر لیا کہ ہمیں اب ایک ہو جانا چاہیے۔ میں چونکہ بہت جلدی دوسروں پر بھروسہ کرنے کا عادی ہوں اسلئے مومنہ پر اس قدر بھروسہ ضرور ہو گیا تھا کہ وہ میرے لئے اپنے گھر والوں کو راضی کر لے گی۔ اسی بناء پر میں نے اپنے گھر والوں کو اس کے گھر باقاعدہ رشتہ لینے کے لئے بھجوا دیا اور خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ وہ راضی ہو جائیں گے مگر مجھے علم نہ تھا کہ قدرت کچھ اور ہی میرے ساتھ کرنے والی ہے۔ انہی دنوں میں اسکے کسی قریبی رشتہ دار سے شادی کی بات نہ بن سکنے پر مبارک پور جیسے پسماندہ قصبہ سے اس کے لئے رشتہ آیا چونکہ وہ لوگ میرے سے زیادہ قدرے معاشی طور پر مستحکم تھے۔ میری معمولی نوکری اور اچھی تعلیم کی کوئی اہمیت تصور نہ کی گئی۔ اسکے والدین بالخصوص

والد صاحب نے ایسا فیصلہ کیا جس کی بنیاد دھن دولت پر مبنی تھی اسلئے مجھے انکار سننا پڑا جس کی مجھے کسی طور توقع نہ تھی کہ مومنہ نے اشارے کنائے میں اپنی والدہ سے اس بات کی خواہش جاننے کا اظہار کیا تھا کہ ماسوائے کچھ ظاہری دھن دولت کے میرے پاس سب کچھ ہے تو ہے اور شہری زندگی میں گزارا کرنا دیہات سے بہتر ہے اور شہر بھی وہ جس کی تمنا اس کو جانے کب سے تھی؟ مگر ہمیں اسلام کے اصولوں کے مطابق لڑکیوں کو اپنی پسند کا حق دینے میں پتا نہیں کون سی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے کہ زندگی جنھوں نے زندگی گزارنی ہوتی ہے انکی خوشی کا نہیں سوچتے ہیں۔ چاہے زور زبردستی اور ذاتی مفادات پر قائم ہونے والے رشتے جلدی ہی کیوں نہ ٹوٹ جائیں۔ ایسی مثالیں ہمارے ارد گرد بہت سی ہیں۔ انکار ہو جانے کے بعد بھی ہمارے بات چیت ہونے لگی مگر صورتحال کو اپنے حق میں کرنے کے لئے کسی قسم کے اقدام کا اس نے دل سے جواب نہیں دیا کہ لڑکیوں کو اپنی زندگی والدین کے فیصلوں پر گزارنے کا سکھایا جاتا ہے۔ اسلام کے اصولوں کے مطابق اپنا حق کے مطابق زندگی بسر کرنے پر مائل نہیں کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس نے مجھ سے آہستہ آہستہ دوری اختیار کرنے کا سوچا مگر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر بات کبھی کبھار کرنے بھی لگی اس دن بھی جس دن وہ" سجاد" نامی فوج کے نوجوان کے نام کر دی گئی؟ جس کی معاشی حالت مجھ سے بہتر تھی اسلئے وہ اسکے جیون ساتھی بن گئی؟ خدا کا کرنا دیکھئے کہ میرے گھرانے کو انکار کرنے کے بعد ہی محض دو ماہ بعد میری تنخواہ اور عہدہ اپنے

رقیب " سے بھی زیادہ عمدہ ہوگیا جس نے میرے گھر کی حالت زار بھی سدھار دی ہے" لیکن کمی ہے تو بس اُس ستم گر کی جس نے ساتھ نبھانے اور مرنے جانے کی بات کی مگر عملی طور پر کچھ نہ کیا؟ابھی کچھ روز قبل بھی اس نے مجھ سے بات چیت کرکے میری حالت زار کو پوچھا ہے۔ مگر بات زیادہ دیر نہ ہو پائی کہ دلوں میں بوجھ کافی تھا۔ بات کرتا بھی تو کیا کرتا کہ کہنے کو باقی کچھ رہ ہی کیا گیا ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ اگر بھرپور ساتھ دیتی تو شاید ہم ایک ہو جاتے مگر میں اس کے دل کی بات نہیں جانتا کہ اس نے محض اس بات کہ "والد صاحب کا دل وہاں ہے" کچھ اور نہیں بتایا اور نہ ہی مجھے اس بات کی خبر ہونے دی کہ میری شادی فلاں دن ہو رہی ہے؟کیا میں نے واقعی پیار کیا ہے اگر کیا ہے تو کیوں کیا ہے؟ اس شخص سے جس نے محبت کی لاج نہیں رکھی ؟جب ہم کسی کے ساتھ دیتے ہیں تو کیوں بیچ راہ میں چھوڑ دیتے ہیں کیا محبت کی جنگ لڑنا ہمارا فرض نہیں ہے ؟ہمارے ساتھ معاشرہ ایسا برتاؤ کیوں کرتا ہے کہ ہمیں پشیمان ہونا پڑے کہ ہم نے پیار کرکے غلطی کی ہے؟

محبت کا عالمی دن

محبت کا عالمی دن ہر سال 14 فروری کو بڑے زور و شور سے دنیا بھر میں منایا جاتا ہے۔پاکستان میں بھی نوجوان نسل اس روز اپنے احساسات و جذبات سے اپنے پیاروں کو مختلف انداز میں ظاہر کرتی ہے۔اگرچہ ایک اسلامی مملکت ہونے کے ناطے اس تہوار کے منانے کا کوئی مذہبی واخلاقی جواز تو ہمیں نہیں ہے مگر پھر بھی ہمارے کچھ نا سمجھ لوگ اسے بھی مذہبی فریضہ کی مانند ہر سال بڑے اہتمام کے ساتھ مناتے ہیں۔اور بعض اوقات اپنی حدوں سے بھی گزر جاتے ہیں جو کہ قابل مذمت عمل ہے مگر ہم اپنے جذبات کی رو میں کسی بات کی پروانہ کرنے کے عادی ہو چکے ہیں اسلئے ہم اچھائی ،برائی کی تمیز اپنی خوشی کی خاطر بھول جاتے ہیں۔

اس بات سے قطع نظر کہ اس کا آغاز کب ،کیسے ،کیوں ہوا؟ہمیں بحیثیت مسلمان اس دن سے لاتعلقی کا اظہار کرنا چاہیے۔یہ بات تسلیم کرنی چاہیے کہ آج کے دور میں جب ہمارے پاس معاشی بھاگ دوڑ کے بعد اپنے پیاروں (بالخصوص والدین، بہن ،بھائی) اور خاندان کے لوگوں کے پاس بیٹھنے کا وقت نہیں ملتا ہے تو اس روز ان سے مل ملاپ کر لیا جائے اور دلی کدورتیں دور کر لی جائیں تاکہ کچھ محبت کا بھرم رہ جائے اور احساس دلایا جائے کہ ہمارا بھی کوئی ہے کوئی

برائی کی بات نہیں ہے۔ اگرچہ محبت کے ایک دن ہونے پر مجھے بے حد اختلاف ہے مگر زندگی میں بعض اوقات سمجھوتہ کرنا ہی پڑتا ہے کہ ہر چیز انسان کے بس سے باہر ہے۔ ویسے بھی ہم بطور انسان کسی نہ کسی چیز سے تو محبت کرتے ہی ہیں نا؟ تو پھر اظہار کے دن پر اعتراض کیسا؟

محبت کے بارے آپ کو بتاتا چلوں کہ محبت ایک عجیب جذبہ ہے اور محبت کرنے والے لوگ عجیب تر ہوتے ہیں۔ محبت کو میں ایک ایسا پہاڑ سمجھتا ہوں جس کو سر کرنا اگر ناممکن نہیں ہے تو ممکن کرنا بھی کسی معرکے سے کم نہیں ہے۔ محبت انسان کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔ محبت کے بل بوتے پر کسی سے بھی کچھ بھی کروایا جاسکتا ہے۔ اگر ہماری زندگیوں میں محبت کا جذبہ نہ ہو تو شاید زندگی کی بیشتر رعنائیاں ختم ہو جائیں۔ محبت کے بغیر زندگی بیکار ہے۔ جیسے مچھلی کا پانی کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا ہے اسی طرح سے محبت کے بغیر انسان زندگی نہیں گزار سکتا ہے۔ چاہیے یہ محبت انسانوں سے ہو یا اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ سے ،ہماری زندگیوں کا لازمی جز محبت بن چکی ہے۔جب رسول ﷺ ہمیں اپنی زندگیوں سے بھی زیادہ عزیز تر ہے جس کے لئے جان تک قربان کرنے کے لئے ہم ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔اور اسی محبت کی بدولت ہم اللہ اور رسول ﷺ کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگیوں کو گزارتے ہیں اور شان رسالت میں گستاخی کرنے والے کا سر قلم کرتے ہیں اس سلسلے میں غازی علم دین شہید جیسے لوگوں کے واقعات

ہمارے لئے روشن مثال ہیں جنھوں نے اپنی جانیں حب رسول ﷺ میں لوٹا دیں۔
ہماری زندگیوں کے صحرا میں جب محبت کی بارش برستی ہے تو ہماری زندگیوں میں بہار سی آجاتی ہے۔ محبت ایسا جذبہ ہے جو مرتے ہوئے شخص کو بھی زندگی کی طرف لا سکتا ہے۔اگر آپ کسی سے محبت کرتے ہیں تو اس کے بھروسے پر مت رہیے ہو سکتا ہے اس کے پاس الفاظ حوصلہ اور الفاظ نہ ہو یا وہ اپنے آپ کو آپ کی محبت کا قابل نہ سمجھتا ہو اور آپ کسی چاہنے والے سے اس کی چاہت معلوم ہو جانے کے بعد بھی محبت کی شاہراہ پر اس کے ساتھ زندگی کا سفر نہ بسر کر سکیں۔اس لئے خود ہی کہیں دیجئے آپ اس کو پسند کرتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے اور آپ راہ ہی دیکھتے رہ جائیں ۔ایک بات ہمیشہ یاد رکھئے گا کہ ساتھ نبھانے کا ہر حال میں سوچیے گا۔ وگرنہ اس راہ پُر خار میں قدم رکھنے کا خیال بھی دل میں مت لائیے گا کہ کسی کا دل توڑنا اچھی بات نہیں ہے۔ محبت کا دن ضرور منائیں مگر اپنی حدود و قیود کا بھی خیال رکھیں کہ ہم ایک اسلامی معاشرے کے شہری ہیں ہمارے کھلے عام حرکات و سکنات سے کسی پر ہمارا غلط تاثر نہ ابھارے ۔ محبت ایک پاکیزہ جذبہ ہے اس کے تقدس کا بھی خیال رکھیں محبت کرنا اور نبھانا آسان کام نہیں ہے لہٰذا سوچ سمجھ کر محبت کیجئے گا کہیں آپ کی دل لگی آپکے کے دل کا "روگ" ہی نہ بن جائے۔ محبت سب سے کیجئے گا تب ہی آپ کو ہر جانب سے محبتیں نصیب ہو گی۔

یکم اپریل کے بے وقوف

ہر سال یکم اپریل کو اپریل فول کا دن پوری دنیا میں بڑے جوش و خروش سے منایا جاتا ہے جس میں مختلف طور طریقوں سے بے وقوف بنایا جاتا ہے لوگوں کو اور اس عمل پر مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے۔اپریل لاطینی زبان کے لفظ Aprilis یا Aprire سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب ہے پھولوں کا کھلنا، کونپلیں پھوٹنا۔ قدیم رومی قوم موسم بہار کی آمد پر شراب کے دیوتا کی پرستش کرتی اور اسے خوش کرنے کے لئے لوگ شراب پی کر اُوٹ پٹانگ حرکتیں کرنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لیتے۔ یہ جھوٹ رفتہ رفتہ اپریل فول کا ایک اہم حصہ بلکہ غالب حصہ بن گیا۔انسائیکوپیڈیا انٹرنیشنل کے مطابق مغربی ممالک میں یکم اپریل کو عملی مذاق کا دن قرار دیا جاتا ہے۔اس دن ہر طرح کی نازیبا حرکات کی چھوٹ ہوتی ہے اور جھوٹے مذاق کا سہارا لے کر لوگوں کو بے وقوف بنایا جاتا ہے ۔ بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ یہ فضول رسم بہت سے مسلم معاشرے کے اندر تیزی سے سرعت کرتی ہوئی اس کا لازم جز بن چکی ہے۔ مسلم معاشرے کے مسلمان اپنے ہی بہن بھائیوں کی تباہی و بربادی پر بھرپور خوشی کا اظہار ایک دوسرے کو بے وقوف بنا کرتے ہیں اور تکلیف میں مبتلا کرکے خوشی محسوس کرتے ہیں پتا نہیں ہم کیسے مسلمان ہیں اس طرح کے قبیح فعل میں ملوث ہو جاتے ہیں جو کسی طور اسلامی طور پر جائز نہیں ہے۔ہم

پاکستانی عوام تو پچھلی نصف صدی سے اپنے سیاسی لیڈران کے ہاتھوں بے وقوف بن رہے ہیں اور بچاری عوام کا کوئی پرسان حال نہیں ہے جو بار بار سیاسی رہنماؤں کے ہاتھوں انکے مفاد پورے کرنے لئے بے وقوف بنتی رہتی ہے۔

اپریل فول کا اصل واقعہ یہ ہے کہ جب عیسائی افواج نے اسپین کو فتح کیا تو اس کا جشن اس انداز سے منایا گیا تھا کہ فاتح افواج کے گھوڑے جب گلیوں سے گزرتے تھے تو انکی ٹانگیں گھٹنوں تک مسلمانوں کے خون میں ڈوبی ہوتی تھیں۔فاتح فوج کو جب یہ یقین ہو گیا کہ اب اسپین میں کوئی مسلمان زندہ نہیں بچا ہے تو انہوں نے گرفتار مسلمان فرمان روا کو یہ موقع دیا کہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ واپس مراکش چلا جائے، جہاں سے اس کے آباؤاجداد آئے تھے۔ فاتح فوج نے غرناطہ سے کوئی بیس کلو میٹر دور ایک پہاڑی پر اسے چھوڑ کر واپس چلی گئی۔جب عیسائی فاتح افواج مسلمان حکمرانوں کو اپنے ملک سے بے دخل کر چکی تو کسی بھی مسلمان کو زندہ رہنے کا حق اسپین میں نہیں دیا گیا جس کی وجہ سے بہت سے مسلمان دوسرے علاقوں میں رہائش پذیر اور بعض نے اپنے عیسائی نام رکھ لئے۔جس کی وجہ سے اسپین میں کھلے عام مسلمان کی شناخت مشکل ہو گئی مگر پھر بھی عیسائیوں کو یقین تھا کہ سارے مسلمان قتل نہیں ہوئے بہت سے شناخت چھپا کر زندہ ہیں۔لہذا اب ان مسلمانوں کو باہر نکالنے کی تراکیب سوچی گئی اور پورے ملک میں اعلان کر دیا گیا کہ یکم اپریل کو تمام مسلمان

غرناطہ میں اکھٹے ہو جائیں تاکہ انہیں ان ممالک جہاں وہ جانا چاہتے ہیں بھیج دیا جائے۔ اس وقت کسی قدر حالات میں بہتری کی صورتحال ملک میں تھی اسی وجہ سے مسلمانوں کو خود کو ظاہر کرنے میں کوئی خوف محسوس نہ ہوا۔الحمراء کے نزدیک بڑے بڑے میدانوں میں خیمے نصب، جہاز بندرگاہ پر لنگر انداز اور پورے مارچ میں اعلانات ہوتے رہے کہ مسلمانوں کو اب کچھ نہیں کہا جائے گا۔ جب مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ اب ہمارے ساتھ کچھ نہیں ہوگا تو وہ سب غرناطہ میں اکھٹے ہو گئے۔ حکومت کی طرف سے ان سب کی بڑی خاطر مدارت ہوئی۔ یہ کوئی پانچ سو برس پہلے، یکم اپریل کا دن تھا جب تمام مسلمانوں کو بحری جہاز میں بٹھایا گیا اگرچہ مسلمانوں کو اپنا وطن چھوڑتے ہوئے دکھ درد ہو رہا تھا مگر اطمینان تھا کہ چلو جان بچی سو لاکھوں پائے کے مترادف مگر انہیں خبر نہ تھی کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ دوسری طرف عیسائی حکمران اپنے محلوں میں جشن منانے لگے۔ فاتح فوج کے جرنیلوں نے مسلمانوں کو الوادع کیا اور جہاز وہاں سے چل دیئے جس میں کئی مریض، خواتین اور بوڑھے، بچوں، جوان سب شامل تھے۔ جب جہاز سمندر کے عین وسط میں پہنچا تو پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت انہیں گہرے پانی میں ڈبو دیا گیا یوں وہ تمام مسلمان جو سوار تھے سمندر میں ابدی نیند سو گئے۔اس کے بعد اسپین میں اسکا بھرپور جشن منایا گیا کہ ہم نے کس طرح سے اپنے دشمنوں کو بے وقوف بنایا۔ پھر یہ دن اسپین کی سرحدوں سے نکل کر پورے یورپ میں فتح کا عظیم دن بن گیا اور اسے انگریزی میں First April

کا نام دیا گیا یعنی" یکم اپریل کے بے وقوف " آج بھی عیسائی دنیا اس دن کی یاد Fool
بڑے اہتمام سے مناتی ہے اور لوگوں کو جھوٹ بول کر بے وقوف بنایا جاتا ہے۔ بحیثیت
مسلمان ہمیں جھوٹ سے دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ وہ فعل ہے جس کی وجہ سے
بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ ایک سچ کو چھپانے کے لئے کئی جھوٹ بولے جاتے ہیں
مگر پھر بھی سچ کو نہیں چھپایا جا سکتا ہے لہذا دانشمندی کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم خود بھی اور
دوسروں کو بھی جھوٹ بولنے سے روکیں تاکہ بعد ازاں سچ کے سامنے آنے پر ہمیں
ندامت سے شرمسار نہ ہونا پڑے۔ ویسے ہی جس طرح سے یکم اپریل کے دن بے وقوف
بننے والے لوگوں کو شرمساری اٹھانی پڑتی ہے۔

نروس ایگزام سٹریس

ہم میں سے اکثر لوگ کسی نہ کسی خوف میں مبتلا ہیں کسی کو عمدہ تعلیمی قابلیت ہونے کے باوجود اچھی ملازمت کے نہ ملنے کا خوف ہے تو کسی کو اپنی خامیوں کیوجہ سے ملازمت چھن جانے کا ڈر ہے۔ کہیں والدین کو لڑکیوں کی شادیوں کا خوف لاحق ہے اور کہیں بچوں کے بڑھاپے میں آسرا نہ بننے کا خوف ہے۔ کہیں اپنے پیاروں کے چھن جانے اور محبت سے محرومی کا خوف ہے۔جناب یہی خوف ہی ہے جو ہمیں دنیا میں اچھی صلاحیتیں رکھنے کے باوجود بھی آگے بڑھنے سے روکتا ہے جس کی وجہ سے ہم میں سے بہت سے لوگوں کے خواب بس خواب ہی رہ جاتے ہیں۔ہم پھر باقی ماندہ زندگی اسی خوف کی وجہ سے پچھتاوے میں گزار دیتے ہیں کہ کاش ایسا کر لیتے تو آج ہم بہتر زندگی گزار رہ ہوتے۔جب ہمارے پاس وقت ہوتا ہے کچھ کرنے اور پانے کا موقعہ ضائع کر دیتے ہیں اور بعد ازں افسوس کرتے ہیں۔افسوس تو سب سے زیادہ وہ تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم کرتے ہیں جو سارا سال امتحانات کی تیاری کرتے ہیں مگر جب امتحانات سر پر آتے ہیں تو بھی وہ مطمئن نہیں ہوتے اپنی تیاری کے حوالے سے اور امتحانات کے اچھے نہ ہونے کے خوف میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو بعض اوقات امتحانات میں فیل ہونے کی ایک بڑی وجہ بھی بن جاتی ہے۔ جس کی بنیادی وجہ اپنی ذات پر اعتماد کی کمی اور بہترین نتائج کے حصول کا جنون ہے۔ طالب

علموں میں امتحان کے دوران لکھنے کے خوف پر ہونے والی نئی طبّی تحقیق کے مطابق اس خوف کے بارے میں 10 منٹ تک لکھنے سے پرچے پر لکھنے کے خوف سے نجات دے سکتا ہے۔ اس خوف کی وجہ سے دنیا بھر میں ہزاروں لوگ لکھنے کی استعداد کار کھو بیٹھتے ہیں۔ امریکی ماہرین نے اس خوف کو "نروس ایگزام سٹریس" کا نام دیا ہے۔ ماہرین نے کہا ہے کہ اس تکنیک سے وہ لوگ بھی استفادہ کر سکتے ہیں جو ملازمت کے لئے انٹرویو، کسی وفد یا گروہ کو بریفنگ دینے یا پھر لوگوں کے سامنے تقریر کرنے سے گھبراتے ہوں۔ یونیورسٹی آف شکاگو میں تحقیق مکمل کرنے والے ڈاکٹر سیان بیائی لوک نے مزید کہا کہ اس تکنیک سے اپنی کسی بھی صلاحیت یا کارکردگی کو بڑھایا جا سکتا ہے۔ ماہرین نے دیکھا کہ اپنی پریشانیوں، خوف، نا اہلی اور سستی کو لکھنے سے ان کی وجوہات بھی سامنے آنے لگتی ہیں۔ اور یوں خوف زدہ لوگوں کا اعتماد میں بدلنے لگتا ہے اور جب اعتماد بڑھنے لگتا ہے تو اس کام میں دلچسپی بڑھنے لگتی ہے۔ گو کہ یہ مشکل اور محنت طلب کام ہے مگر جب اس میں مزہ آنے لگتا ہے تو پھر محنت سے تھکاوٹ پیدا ہونے کی بجائے راحت ملنے لگتی ہے۔ اس تحقیق میں کالج کے 20 طالب علموں پر تجربات مکمل کئے گئے۔ آپ سے بھی گزارش ہے کہ اگر آپ بھی اس خوف میں مبتلا ہیں تو آج ہی اس سے چھٹکارہ پایئے اور کامیابی کی شاہراہ پر گامزن ہو جایئے۔ یاد رکھئے انسان

خود اپنی راہ میں خود کوئی رکاوٹ نہ بنے تو کوئی بھی طاقت اُسے کامیاب انسانوں کی فہرست میں شامل ہونے سے نہیں روک سکتی ہے مگر اسکے لئے کوشش اور محنت شرط اولین ہے۔

خود فراموشی

بھارت میں ایک قدیم کہانی بہت مقبول ہے۔ کہانی کچھ یوں ہے کہ دس اندھے آدمی سفر پر نکلتے ہیں۔ انہیں ایک سے دوسرے گاؤں جانا ہے اور درمیان میں ایک ندی بہتی ہے۔ ندی گہری نہیں ہے لیکن پانی کا بہاؤ اس قدر تیز ہے کہ دور ہی سے اس کی سانپ جیسی پھنکار واضح طور پر سنائی دیتی ہے۔ تمام اندھے ایک دوسرے کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر ندی میں اترتے ہیں اور انتہائی احتیاط سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے کامیابی سے دوسری طرف جانکلتے ہیں۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر ایک اندھا کہتا ہے۔

"ٹھہرؤ ہم اپنی گنتی کرلیں پانی کا بہاؤ خطرناک حد تک تیز تھا' کہیں ہمارا کوئی ساتھی پاؤں اکھڑ جانے کے سبب منہ زور ریلوں ہی میں نہ بہہ گیا ہو" ۔ایک دو آوازیں اس کی تائید میں بلند ہوتی ہیں اور گنتی کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔ پہلے گنتی کا مشورہ دینے والا خود گنتی کرتا ہے' بعد میں دوسرا اور تیسرا۔ لیکن ہر بار ان کی پریشانی بڑھتی ہی جاتی ہے کیونکہ گنتی دس تک پہنچنے سے پہلے ہی نو پر رک جاتی ہے, جبکہ گاؤں سے چلتے وقت اندھوں کی مجموعی تعداد دس تھی۔ اس پر انہیں یقین ہوگیا کہ ایک اندھا ندی پار کرتے ہوئے پانی کے

تند ریلوں میں بہہ گیا ہے۔ اب انہیں سفر کی ہوش کہاں رہتی ' وہیں کہاں رہتی ' وہیں کنارے پر بیٹھ گئے اور لگے آہ زاری کرنے۔

کچھ ہی دور ایک آدمی کافی دیر سے اندھوں کی حرکات و سکنات کا مشاہدہ کر رہا تھا اور چہرے کے تاثرات سے لگتا تھا کہ بار بار چھوٹتے ہنسی کے فواروں کو بہت مشکل سے ضبط کرنے کی کوشش میں ہے۔ جب اندھوں کا رونا پیٹنا عروج پر پہنچ گیا تو وہ ان کے پاس آیا اور پوچھنے لگا: "آخر بات کیا ہے؟ کیوں رو رہے ہو"

"ندی کے ظالم پانی کی تیزی ہمارا ایک دوست کھا گئی ہے' ہائے' اس کی بجائے میں بہہ گیا ہوتا" ایک اندھے نے کہا اور بعد میں دیگر تفصیل بھی بیان کی' تو نووارد نے ایک بار پھر بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کی اور بولا: "گھبرانے کی کوئی بات نہیں' تمہارا دوست لوٹ آئے گا۔ تم سب قطار بنا لو' اب تمہاری گنتی میں کروں گا۔ طریقہ یہ ہوگا کہ قطار میں جو سب سے پہلے بیٹھا ہوگا میں اس کے سر اپنا جوتا ایک بار ماروں گا اور وہ زور سے چلا کر کہے گا: ایک۔ دوسرے کو دو جوتے پڑیں گے اور وہ باآواز بلند "دو" پکارے گا، اسی طرح تیسرا اندھا تین جوتے برداشت کرکے "تین" کی صدا دے گا اور یہ سلسلہ یونہی آگے بڑھتا رہے گا"۔

مزے کی بات یہ ہے کہ جوتے مارنے والا گنتی کو دس تک لے جانے میں کامیاب ہوگیا کیونکہ وہ دور کھڑا دیکھ رہا تھا کہ جو اندھا بھی گنتی شروع کرتا ہے وہ اپنے آپ کو شمار ہی نہیں کرتا۔ لہٰذا ہر بار گنتی نو پر رک جاتی تھی۔ اندھوں نے اپنا دسواں ساتھی مل جانے کی خوشی میں جوتے مارنے والے کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کیا انہوں نے اس کے پاؤں چھوئے اور کہا کہ آپ ہمارے لئے "پرماتما" کے برابر ہیں۔، ہم سب کو پورا یقین ہے کہ ہمارا ایک ساتھی گم ہوگیا تھا۔ کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ 'گمشدہ اندھا اچانک کیسے ظاہر ہوگیا'۔

وہ آدمی بولا" یہ ایک خفیہ راز ہے جو تم کبھی بھی نہیں جان سکتے لہٰذا اپنی راہ لو اور میرا دماغ چاٹنے سے باز رہو۔" اندھوں نے کہا" جو حکم سرکار"اور دوبارہ پاؤں چھوکر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔

اس کہانی میں اندھوں کی گنتی پوری کرنے والے آدمی نے جس" خفیہ راز" کا ذکر کیا ہے، وہ ہے "اپنے آپ کو بھول جانا" ۔یہ انسان کی پرانی عادت ہے بلکہ یہ کہا جائے کہ بھولنا انسانی فطرت میں شامل ہے تو کچھ غلط نہ ہوگا۔ اکثر اوقات ہم پوری زندگی ہی خود فراموشی میں ضائع کردیتے ہیں جس کی وجہ حقائق

سے دور رہنا اور سچائی کا سامنا نہ کرنا بھی ہے۔ خود فراموش ہونا ہماری زندگیوں میں رچ بس چکا ہے جس کی بہت سی وجوہات ہیں اور ہر انسان کے پاس اس کی اپنے دلائل ہوتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان سب کچھ جانتا ہے، ہر چیز کا مشاہدہ کرتا ہے لیکن پھر بھی بعض اوقات اپنی ذات تک اس کی نظر نہیں جاتی ہے۔ حضرت انسان دوسروں کو سمجھانے کی کوششیں تو بہت کرتا ہے مگر اپنی ذاتی اصلاح کی جانب کوئی توجہ نہیں دیتا ہے۔ ہمارے معاشرے کا بھی یہ المیہ ہے کہ ہم لوگ دوسروں کی خامیوں کی جانب زیادہ توجہ دیتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس بارے میں آگاہ کرنا اپنا بنیادی فرض سمجھتے ہیں مگر اپنے اندر موجود خامیوں کو دور کرنے کی سعی نہیں کرتے ہیں جس کی وجہ سے حالات جوں کے توں ہی رہتے ہیں۔ ہمارے پاکستانی معاشرے کے لوگ سیاست دانوں کے کردار پر تو انگلیاں اُٹھاتے ہیں مگر یہ بات بھول جاتے ہیں کہ وہ انہی کے ووٹوں کی بدولت اقتدار کے مزے لوٹتے ہیں انہی کے ٹیکسوں کی رقوم سے عیاشی کرتے ہیں اور بنیادی ضرورت زندگی سے بھی انکو محروم کرتے ہیں۔ مگر ہم لوگ سب کچھ جان بوجھ کر بھی انہی کو اپنی تقدیر کا مالک بنالیتے ہیں اور قصور وار بھی اپنے آپ کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ سیاستدانوں کے دامن میں ہر چیز ڈالتے ہیں کہ یہ تو انکا ذاتی فعل ہے۔ ہر انسان اگر اپنی ذات پر توجہ دے دے تو بہت سے مسائل اس کے حل ہو سکتے ہیں مگر آج کے تیز ترقی یافتہ دور میں حضرت انسان کے پاس نہ تو اپنے لئے وقت ہے اور نہ ہی کسی اپنے عزیز واقارب کے لئے 'جس کی

بناء پر اصلاح ممکن نہیں ہو سکتی ہے حالانکہ اگر اپنی اصلاح کر دی جائے تو معاشرے سے بہت سی برائیوں کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ محض دوسروں کیطرف انگلیاں اُٹھانے سے تبدیلی ممکن نہیں ہو سکتی ہے۔ دوسرے ہی صرف معاشرے میں شامل نہیں ہیں ہماری اپنی ذاتی ذات بھی اس میں حصہ دار ہے جب تک ہم اپنے آپ کو بھولتے رہیں گے ہمارا کوئی بھی مسئلہ حل نہیں ہو پائے گا۔ اس لئے ہمیں اپنی خود فراموشی کی عادت سے چھٹکارہ پانا ہوگا تاکہ ہمیں خوشیاں حاصل ہو سکیں ضروری نہیں کہ اُن اندھوں کی طرح ہماری زندگی میں بھی کوئی آئے اور ہمیں سیدھی راہ کی جانب گامزن کرے۔ دوسروں کو خوشیاں اور مدد فراہم کرتے وقت اپنی ذات کو بھی سوچنا چاہیے کہ ہمیں بھی خوش ہونا ہے وگرنہ ہم ساری زندگی بہت سی چیزوں سے محرومی کی کسک ہی محسوس کرتے رہیں گے؟

ریمنڈ ڈیوس کی واپسی

اس سال جنوری کے آخری ہفتے میں " سپر پاور ملک " کے شہری ریمنڈ ڈیوس نے لاہور میں دن دھاڑے دو افراد کو جان سے مار دیا تھا اور اسکو بچانے والی گاڑی نے ایک معصوم شخص کو ٹکر مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ حضرت ریمنڈ ڈیوس کو واقعہ کے رونما ہونے کے بعد پنجاب پولیس نے اپنی حراست میں لے لیا اور پوچھ گچھ شروع کر دی۔ قانون کے مطابق اس کے خلاف قانونی کاروائی کا آغاز تو کر دیا گیا مگر اس کے سفارتی استثنٰی کے معاملے ، گمنام شناخت اور اُس سے برآمد ہونے والی اشیاء نے اس ریمنڈ ڈیوس کو مزید پر اسرار بنا دیا تھا۔ اگرچہ ریمنڈ ڈیوس یہ بات ثابت نہیں کر سکا کہ اس نے اپنے دفاع کرتے ہوئے دو افراد کو جان سے مارا ہے مگر پھر بھی اسکا ملک اس کی باآسانی وطن واپسی چاہ رہا تھا۔ شروع میں متنازعہ بیانات جاری کرکے اس کے ملک ہی نے اسکی باعزت واپسی کو بہت مشکل بنا دیا تھا۔ اس کو شروع میں ہمارے ناعاقبت اندیش چاہتے ہوئے بھی چھوڑ نہیں پا رہے ہیں کہ اسکا "جرم " کوئی معمولی حیثیت کا حامل نہیں ہے کہ یوں آسانی سے چھوڑ دیا جائے۔ اگرچہ واقعے کے چند روز تک امید تھی کہ ہمارے حکمران دباؤ میں آکر اسے چھوڑ دیں گے مگر ایسا نہیں ہوا کیونکہ اس کی رہائی کے لئے کچھ مطالبات جو "سپر پاور آقا" سے جو منوانے تھے پورے نہیں ہوئے تھے اور دیت کے بدلے رہائی کے عوض

اپنی خود داری اور عزت کا بیچنے کا سودا نہیں ہوا تھا کہ فریقین میں کوئی معاملہ طے نہیں پا رہا تھا آخر کار ایک معزز شخصیت کے ذریعے معاملات طے کر لئے گئے اور مرنے والوں کے رشتہ داروں کو "دولت کی چمک" دکھا کر اس کو امریکہ کی راہ دکھا دی کہ ہمارے نزدیک یہ دولت سب سے اہم ہے۔

ریمنڈ ڈیوس کو دیت کے بدلے رہائی دے دی گئی جو کہ مرنے والوں کے ورثاء نے حاصل کی اور اس کے بعد بدنامی کے خوف سے یا حفاظتی نقطہ نظر سے روپوش ہو گئے ۔جس کی وجہ سے بہت سی باتیں گردش کرنے لگیں لیکن افسوس کی بات ہے کہ اس معاملے میں اسلامی قانون کو محض مطلب کی خاطر استعمال کیا گیا ہے۔ اگرچہ بہت قیاس آرائیاں پہلے سے کی جا رہی تھیں کہ اس کو چھوڑ دیا جائے گا مگر یوں دیت دے کر رہائی دینا تو بہت سے لوگوں کے شاید وہم و گمان میں بھی نہ تھا؟ مگر کیا کریں جناب ہم پاکستانی تو چور راستہ تلاش کرنے میں ماہر ہو چکے ہیں۔ ہمارے ناعاقبت اندیش حکمرانوں اور دفاع پر معمور حفاظتی اداروں نے بہت سے تحفظات تسلیم کروانے کے بعد "سپر پاور ملک" کو اسکا شہری واپس کر دیا جس کا جشن ڈرون حملے میں پچاس افراد کو ہلاک کر کیا گیا تھا جو کہ اس کی روانگی کے چند گھنٹوں بعد ہی ہو گیا تھا۔ مگر بچاری عافیہ صدیقی کو واپس لانے میں کچھ خاص اقدامات ہمارے محب وطن لوگ نہیں کر رہے ہیں حالانکہ وہ بچاری ملک کی عزت کی خاطر بہت کچھ سہہ چکی ہے۔ اب "انکل سام" کو کون سمجھائے

کہ جناب آپ نے بچاری عافیہ صدیقی کو محض بندوق کے فائر فوجی کو نہ لگنے پر بھی 86 سال کی سزا سنادی ہے؟اور اپنے ایک بندے کو چار افراد کی ہلاکت میں ملوث ہو جانے کے باجود رہا کروا کر کس بات کا ثبوت دیا ہے ؟کیا سپر پاور ملک کو اسطرح کے اقدامات زیب دیتے ہیں؟ دیت کے عوض رہائی نے سفارتی استثنیٰ کے معاملے کا بھی پول کھول کر "سپر پاور ملک " کی ساکھ کو کسی قدر متاثر کیا مگر اس کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی ہے۔سب کی سوچ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا مگر اتنا بھی کافی ہے کہ سپر پاور ملک کا باشندہ ہماری حراست میں اتنے دن گزار کر گیا ہے اب کوئی ایسی حماقت نہیں کرے گا۔اس کی وجہ سے ہمارے دفاعی ادارے اب مزید بہتر اقدمات کریں گے تاکہ ایسے گھناؤنے فعل پھر سے نہ ہو سکیں۔

بہت عرصہ قبل ایک امریکی وکیل نے ہمارے بارے میں سنہری قول ارشاد فرمایا تھا کہ یہ ڈالر کے عوض ماں بھی بیچ سکتے ہیں" اور اس کی بات سچ ہو چکی ہے کہ تین بچوں کی" ماں ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو اسکے اپنے ہی وطن کے لوگوں نے بیچ ڈالا کہ کچھ جیب ہی گرم ہو جائے کہ عزت تو مشکل سے حاصل ہوتی ہے دولت کمانا تو آسان کام ہے؟ویسے بھی "انکل سام" نے جو کچھ ہمارے ساتھ پچھلے برسوں میں دوستی میں کیا ہے وہ تو دشمنوں جیسا سلوک کیا ہے کہ اتنا ساتھ دیا پھر بھی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے۔اس سے تو اچھا ہے کہ ہم ایک حد میں رہ

کر اپنی ترجیحات کو دیکھیں یہ کسی ملک کی غلامی سے اچھا ہو گا۔ نیز ہماری عدالتوں کے منصبوں کو بھی چاہیے کہ آزادی سے اپنے فیصلے کریں کیونکہ ریمنڈ ڈیوس کے معاملے میں عدالت کے جج نے کسی قدر اہم معاملے میں کوتاہی کا مظاہرہ کیا ہے یا دباؤ میں فیصلہ جلدی میں دیا ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ جو بھی جرم کرے اگر ثابت ہو جائے تو قرار واقعی سزا ملے ؟ محض کسی کے دباؤ یا اونچے عہدے کی پروانہ کی جائے اگر قانون پر عمل ہی نہیں کرنا ہے تو اسکے بنانے اور عمل درآمد کروانے کی تگ ودود کیسی ؟ بہرحال ریمنڈ ڈیوس کی واپسی نے ہمارے کرتا دھرتاؤ ں کو بے نقاب کر دیا ہے اب قوم پر ہے کہ وہ مستقبل کے لئے اپنے لئے کیا راہ اختیار کرتی ہے؟

کالا بازار

"جہاں روٹی مزدور کی تنخواہ سے مہنگی ہو جائے ،وہاں دو چیزیں سستی ہو جاتی ہیں ایک عورت کی عزت اور دوسری مرد کی غیرت" (صلاح الدین ایوبی)

شاید اسی وجہ سے غربت اور افلاس انسان سے جانے کیا کیا کرا دیتی ہے۔دو وقت کی روٹی اور رہنے کا چھت کا آسرا بعض اوقات معاشرے کی ٹھکرائی ہوئی ، محبت کی ماری اور ظلم وستم کا شکار ہوئی عورتوں کو بازار حسن میں بار بار بِکنے کے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔اور یہ بے بس عورتیں محض چند روپوں کی خاطر اپنی مجبوریوں کے باعث عصمتوں کے سودے کرنے کو تیار ہو جاتی ہیں۔بعض اوقات یہ اقدام انکو مجبور کر دینے کے باعث بھی اُٹھانا پڑ جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ مردوں کا معاشرہ ہے جہاں ہر مرضی انکی ہی چلتی ہے۔عورت سے دل بہلایا جاتا ہے کہ کھلونے سے زیادہ اہمیت جو نہیں دی جاتی ہے کہ جب جی چاہا کھیل لیا اور جب چاہا توڑ دیا۔اسی وجہ سے مایوس ہو کر حساس طبیعت رکھنے کے سبب جلدی ہاری میں وہ اپنا کچھ بازار حسن میں رات کے اندھیرے میں لوٹا دیتی ہیں۔

بقول ساغر لدھیانوی

عورت نے جنم دیا مردوں کو

مردوں نے اسے بازار دیا

پاکستان میں بہت سی نوجوان خواتین نا چاہتے ہوئے بھی اس بازار کا حصہ ہیں اور انکی مجبوری کے خریدار بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ بعض چونکہ وہیں جنم لیتی ہیں تو انکے پاس راہ فرار کا کوئی راستہ نہیں ہوتا ہے۔اور اگر کوئی اس کالے بازار سے راہ فرار کی کوشش کرے بھی تو یا تو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے یا پھر عمر بھر کی قید تنہائی اسکا مقدر بن جاتی ہے یا پھر دوسرے کے لئے اسکی مثال عبرت کا نشان بن جاتی ہے۔اسی وجہ سے رات کے اندھیرے میں لگنے والے کالے بازار (بازار حسن) کی رونق قائم ودائم ہے۔گھر سے دور رہنے والوں کی ضرورت کو پورا کرنے کی غرض سے قائم ہونے والے بازار حسن ہر معاشرے کا حصہ ہیں۔ اگرچہ پاکستان میں اسطرح کھلے عام یہ بازار تو نہیں چل رہے ہیں مگر لاہور میں ہیرا منڈی اور کراچی میں ایک مشہور روڈ پر قائم بازار حسن کی شہرت ملک سے باہر تک ہے۔اگرچہ اسطرح کے بُرے کاموں میں ملوث ہونے کا اسلامی تعلیمات سے کچھ تعلق نہیں ہے اور نہ ہی ایسے کاروبار کی آمدنی حلال کے زمرے میں آتی ہے مگر قانون کے رکھوالوں کے دم سے آج بھی یہ گھناؤ نا کاروبار چل رہا ہے بلکہ کچھ تو قانون کی سرپرستی میں بھی چلتے ہیں کہ قانون کے ہاتھ تو لمبے ہوتے ہیں نا؟

بقول بازار حسن کی ایک خاتون کہ " میں کالج کے بعد جاب کے لئے گئی تو جاب نہیں ملی چند ہزار روپے کی نوکری کی خاطر دربدر کی ٹھوکریں کھانی پڑیں مگر جب شادی کے بعد، خاوند کے کام کاج کے قابل نہ رہنے کے سبب نوکری تلاش کرنی چاہی تو سب کو اپنی ہوس کے عوض نوکری دینے کی خواہش تھی بالآخر محض اپنے مطلب کو پورا کرنے کے عوض جب کسی نے پانچ سو روپے دے دیئے تو میں نے شوہر کی بیماری اور گھریلو حالات کی بناء پر اسی بازار سے اپنی زندگی جوڑ لی کہ لوگ اپنے مطلب کی خاطر تو بڑی بڑی رقوم خرچ کر دیتے ہیں مگر کسی حق دار کی جائز طریقہ کار سے مدد نہیں کرتے ہیں اور ملازمت کہاں آسانی سے ہاتھ آتی ہے اور سوچا ہے کہ جب اتنے پیسے ہو گئے کہ اپنا مکان بنا سکوں تو یہ کام چھوڑ دوں گی"۔

بازار حسن میں بیشتر خواتین ایسی آتی ہیں جن کو انکے شوہر بچوں سمیت طلاق دے کر گھر سے باہر نکال دیتے ہیں اور واپسی کا کوئی راستہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس بازار کا رخ اختیار کر لیتی ہیں کہ ایسی خواتین کو بہت کم گھر والے قبول کرتے ہیں اور بالخصوص اپنی پسند سے شادی کرنے والے خواتین تادیر نبھا قائم نہ رہنے کی وجہ سے یا محبت کی راہ میں مطلب پورا ہو جانے کے بعد چھوڑے جانے کے بعد انکا ٹھکانہ یہی بازار حسن بن جاتا ہے یا وہ یہاں کسی نہ

کسی طور پہنچا دی جاتی ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کالے بازار کا حصہ بن جاتی ہیں۔ کیونکہ انکا مقدر جو سیاہ ہو چکا ہوتا ہے اسی وجہ سے وہ اپنی زندگی میں اپنی خوشی کو مار کر جیتے جی زندہ لاش بن کر اپنی زندگی کو پورا کرتی ہیں۔ کیونکہ یہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ طلاق یافتہ خواتین سے بہت کم لوگ ہی شریک سفر کے طور پر زندگی بھر ساتھ نبھاتے ہیں؟

مردوں کے اس سفاکانہ معاشرے میں عورت مختلف ناموں سے بکتی رہتی ہے۔ تاہم یہ کالے بازار تو انسانیت کے کھلا چیلنج ہیں۔ یہاں نہ جانے کتنی لاچار، بے بس اور مجبور عورتوں کی عصمت کھلے بندوں ثناء خواں تقدیس مشرق کا مذاق اڑاتی نظر آتی ہیں؟ ہے کوئی جو معاشرے کے اس رستے ہوئے ناسور کا علاج کر کے ورنہ حوا کی بیٹی جانے کب تک یوں ہی سربازار بکتی رہے گی اور یہ بازار حسن یوں ہی بدنما داغ کی صورت ہماری اخلاقیات پر تازیانے لگاتی رہیں گے؟

امریکہ، اُسامہ بن لادن اور پاکستان

بالآخر برسوں کی تلاش کے بعد القاعدہ کے مطلوب ترین رہنما اسامہ بن لادن کو امریکی کمانڈوز نے پاکستان میں داخلی خودمختاری کو روندتے ہوئے ایبٹ آباد شہر میں جہاں ملٹری اکیڈمی کا کول واقع ہے اسے رات کی تاریکی میں ہلاک کر دیا گیا ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ چند لوگ بھی اس آپریشن کے بعد سے لاپتہ ہیں جو کہ انہونی بات نہیں ہے کیوں کہ ہمارے ہاں لوگ تو روز ہی لاپتہ ہوتے رہتے ہیں بس وجوہات بدلتی رہتی ہیں۔ کسی قسم کی جوابی کاروائی نہ ہونے کے سبب آپریشن جلدی ختم ہو گیا اور اسامہ بن لادن کا خوف بھی امریکہ بہادر کے سر سے اتر گیا ہے پتا نہیں اب مستقبل میں کس کے خوف میں مبتلا ہو جائے کہ اپنی گرفت میں تو لے کر انکے وسائل پر قابض ہونا تو اسکا مطمع نظر بن چکا ہے چاہے عراق ہو یا افغانستان کا معاملہ ہو، بہرحال ہمارے لئے اب مزید آزمائش کے امتحانات شروع ہو گئے ہیں کہ ہم کافی عرصہ سے اسامہ بن لادن کی پاکستان میں موجودگی سے یکسر انکاری تھے اور ہمیں اب اُسکے بارے میں جوابدہی دینی پڑے گی۔ ہمارے لئے یہ آپریشن اس لئے بھی باعث شرمساری ہے کہ سپرپاور ملک "امریکہ" نے ہماری سرزمین پر اس اقدام کے لئے اجازت لینی بھی گوارہ نہیں کی اور ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنا مقصد پورا کر کے ایسے واپس چلا گیا جیسے کچھ ہوا

بھی نہ ہو۔ ہمارے ملک کی فوج اور آئی ایس آئی میں موجود محب وطن اشخاص بھی اس سلسلے میں کوئی خاص کاروائی نہ کرسکے جو کہ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ دوسرے ملک کے کمانڈوز ہمارے ملک میں آئے اور اسامہ بن لادن جیسے مطلوب شخص کو ہلاک کرکے چل دیئے اور ہم سوچتے ہی رہ گئے جیسے ہم ڈرون حملوں میں ہلاکتوں پر کمزور سے مذمتی بیان دینے کے بارے میں سوچتے ہیں کہ صاحب بہادر کچھ کہہ ہی نہ دیں ۔بعد ازں آپریشن ایسا مستقبل میں کرنے والوں کو سنگین انجام سے خبردار کرنے کے اعلان سے ہم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہیں؟ جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا ہے۔ابھی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کا معاملہ حل نہ ہوا ہے،ریمنڈ ڈیوس کو مشکوک رہائی کے بعد اپنی سرزمین پر اسامہ بن لادن کی ہلاکت اور طالبان سے دوستی کے بعد دشمنی کے معاملے کی ذمہ داری کوئی بھی قبول کرنے کو تیار نہیں ہے جس کا مطلب صاف ہے کہ ہم "انکل سام" کی غلامی دل سے قبول کرچکے ہیں ہمارے دلوں میں خوف خدا نہیں رہا ہے؟پتا نہیں کیوں ہم اس بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کرتے ہیں آخر کو ہم ایک اسلامی ایٹمی قوت ملک ہیں اور ہماری اپنی بھی خودداری ہے ہم مسلمان ہو کر بھی ڈر رہے ہیں؟

کیا کبھی سوچا بھی تھا کہ ہمارے ساتھ "انکل سام" ایسے کرے گا اگرچہ ماضی میں بھی اسکا بحری بیڑہ مدد کو نہیں پہنچا تھا مگر ہمارے ملک میں گھس کر اسامہ بن لادن کی ہلاکت ہمارے لئے شاید سقوط ڈھاکہ کے بعد دوسری مرتبہ شرم

سے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ ایک ایٹمی قوت ہونے، بہترین فوج اور دنیا کی مانی ہوئی خفیہ ایجنسی آئی۔ایس۔آئی کے باوجود ہمارے ملک کی سرزمین پر غیر ملکی فوج نے دہشت گردی اقدامات میں ملوث اسامہ بن لادن کو ہلاک کیا۔ کیا ہمارے ادارے اس قابل نہیں ہیں کہ وہ اس طرح کے آپریشن کر سکیں؟ وہ کون سی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے "انکل سام" نے ہمارے اداروں پر اعتبار نہیں کیا اور تن تنہا ہیرو بن گیا؟ ہماری دہشت گردی کے خلاف تعاون کو کسی خاطر میں نہیں لایا گیا حالانکہ ہمارے 35000 سے زائد لوگ اس جنگ میں جان بحق ہو چکے ہیں مگر پھر بھی ہم اعتبار کے قابل نہیں ہیں؟ شاید پاکستان دہشت گردوں کی بہترین پناہ گاہ بن چکا ہے۔ جس کی وجہ ہماری ناقص حفاظتی و معاشی اقدامات ہیں کہ لوگ اسطرح کی کاروائیوں میں ملوث ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے مغربی ممالک ہم پر اعتبار کرنے سے ڈرتے ہیں کہ ہم لوگ انکی پشت پناہی کرتے ہیں اور بات کچھ غلط بھی نہیں کہ پاکستان نے ہی ماضی میں طالبان کو بھرپور تعاون دیا تھا اور آج ہم انکی جڑیں کاٹنے کے چکروں میں ہیں؟ پہلے طالبان بنانے کے اور اب اُنہیں مارنے کے ڈالرز لیے جا رہے ہیں جس کی وجہ پاکستان کی بنیادیں کھوکھلی ہوتی جا رہی ہیں اگرچہ کہ حفاظتی ادارے بہترین ہیں مگر حکمران ناعاقبت اندیش ہیں کس کو کیسے سمجھائیں؟

اسامہ بن لادن کی جس طرح سے ہلاکت کا معاملہ سامنے آیا ہے اس سے بہت سے

شکوک و شبہات جنم لے چکے ہیں؟ اس کی لاش کو سمندر کے سپرد کرنا بھی عجیب تر عمل ہے جس کی مذمت جتنی بھی کی جائے کم ہے۔ پھر اس کی تصاویر جاری نہ کرنا بھی کچھ سمجھ نہ نہیں آ رہا ہے لگتا ہے کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ و گرنہ "انکل سام" اس طرح سے اقدامات نہ کرتا جتنا جلدی میں ہر چیز واقع ہوئی ہے۔ سوچنے کی بات ہے ہلاکت کے بعد ڈی۔این۔اے ٹیسٹ، سعودی عرب کے حوالے کرنے، سمندر کے سپرد کرنے کے فیصلے جیسے اتنے اہم اقدامات جلدی جلدی میں کیسے کر لیے گئے جو اس بات کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ سب کچھ پہلے سے سوچا جا چکا تھا بات صرف عمل درآمد کی تھی؟ کہیں پاکستان سے اسامہ بن لادن کو پکڑنے کی بجائے اسے اپنے ساتھ لا کر تو ہلاک نہیں کیا گیا ہے تاکہ پاکستان کو مزید دباؤ میں لا کر اپنے مقاصد کو پورا کیا جا سکے؟ اگر وہ یہاں پر کافی عرصہ سے موجود تھا تو ہمارے ادارے کیا کر رہے تھے؟ اس واقعے کے بعد تو ہماری ایٹمی تنصیبات بھی خطرے میں ہیں کہیں وہ بھی ہم نہ کھو بیٹھیں کیونکہ ہم پاکستانی تو روپے کی خاطر کچھ بھی کر سکتے ہیں ماضی کی بے شمار مثالیں ہمارے سامنے ہیں؟ شاید اسی وجہ سے ہمارے اداروں کو اپنی آمد و رفت سے مطلع نہیں کیا گیا کہ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں؟ بہر حال امریکہ بہادر اسامہ بن لادن کی ہلاکت سے مستقبل میں کیا فوائد حاصل کرے گا یہ تو وقت بتائے گا لیکن لگتا یہی ہے کہ مزید مطلوب افراد کی برآمدگی بھی اب پاکستان سے ہونے والی ہے اور ہماری شامت بھی موجودہ نااہل حکمرانوں کی بدولت آئے گی کیونکہ یہ کارنامہ بھی تو

مہنگائی کے طوفان کے بعد اسی کا شاہکار ہے؟ دعا کیجئے گا کہ مستقبل میں پاکستان آگے کو بڑھے ماضی سے سیکھ کر اور اپنے مفادات کو عزیز رکھے وگرنہ شاید تاریخ میں ہمارا نام لیوا بھی نہ ہو؟ طالبان اب امریکہ اور پاکستان سے اسکا کیا اور کیسے بدلہ لیں گے اس کے لئے آنے والے وقت کا انتظار کیجئے؟

خوف

جب ہم نا سمجھ ہوتے ہیں تو ہمارے چاہنے والے بچپن میں مختلف انداز سے ڈرا دھمکا کر اور بعض اوقات کوئی ناخوشگوار واقعات یا تجربات ہمیں خوف زدہ کر دیتے ہیں اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ خوف ہمارے اندر جڑ پکڑ لیتا ہے اور بعض اوقات ساری زندگی اسکا اور ہمارا تعلق قائم رہتا ہے اور ہم اسکے سائے تلے پوری زندگی بسر کر دیتے ہیں۔ کیونکہ خوف میں مبتلا ہو جانا قدرے آسان ہے مگر اس سے نجات پانا بے حد مشکل کام ہے۔ لہذا اگر آپ دنیا میں ارد گرد نظر ڈالیں تو آپکو دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی خوف میں مبتلا نظر آتا ہے اور یہی خوف اُسے زندگی کے ہر میدان میں ناکامی سے دوچار کرتا ہے۔ کیونکہ جب ہمارے اندر خوف پیدا ہو جاتا ہے تو ہمارے اندر اعتماد اور حوصلہ کی کمی ہو جاتی ہے جس کی بناء پر ہم چاہ کر بھی وہ کچھ نہیں کرپاتے ہیں جس کی تمنا جانے کب سے ہمارے دلوں میں ہوتی ہے۔ خوف ہر ناکام شخص کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ ہوتا ہے۔ ایک بات کو ہمیشہ یاد رکھئے کہ اپنے آپ کو کامیابی کی شاہراہ پر گامزن کرنے کے لئے ہمت و حوصلہ اور مثبت سوچ کا ہونا بہت لازم ہوتا ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ جب ہماری سوچ اچھی اور مثبت طرز عمل پر مبنی ہوگی تو ہمارے اعمال بھی ویسے ہی ہونگے اور اسکے مطابق ہمیں حالات وواقعات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہماری

زندگیوں میں ناکامی اور کامیابی کا بہت حد تک انحصار ہمارے خوف سے عاری فیصلوں پر بھی منحصر ہوتا ہے۔

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ہمارے نوجوان کسی ملازمت کے لئے جاتے ہیں تو انکے ذہنوں میں منفی سوچ پر مبنی خوف اور احساس کمتری بہت زیادہ ہوتی ہے۔حالانکہ ہر شخص میں قدرتی صلاحتیں موجود ہوتی ہیں اگر وہ اپنی سوچ کو مثبت رکھیں اور اپنی محنت جاری رکھیں تو کہیں بھی عمدہ نوکری اپنی قابلیت کے بل بوتے پر حاصل کر سکتے ہیں ؟ لیکن نوکری نہ ملنے کے خوف،اقرباء پروری، سفارش، اپنی گھریلو اور معاشی پریشانیوں میں گھرے رہ کر وہ انٹرویو درست طور نہیں دیتے پاتے ہیں اور پھر بعد ازں مختلف بہانے تراشتے ہیں؟ یاد رکھئے بہت سی عمدہ ملازمتیں اچھے اور عمدہ انٹرویو دینے اور خود اعتمادی کے اظہار کے بعد ہی حاصل ہوتی ہیں ہر جگہ رشوت اور سفارش نہیں چلا کرتی ہے؟ اگر آپ خود پر یقین اور کامل بھروسہ رکھتے ہیں تو کہیں نہ کہیں آپکا لوح محفوظ پر لکھا رزق آپکو ضرور مل جائے گا اس بابت خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے مگر آپ کو اس کے لئے صبر اور کوشش کے ساتھ ساتھ ہر طرح کے خوف سے دور رہنا ہوگا۔

جب کوئی خوف ہمارے اندر پوری طرح سے سرایت کر جائے تو بہت مشکل سے چھٹکارہ حاصل کیا جاسکتا ہے تمام تر حالات وواقعات کو سامنے رکھنے کے بعد مختلف

نوعیت کے اقدامات سے اسکو دور کیا جاسکتا ہے مگر یہ رات راتوں ختم ہونے والا عمل نہیں ہے۔سب سے پہلے خوف کے لاحق ہونے کی وجوہات تلاش کرنی ہوں گی اور بعد ازں ہمت و حوصلہ سے اس سے نجات کا سوچنا ہوگا کہ عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے۔اور جب ہم پختہ ارادہ کرلیں تو خوف کے دور ہونے تک آرام نہ لیں ۔ ہم جس قدر خوف سے دور ہوتے جائیں گے ہمیں ان گنت مسائل اور پریشانیوں سے نجات ملتی جائے گی اور پرسکون زندگی گزار سکیں گے۔ مثبت سوچ اور قرآن کریم کے مطالعہ سے ہر انسان کا خوف بہت حدتک دور ہو سکتا ہے۔زندگی میں جتنے بھی مسائل اور رکاوٹیں سامنے آئیں ان کو حل کرنے لیے مثبت طرز عمل اختیار کرنے سے ذہنی تناؤ میں ملوث ہونے والے خوف میں کمی واقع ہو گی اور بہت سے مسائل کا خاتمہ انکے پیدا ہونے سے قبل ہی ہو جاتا ہے۔ لہذا آج سے اپنی سوچ کا مثبت بنانے کا سوچئے اور جو ماضی میں ہو چکا اس کو بُرا خواب سمجھ کر بھول جائیں اور کل کے لئے ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کے لئے تیاری شروع کرلیں۔اپنی روز مرہ کی زندگی میں کھلے دماغ اور سوچ وبچار کے ساتھ فیصلے کریں۔آپ کو جو بھی خوف ہو ہر رات سونے سے یہ الفاظ دہرائیں کہ " میں اِس سے خوف زدہ نہیں ہوں میں ہر ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہوں" اور پھر دیکھیں کہ آپ کی زندگی میں کیا انقلاب رونما ہوتا ہے؟

پاکستانی کرکٹ ٹیم کی حالیہ کارکردگی کا ایک جائزہ

پاکستانی کرکٹ ٹیم نے جس کے تین بہترین کھلاڑی محمد عامر، محمد آصف اور سلمان بٹ میچ فکسنگ میں ملوث ہونے کی وجہ سے عالمی کرکٹ کپ میں شرکت نہ کرسکے۔ پھر بھی کرکٹ کے حالیہ عالمی کپ مقابلوں میں سیمی فائنل تک رسائی حاصل کی مگر بدقسمتی اور افسوس ناک کارکردگی کی وجہ سے اُسے ایک بار پھر روایتی حریف بھارت سے عالمی کپ کے میچ میں جو کہ سیمی فائنل مقابلہ تھا میں شکست کا سامنا کرپڑا۔ جس کی وجہ سے 1992 والی تاریخ دہرانے کا موقعہ گنوا دیا گیا۔ چند کھلاڑیوں کے دباؤ میں آجانے اور اپنے ہاتھوں سے کیچ چھوڑنے کی وجہ سے جیتا ہوا میچ بھارت کی جھولی میں ڈال دیا گیا۔ جس کا پورے ملک میں ماتم کیا گیا کہ ہمارے پروفیشنل کھلاڑیوں کو نہ تو اپنی عزت کا خیال تھا اور نہ ہی ملک کی رسوائی کی فکر تھی کہ بھرپور مقابلہ کرکے ہارا جاتا۔ ہار جیت تو کھیل کا حصہ ہے مگر اس کا بھی سلیقہ ہوتا ہے نامور کھلاڑیوں نے ناآموز کھلاڑیوں کی مانند کارکردگی دکھائی جس کو کسی طور بھی سراہا نہیں جا سکتا ہے۔ سچن ٹنڈولکر جیسے لیجنڈ کرکٹر کو مواقع فراہم کرنا، بیٹسمینوں کے غیر ذمہ دارانہ شاٹس اور بروقت پاور پلے کا نہ لینا جیت کی لگن کا فقدان ہونا شکست کی بنیادی وجہ تھی۔ اس بات سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے کھلاڑیوں کی گراؤنڈ فیلڈنگ

بہترین ٹیموں جیسی نہیں ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ باقی تمام ٹیمیں اس چیز کی جانب زیادہ توجہ مرکوز کرتی ہیں مگر ہمارے کھلاڑیوں اور بورڈ کے پاس اس میں بہتری کی بجائے اختلافات پر زور زیادہ دیا جاتا ہے۔

ابھی دورہ ویسٹ انڈیز میں ون ڈے سیریز میں 3-2 میں کامیابی کے باوجود کوچ اور کپتان کے اختلافات ہونے کی وجہ سے کرکٹ بورڈ نے شاہد خان آفریدی کو میڈیا میں بیان دینے کی ڈسپلن کی خلاف ورزی کی سزا کپتانی چھین لینے سے دی ہے حالانکہ بطور کپتان انہوں نے اچھی کارکردگی کا مظاہرہ ویسٹ انڈیز کے خلاف ون ڈے سیریز میں کیا ہے مگر پھر بھی سچ بولنے کی سزا دی گئی ہے ؟ جس سے پتا چلتا ہے اندرونی طور پر کیا کیا کہانیاں رونما ہو چکی ہوتی ہیں تب جا کر اسطرح کے فیصلے سامنے آتے ہیں ؟ اب مصباح الحق کو کپتانی سونپ دی ہے جس کی ماضی میں ٹیم میں شمولیت پر بھی اعتراضات کئے جاتے رہے ہیں اور اب وہ بورڈ کے سربراہ کا چہیتا بن گیا ہے اگرچہ اسکی کارکردگی فی الحال باقی کھلاڑیوں سے عمدہ ہے تو سب گناہ معاف ہو چکے ہیں ؟ مگر ویسٹ انڈیز کے خلاف پہلے ٹیسٹ میچ میں 40 رنز سے شکست بہت سے شبہات کو جنم دے رہی ہے اور کھلاڑیوں کی ناقص کارکردگی پر سلیکشن کمیٹی کے انتخاب کردہ کرکٹرز پر انگلیاں اُٹھائی جا رہی ہیں ؟ حالانکہ انکے کافی تجربہ کار کرکٹرز اس وقت ٹیم میں شامل نہیں ہیں اور ہم گئے گزرے بولرز کے ہاتھوں آؤٹ ہو کر انکو ورلڈ کلاس حیثیت دینے کی

کوششوں میں مگن ہیں؟ خالد لطیف اور حسن رضا جیسے باصلاحیت کھلاڑیوں پر سفارشی کرکٹرز کو موقعہ دیا جا رہا ہے جس سے ہماری کرکٹ تباہ ہوتی جا رہی ہے؟ عاصم کمال اور فواد عالم جیسے کرکٹرز مواقعے ملنے کی تلاش میں ہیں اور کرکٹ بورڈ نوجوان کرکٹرز کو تلاش کرنے کے چکروں میں ہے اور محمد یوسف کو ذاتی اختلافات کی بناء پر شامل نہیں کیا جا رہا ہے۔

بہت سی کمزوریوں کے باوجود پاکستانی کرکٹ ٹیم نے حالیہ ورلڈکپ سیمی فائنل اور حالیہ دورہ میں ون ڈے میچوں میں ویسٹ انڈیز کے خلاف میچوں میں جس کارکردگی کا مظاہرہ کھلاڑیوں نے کیا ہے وہ کافی حد تک تعریف کے قابل ہے۔ شاہد آفریدی، اسد شفیق، عمر اکمل، محمد حفیظ، عبدالرحمٰن اور وہاب ریاض نے اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ بالخصوص روایتی حریف بھارت کے خلاف سیمی فائنل میں وہاب ریاض نے عمدہ بولنگ کارکردگی دکھا کر اپنی ٹیم میں جگہ پکی کر لی ہے۔ حالانکہ ایک وقت میں اس کی ٹیم میں شمولیت پر کافی کچھ کہا گیا تھا اس نے عمدہ کارکردگی سے ناقدین کے منہ بند کر دیئے ہیں۔ جبکہ عبدالرزق کی صلاحیتوں سے پوری طرح فائدہ حاصل نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے اس کی کارکردگی معیار سے قدرے کم تھی۔ شعیب اختر کی عالمی کپ کے بعد ریٹائرمنٹ نے اسکے چاہنے والوں کو کسی قدر افسردہ کر دیا ہے۔ مگر فاسٹ بولر نے اپنی اُس فارم کا مظاہرہ نہیں کیا جس کی اس سے توقع کی جا رہی تھی جس کی

وجہ سے نیوزی لینڈ کے خلاف میچ کے بعد اس کو ٹیم سے باہر جانا پڑا۔ ٹیم کی شکست کے بعد فاسٹ بولر نے تمام تر کرکٹ چھوڑنے کا اعلان کر دیا جو کہ ایک اچھا فیصلہ ہے کیونکہ نوجوان بولرز کی عمدہ کارکردگی کے بعد اس کی ٹیم میں کوئی جگہ نہیں بنتی تھی۔ بولنگ کے شعبے میں شاہد آفریدی ، عبدالرحمٰن ، محمد حفیظ، سعید اجمل اور عمر گل نے بولنگ کے شعبے میں عمدہ کارکردگی دکھا کر اپنی کلاس ظاہر کر دی۔ شاہد آفریدی نے یادگار کارکردگی کا مظاہرہ بطور کپتان اور بولر دکھا کر سب کے دل ایک پھر جیت لیے اور ورلڈکپ ٹورنامنٹ میں سب سے زیادہ وکٹیں لینے والے بولر ظہیر خان کے ساتھ حصہ دار بن گئے۔ اگرچہ وہ بطور بیٹسمین کامیاب نہ رہ پائے مگر یہ کسر تباہ کن بولنگ کے ذریعے پوری کر دی۔ یونس خان اور مصباح الحق نے تسلی بخش کارکردگی کا مظاہرہ کیا جس کلاس کے کھلاڑی ہیں اس معیار سے قدرے دور رہے۔ بالخصوص بھارت کے خلاف سیمی فائنل میچ میں مصباح الحق نے افسوس ناک بیٹنگ کا مظاہرہ کرکے بہت سے لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات ڈال دیئے۔ وہیں یونس خان نے بھی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا حالانکہ دونوں تجربہ کار کچھ بہتر کرتے تو میچ جیتا جا سکتا ہے۔ اسد شفیق نے بھی ہربھجن سنگھ کے سامنے اپنی ناتجربہ کاری کا اظہار کیا۔ جبکہ گزشتہ میچوں میں اچھے سکور کر چکا تھا مگر پریشر کا شکار ہو کر جلد آؤٹ ہو گیا۔ اور جہاں تک بات کامران اکمل کی ہے تو لگتا ہے کہ اس کی بعض ٹیم ممبران سے کچھ گڑبڑ چل رہی ہے یا وہ اندورنی طور پر اپنی ناقص کارکردگی

کے حوالے سے خلفشار کا شکار ہے جس کی وجہ سے وہ ماضی جیسی عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر رہا ہے۔ جس کی بدترین کارکردگی سے ٹیم کو شکست کی صورت میں خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے۔ حالیہ دورہ ویسٹ انڈیز میں انکی جگہ محمد سلمان کو موقعہ دیا گیا ہے مگر وہ واجبی سی کارکردگی کا مظاہرہ کرپایا ہے۔ کامران اکمل کو ہمیشہ کے لئے ٹیم سے باہر کرنے کی بات قطعی غلط ہے کیونکہ وہ کافی تجربہ کار اور باصلاحیت کھلاڑی ہے ضرورت صرف اس کے اعتماد کو بحال کرنے کی ہے کسی بھی کھلاڑی پر بُرے دن آ سکتے ہیں مگر اس کا مطلب کھلاڑیوں کے کیریئر ختم کرنا ضروری نہیں ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں ایسا ہی ہوتا آیا ہے بہت دفعہ کچھ عرصہ کی عالمی کرکٹ سے دوری سے کھلاڑی پہلے سے زیادہ خطرناک بن کر سامنے آ سکتے ہیں۔ کامران اکمل کو چاہیے کہ وہ اپنی بھرپور توجہ اپنی ذاتی کارکردگی کی جانب مبذول کرے اور تنقید کرنے والوں کو اپنی عمدہ کارکردگی کے مظاہرہ سے چپ کرائے تاکہ مزید ذہنی پریشانی مول لے کر اپنی رہی سہی ساکھ کو بھی داؤ پر لگا دے۔ کرکٹ بورڈ کو بھی اس سلسلے میں کامران اکمل سے تعاون کرنا چاہیے اور دیگر سینئر کھلاڑیوں سے بھی کہ جب وہ ریٹائرمنٹ کے لئے تیار ہوں تو بہترین انداز سے رخصت کیا جائے۔ کارکردگی کو کسی طور بھی عمر کے ساتھ موازنہ نہیں کرنا چاہیے صرف اور صرف عمدہ کارکردگی ہی ٹیم میں شمولیت کا سبب ہونی چاہیے۔

کھلاڑیوں اور بورڈ کو آئندہ کے لئے ابھی سے حکمت عملی طے کرنی ہوگی۔ عالمی کپ مقابلوں اور دورہ ویسٹ انڈیز میں ہونے والی کوتاہیوں سے چھٹکارہ پانا ہوگا۔ سینئر کھلاڑیوں محمد یوسف، یونس خان اور مصباح الحق کے ساتھ نوجوان کھلاڑیوں کو موقعہ دیا جانا چاہیے تاکہ اگلے عالمی کپ تک بہترین ٹیم تیار ہو سکے۔ سینئر کھلاڑی جب تک کھیلنے کے متمنی ہوں انکو مواقع فراہم کرنا چاہیے ناکہ انا کا مسئلہ بنانا چاہیے انکے ہونے سے نوجوان کھلاڑیوں بہت کچھ سیکھنے کا موقعہ ملے گا۔ کھلاڑی اگلے عالمی کپ کو جیتنے کا سوچیں اور اپنے ملک کا نام روشن اور عوام کو خوشی فراہم کریں۔ عوام اپنے کھلاڑیوں کے ساتھ ہے اور رہے گی۔ کیونکہ ملک وقوم کا نام بلند انہی کی وجہ سے ہوا ہے اور ہوتا رہے گا۔ (انشاءاللہ)

خوف خدا

ایک رئیس اپنے باغ میں پہنچا، وہاں اس نے مالی کو اُس کی بیوی کے ساتھ بیٹھے دیکھا۔ عورت کے حسین و جمیل ہونے کی بناء پر رئیس کا دل اُس کی طرف مائل ہو گیا اور برائی کا ارادہ دل میں جڑ پکڑنے لگا۔ اُس نے مالی کو کسی کام کے لئے روانہ کر دیا۔ جب دونوں تنہا رہ گئے، تو اُس نے عورت سے کہا "باغ کے سب دروازے بند کر دے"۔ عورت فوراً اُس کی نیت بھانپ گئی، بہرحال تھوڑی دیر بعد اُس کے پاس پہنچی، تو اس نے پوچھا، سب دروازے بند کر دیئے؟۔۔۔۔اُس نے جواب نے دیا "ہاں"، لیکن ایک دروازہ کھلا رہ گیا ہے۔ رئیس نے پوچھا، وہ کونسا؟۔۔۔۔اُس نے کہا وہ، جو میرے اور میرے رب کے درمیان ہے۔ یہ بات سنتے ہی رئیس پر زبردست خوف خدا طاری ہوا اور وہ گناہ سے توبہ کرتا اور روتا ہوا وہاں سے رخصت ہوگیا۔

(بحوالہ: کشف المحجوب)

ایک مرتبہ حضرت داؤد طائی (رضی اللہ عنہ) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ چونکہ آپؑ اہل بیت میں ہیں، لہذا مجھے کوئی نصیحت ارشاد فرمائیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام جواباً خاموش رہے۔ حضرت داؤد طائی (رضی اللہ عنہ) نے دوبارہ عرض کی، حضور!

اہل بیت ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو جو فضیلت عطا فرمائی ہے، اس اعتبار سے آپؑ کا نصیحت فرمانا ضروری ہے۔ یہ سن کر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "مجھے تو یہ خوف لگا ہوا ہے کہ بروز قیامت میرے جدا علی ﷺ میرا ہاتھ پکڑ کر یہ ارشاد نہ فرمادیں کہ تو نے خود میرا اتباع کیوں نہیں کیا؟۔۔۔۔ کیونکہ "نجات کا تعلق نسب سے نہیں، بلکہ اعمال صالحہ پر موقوف ہے۔

یہ سن کر حضرت داؤد طائی (رضی اللہ عنہ) کو بے حد عبرت حاصل ہوئی۔ اس واقعے کے بعد آپ کہا کرتے تھے، "جب اہل بیت اطہار پر غلبہ خوف خدا کا یہ عالم ہے تو میں "کس گنتی آتا ہوں اور کس چیز پر فخر کر سکتا ہوں؟۔۔۔۔

عام طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات سے ڈرنا خوف خدا مراد لیا جاتا ہے حالانکہ ذات سے ڈرنا تو اس وقت ممکن ہونا تھا جب اس کی ذات کا ادراک ممکن ہوتا، جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا تصور بھی محال ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بے نیازی، اسکی خفیہ تدبیر، غضب اور اسکے نتیجے میں ایمان کی بربادی سے خوف زدہ رہنے کا نام خوف خدا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ سے خوف وڈر کا واضح حکم ملتا ہے۔ اس سلسلے میں چند آیات ذیل میں بیان کی جارہی ہیں:۔

(اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ (حجرات: 12

(اے ایمان والوں ! اللہ سے ڈرو، جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ (آل عمران: 102

ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے، جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ (اعراف:
154)

کیا ہم میں آج خوف خدا ہے ؟ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر جواب دیجئے کیا واقعی یہ صفت ہم میں موجود ہے ؟اگر ہے تو آج ہم کیوں فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں؟ کیوں ہم ایک اللہ، ایک رسول ﷺ اور ایک قرآن کے پیروکار ہو کر، کلمہ گو مسلمانوں کی زندگیوں کو مسلمان ہوتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں؟ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کیوں کافر کہنے پر تلا ہوا ہے؟اپنی بیٹیوں کو غیرت کے نام پر قتل کرکے اور ڈالرز کے عوض فروخت کرنے والے کیا سوچ کر اسطرح کے گھناؤنے فعل سرانجام دے رہے ہیں؟ کیوں سچ کو جھوٹ کے پردوں میں چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں؟کیا سوچ کر اور کیوں ایک دوسرے کے خلاف ایسا پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ فرقہ وارانہ اختلافات بڑھتے ہیں؟ کیوں ہمارے دلوں سے خوف خدا ختم ہوتا جارہا ہے ؟کیا ہم اپنے کسی عمل کے جواب دہ اپنے پروردگار کو نہیں ہیں ؟حیرت تو اس بات کی ہے کہ بہت سے ناعاقبت اندیش لکھاری حضرات علم اور خوف خدا رکھتے ہوئے بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر

تمام اخلاقی حدیں پار کر جاتے ہیں اور پھر بھی سمجھتے ہیں کہ وہ سیدھی راہ پر ہیں جو کہ سراسر گمراہی کہلائی جا سکتی ہے کہ دوسروں کو سمجھانے والے حوالے دیتے وقت حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کر کے اپنے مطلب پر لاتے ہیں اور گمراہی کی جانب دھکیلتے ہیں اور من گھڑت باتوں یا حقائق سے انکاری ہونے پر اپنے فتویٰ جاری کرتے ہیں حالانکہ وہ اسکا قطعی اختیار نہیں رکھتے ہیں۔ حالانکہ سچ بات دل سے نکل جائے تو سامنے والے کو آسانی سے سمجھ آ جاتی ہے اور اس کے دل میں اتر جاتی ہے چاہے وہ کسی کمزور دلیل سے ہی کیوں نہ پیش کی جائے، چاہے وہ اسے دل سے قبول کرے یا نہ کرے یہ اور بات ہے۔ لیکن کیا کریں جناب! ہر کسی کو آج کل عالم بننے کا شوق ہے ہر کسی نے دین کے معاملے میں اپنی دکانداری چلا رکھی ہے۔ حالانکہ دین کے معاملات اس قدر مشکل نہیں ہیں کہ آسانی سے سمجھدار انسان کو سمجھانے سے سمجھ میں نہ آ سکیں۔ ہمارا دین تو بہت ہی سادہ تعلیمات پر مشتمل ہے۔ شاید انہی جیسے فتنہ پرداز لوگوں کی وجہ سے ہم مسلمان لوگ صراط المستقیم سے دور ہو کر آج دربدر ہو رہے ہیں، بدنامی اور مسائل کا شکار ہو رہے ہیں؟ اللہ تعالٰی ہم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے نیز یہ کہ ہم خوف خدا کے سبب راہ حق پر چل پائیں اور ان ناسمجھ لوگوں کو اللہ تعالٰی خاص طور پر ہدایت عطا فرمائیں جو دوسروں کی زندگیوں کو گمراہی میں مبتلا کر رہے ہیں۔ (آمین)

خدارا بس کردو

ہمارے ملک کے حالات روز بروز بگڑتے جارہے ہیں لیکن ہم ہیں کہ ابھی تک آپس کے اختلافات اور ذاتی مفادات میں لگے ہوئے ہیں ؟کسی کو ملک کی عزت ونیک نامی اور سلامتی سے کوئی غرض نہیں ہے چاہے امریکہ بہادر ہمارے بے گناہ لوگوں کو ایسے ہی روز مارتا رہے ہمیں کوئی پروا نہیں ہے۔ہم سپرپاور کو کیا روئیں ہمارے اپنے ملک کے حفاظتی ادارے بھی کیا کچھ نہیں کر رہے ہیں، ذرا گذشتہ سال سیالکوٹ میں ہونے والے المناک واقعے میں ہلاک ہونے والے دو بھائیوں اور چند روز قبل کوئٹہ اخروٹ آباد میں ہونے والے شرمناک وقوعہ کو ہی یاد کر لیجئے جو ہمیں بہت کچھ سمجھنے پر مجبور کر رہا ہے۔ اور اس جلتی پر آگ پی این ایس مہران نے لگا دی ہے کہ بجریہ متواتر دہشت گروؤں کے نشانے پر تھی لیکن پھر بھی اس طرح کے اقدامات نہ کئے گئے کہ ملک وقوم کو جہازوں کی تباہی سے اربوں کا نقصان نہ اُٹھانا پڑتا۔ لیکن صاحب ! یہاں وہ لوگ اس بدترین معاشی صورتحال میں بھی اپنی جیبوں کو بھرنے میں لگے ہوئے ہیں جو اقتدار کی کرسیوں پر براجمان ہیں، جنہیں قوم نے اپنی بہتری کے لئے ووٹ دیئے لیکن وہ اپنے بنکوں کو بھرنے کے چکروں میں ہیں ؟ایسے مفادات اور ہوس پرست حکمران کیا ملک وقوم کے ساتھ مخلص ہونگے ؟ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں ان پر الزامات عائد کئے جاتے ہیں تاکہ وہ دلبرداشتہ ہو

جائیں اور ملک کی صورتحال کو بہتری کی طرف نہ لے جائیں۔ہمارے سامنے عمران خان کی مثال سامنے ہے جو اپنا ردعمل بھرپور انداز میں ظاہر کر رہے ہیں اور عوام کو جگانے کی کوششوں میں مصروف عمل ہیں؟لیکن صاحب اقتدار مزے سے جاگتی آنکھوں سے سو رہے ہیں کہ جیبوں سے ڈالرز جو بھرے جا رہے ہیں؟خدارا حکمرانو!اب تو بس کر دو ملک تباہی کے دھانے کے قریب جا رہا ہے، بجلی، آٹا، بے روزگاری، دہشت گردی کا شکار عوام کو کچھ تو سکھ چین مہیا کرو؟اب تو یہ لوٹ کھسوٹ کا بازار خدارا بند کر دو اور کتنا لوٹو گے!

ہمارے ملک کی افواج اور ہمارے دنیاکے بہترین خفیہ ادارے آئی ایس آئی پر طرح طرح کی الزامات کی بوچھاڑ تو کئی سالوں سے کی جا رہی ہے۔جس کا اولین مقصد انکے حوصلوں کو پست کرنااور مذموم مقاصد کا حصول بہت سے ہمارے دشمنوں کا مطع نظر بن چکا ہے اور اس میں اضافہ اسامہ بن لادن کی ہلاکت سے ہوا ہے۔ہمارے چند ناعاقبت اندیش عناصر انکی تقلید کرتے ہوئے ان پر تابڑ حملے کرتے ہیں تاکہ انکی ذاتی مفادات کے حصول کی کوشش کو کامیابی مل سکے۔ لیکن بعض اوقات چند عناصر کی یہ بات کہنا کہ" افواج پاکستان اور آئی ایس آئی کے خلاف جو ہے وہ غدار ہے" بھی مناسب نہیں لگتی ہے کہ اگر ہماری افواج اور آئی ایس آئی سیکورٹی اعتبار سے اور چند اور عوامل کی وجہ سے غفلت کا شکار ہوئی ہیں تو جائز شکایت پر انکے خلاف بات کرنا حق پر مبنی ہے تاکہ وہ ایسے اقدامات

کرے کہ پھر ان سے ویسی کوتاہی نہ ہو۔لیکن کیا ایسے لوگ جو اسطرح کے بیان باری کرتے ہیں وہ محب وطن ہیں؟ جو حق بات کو تسلیم کرنے سے بھی انکاری ہیں یہ سوچنے کی بات ہے؟ جبکہ ایک بات یاد رکھئے ہماری افواج اور آئی ایس آئی محب وطن لوگوں پر مشتمل ہے جو کبھی ملک و قوم کی عزت و وقار پر داؤ پر نہیں لگائے گی۔دہشت گردی کے خلاف ہماری حالیہ کامیابی انہی دو اداروں کی مرہون منت ہے۔اگر یہ نا ہوتے تو ہمارے ہوس پرست حکمران کب کا ملک بیچ چکے ہوتے جیسے ہم نے ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو بیچ ڈالا ہے۔خدارا لوگو! فواج پاکستان، سپریم کورٹ اور آئی ایس آئی کو ملک کے ہر مسئلے مت سمجھو۔اب خاموشی بس کر دو! اُٹھو اور حکمرانوں پر یہ بات ثابت کر دو کہ ہم دوسروں کی غلامی میں نہیں آزادی سے جینا چاہتے ہیں؟تب جا کر ہمارے مسائل حل ہونگے اور ہمارا ملک معاشی طور پر مضبوط ہوگا؟اگر ہمیں مستقبل روشن چاہیے تو خدارا آپس کے فرقہ وارنہ اختلافات،ذاتی مفادات کو چھوڑ کر ملک کو سنوارنے میں لگیں تاکہ ہمارا کل روشن ہو ورگرنہ ہمیں بکھرنے سے کوئی روک نہیں پائے گا؟خدارا اب تو وہ سب کچھ کرنا چھوڑ دیں کہ ہم پر بُرا وقت آنے والا ہے؟ خدارا اس ملک کی خاطر ہی سب ایک ہو جاؤ؟

نصیب جلی

میرا نام عائلہ ہے اور میرا تعلق پانچ دریاؤں میں سے ایک نام والے شہر سے ہے۔ میں آپ کو اپنی داستان حیات بیان کرنا چاہ رہی ہوں کیونکہ میں اب ذہنی طور پر بہت تھک چکی ہوں اور اپنی عذاب زندگی کو خوشگوار کرنا چاہ رہی ہوں جس کے لئے مجھے آپ کی ضرورت ہے بتایئے میں کیا کروں؟ہر انسان نصیب اور قسمت کے رونے روتا ہے چاہے اسکے اپنے اعمال کیسے ہی کیوں نہ ہو الزام قسمت اور نصیب ہی کو دیا جاتاہے، میرا شمار بھی آپ انہی لوگوں میں کر سکتے ہیں کیونکہ میری زندگی میں بھی ان کا بہت اہم کردار رہاہے۔مجھے نہیں معلوم کہ میری پیدائش کیونکر ہوئی جب کہ میری کسی کو بھی ضرورت نہیں تھی۔ حالانکہ اس بات سے تو سب ہی بخوبی واقف ہیں کہ دنیا میں کوئی چیز بے کار نہیں ہے مگر پھر بھی پتا نہیں کیوں میں آج کل ایسا سوچنے پر مجبور ہو گئی ہوں شاید میری زندگی کے حالات وواقعات نے مجھے ایسا کر دیا ہے یا پھر میرے نصیب میں دکھ ودرد بھری زندگی ہی لکھی تھی ؟

بات میں وہاں سے شروع کرتی ہوں جب میں نے ہوش سنبھالا اور اپنے ارد گرد نظر دوڑائی تو معلوم ہوا کہ والدین کو اپنی اپنی مصروفیات سے فرصت نہیں ہے

۔ جو مجھ پر یا میری دوسری بہن پر توجہ دیتے ،اگر وہ یہ کام کر رہے تو تھے صرف بھائیوں پر جن سے انکو بہت لگاوٹ تھی۔ اگرچہ میرے والدین کا تعلق اچھے تعلیم یافتہ گھرانے سے تھا، مگر پھر بھی نہ صرف میری بلکہ دوسری بہن کی پیدائش پر اتنی خوشی کا اظہار نہیں کیا گیا کہ میرے والد صاحب کو پتانہیں کیوں بیٹیوں سے نفرت سی تھی ، کبھی پیار کی نظر سے نہیں دیکھا اور ہمیشہ میں اپنے والد اور والدہ کے پیار کو ترستی رہی۔ لیکن میں نے اسکے باوجود ہمیشہ اپنے تعلیمی سلسلے کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں توجہ مرکوز رکھنے کے ساتھ ساتھ والدین کی خدمت کی بھرپور اپنی کوشش جاری رکھی، مگر اسکا پھل مجھے نہ مل سکا۔ والد کی نفرت تو چلو تھی ہی اس معاملے میں والدہ بھی کچھ کم نہ ثابت ہوئیں۔ اور یہ واقعہ تو زندگی بھر کے لئے میرے لئے بطور یادگار جان نہیں چھوڑ پا رہا ہے کہ ایک بار گھریلو تقریب میں میری والدہ سے میرے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا "میں انکی بیٹی ہوں" تو انہوں نے صاف انکار جواب دیا کہ " میں انکی بیٹی نہیں ہوں"۔ میں دور کھڑی یہ سب دیکھ رہی تھی اور روتے روتے اپنے کمرے میں آ گئی اور ساری رات روتی رہی مگر کوئی مجھے چپ کروانے نہ آیا۔ میری والدہ کی نفرت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انکے مقابلے میں میرا رنگ وروپ معمولی حیثیت رکھتا تھا جس کی بنا پر میرا ساتھ انکا رویہ ایسا ہی تھا۔ کیا کوئی ماں اپنی بیٹی کے ساتھ کر سکتی ہے، جسے اُسے نے خود اپنی کوکھ سے جنم دیا ہو بہرحال میری ماں ایسی ہی تھی۔

جب میں آٹھویں میں آئی تو تبھی انکا انتقال ہو گیا اور میرے والد نے کچھ ہی عرصہ بعد دوسری شادی رچا لی حالانکہ بیٹیوں کی عمر شادی کی ہو چکی تھی مگر ایسا کرنا ضروری تھا کہ انکو جیون ساتھی کی ضرورت تھی۔ رہی بیٹیوں کی بات تو وہ کون سی انکی لاڈلی تھیں، انکی نظر میں وہ کچھ حیثیت ہی نہیں رکھتی تھیں۔ بہرحال وقت گزرتا گیا اسی دوران میری تعلیم مکمل ہو چکی تو میں نے ٹیوشن پڑھانی شروع کر دی لیکن زندگی کے عذاب پھر بھی کم نہ ہوئے۔ کیونکہ جہاں اپنے ہوں مگر اپنے ہی ایسا سلوک کریں جیسا پرائے کریں تو اپنے بھی پرائے ہی لگتے ہیں۔ اپنوں کے ستائے ہوئے میری بات سمجھنے کے لئے اپنی زندگی کے تجربات کو سامنے رکھیں تو بات کھل جائے گی کہ میرا کہنے کا کیا مقصد ہے۔ میری بہن نے اپنی مرضی سے میری شادی کا فیصلہ کرلیا اور وہ بھی وہاں جن کی اپنی مالی حیثیت ہم سے بھی کم تھی۔ میں قدرے خوش تھی کہ اپنے گھر سے جان چھوٹ رہی ہے مگر پتا نہیں تھا کہ میری وہاں "ہاں" کتنی مہنگی پڑنے والی تھی۔ والد صاحب نے بالآخر مجھے رخصت کر دیا کہ انکی اور بھی بہت ذمہ داریاں تھیں۔ شادی کے بعد جب سسرال آئی تو پتا چلا کہ انسان کی قدر نہیں ہوتی ہے یہاں تو محض مال و دولت ہی سب کچھ اہمیت رکھتا ہے اور میں چونکہ خالی ہاتھ نہیں آئی تھی تو کچھ "بھرم" رہ گیا تھا۔ والد کا پیار تو نہ مل سکا مگر انہوں نے رخصت کرتے وقت اتنا کچھ دے دیا کہ میرے سسرال میں میری عزت ہوئی

۔ساس کے ساتھ تعلقات بھی قدرے اچھے رہے کہ میری نندیں سب شادی شدہ تھیں ۔اور فساد کرنے کے لوازمات کو میں نے اپنی طرف سے پورا کرنے نہیں دیا مگر اسی دوران میرا شوہر میکے والوں سے مالی مدد کے لئے کہتا رہا اور میں پورا کرتی رہی ۔کیونکہ شادی کے بعد ہی پتا چل گیا تھا کہ میرے شوہر نامدار کو کام سے خاطر خواہ دلچسپی نہیں تھی ۔زندگی ادھار پر چل رہی تھی اسی دوران میرے شوہر نے دھوکا بازی کرتے ہوئے میرا پلاٹ جو والد صاحب نے میرے نام کروایا تھا،فروخت کروا دیا جس پر مجھے بہت غصہ آیا اور ہمارے درمیان اس معاملے پر بہت لڑائی ہوئی مگر میں گھر نہیں گئی کہ وہاں کون میرا تھا جو اس معاملے میں میرا ساتھ دیتا۔شادی کے چند برسوں بعد کے اس واقعے کے رونما ہونے سے قبل میں تین بچوں کی ماں بن چکی تھی تو ایسے حالات میں وہاں جانا کب زیب دیتا تھا۔وہ بھی اس صورت میں کہ میری ایک بہن پہلے ہی طلاق کا بدنما دھبا لے کر گھر آچکی تھی۔شوہر کے مالی مدد کے مطالبوں نے مجھے اپنے گھر سے بھی جان چھڑوا دی کہ اب میں تنگ آئی تھی ہاتھ پھیلا پھیلا کر کہ اپنی بھی کوئی عزت نفس تھی۔میں نے گھر چلانے کی خاطر ٹیوشن دوبارہ لینی شروع کر دی لیکن شوہر کے ناروا رویئے نے مجھے ذہنی مریض بنا کر رکھ دیا۔بعدازاں میں نے اپنے خاوند سے اس پلاٹ کے معاملے میں کچھ کہنا چھوڑ دیا کہ مجھے تو شادی سے پہلے بھی اسکے کارناموں کی خبر تھی مگر اتنی نہ تھی کہ وہ اتنا گر جائے گا اور اپنے آشیانے کو ہی بیچ ڈالے گا۔

اپنی زندگی کے حالات وواقعات سے تنگ آکر ذہنی اذیت کو کم کرنے کے لئے میں نے وقت گزاری کا ایک منصوبہ سوچا اور موبائل فون خرید لیا۔اور گھریلو کام کاج ، بچوں کو سکول بھیجنے کے بعد جب ساس سو جاتیں تو اپنی دوستوں کے ساتھ موبائل پر چند گھنٹوں کے لئے مصروف ہو جاتی ۔اسی دوران ایک اجنبی نمبر سے کال آئی جس نے میری زندگی بدل لی ۔فرہاد سے ایک بار کیا بات ہوئی میرا دل اسکی جانب مائل ہونے لگا۔اگرچہ میں شادی شدہ تھی مجھے ایسا کرنا زیب نہیں دیتا تھا مگر نادان دل نے مجھے کہیں کا نہ چھوڑااور اُسی پر بہت بری طرح مر مٹا۔فرہاد نے مجھے زندگی کا نیا رخ دیا ۔اگرچہ اسے میرے بارے میں اصلیت معلوم نہ تھی مگر میں نے اپنی ذہنی اذیت کو کم کرنے اور پیار وتوجہ کی طلب کے حصول کے لئے ایک جھوٹی کہانی گھڑدی جس پر اس نے اعتبار کر لیا۔یہ بات تو موبائل فونز استعمال کرنے والی نوجوان نسل بخوبی جانتی ہے کہ کسی کے احساسات وجذبات سے کیسا کھیلا جاتاہے۔پیار و محبت کو اس موبائل فون نے تماشہ سا بنا کر رکھ دیا ہے ہر دوسرا شخص یہی کہانی دوہرا رہاہے اور سب اپنے اپنے کھیل میں مگن ہیں۔خیر وقت گزرنے پر مجھے احساس ہوگیا کہ میں فرہاد کے ساتھ زیادتی کر رہی ہوں مگر میں کیا کرتی ، میں نے اسے اپنے پیار میں اتنا الجھا دیا کہ مجھے اس کے بن ایک پل بھی گزارنا اچھا نہیں لگتا تھا۔فرہاد ایک ہنس مکھ شخص تھا جس نے میرے دل کی تاروں کو بجایا تھا کہ میں

اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھی تھی ۔اپنا سب کچھ اسے مان لیا تھا مگر جب اپنی زندگی میں واپس آتی تو عجیب و غریب اپنے ساتھ رہنے والوں کے ساتھ برتاؤ کرتی ، کبھی چکن میں ہی گم سم ہو جاتی تھی کہ اسکے خیالوں میں رہنا اچھا لگ رہا تھا۔ میں اپنی تمام تر ضرورتیں اسی سے پوری کر رہی تھی اور خوشی تھی کہ مجھے اسکا ساتھ ملا ہے جس نے مجھے زندگی کا نیا رنگ وروپ دکھایا ہے ۔ہمارا ساتھ ایسے ہی جاری تھا کہ اسے میرے بارے میں سچ معلوم ہو گیا اور میری تمام تر باتیں خاموشی سے سن کر چپ رہا اور چند دن بعد مجھ سے رابطہ ختم کر لیا۔اب میرے بارہا فونز کرنے کے باوجود فرہاد میری بات نہیں سنتا ہے۔وہ جس کی آواز میرے اندر سنسناہٹ پیدا کر دیتی تھی، آج اسکے لئے ترس گئی ہوں۔ہر چیز سے دل اٹھ گیا ہے ۔سوچتی ہوں کہ میرا ایسا نصیب کیوں ہے نہ والدین کی محبت ملی، نہ ہی شوہر کے اچھے سلوک اور پیار کی مستحق ہو سکی اور نہ ہی اسکو پا سکی جس سے مجھے بے انتہا محبت ہو گئی تھی میرا اتنا نصیب کیوں جل سا گیا ہے کہ مجھے ہر پل اندر سے جلاتا ہے؟کیا میں اسی لئے دنیا میں آئی تھی کہ مجھے اذیت ہی سہنی پڑے؟کیا کوئی مجھے میرے سوالوں کے جواب دے گا؟

آستین کے سانپ

ایک روز کسی نے درخت سے آکر کہا' لوہار کی دکان میں تمہارا دشمن تیار کیا جارہا ہے۔ درخت نے پوچھا' کون سا دشمن ۔ کیا نام ہے اسکا ؟ درخت کو بتایا گیا' وہ دشمن لوہے کی ایک کلہاڑی ہے ۔ درخت نے پوچھا' کلہاڑی کو لوہے سے بنایا جارہا ہے۔ وہ میرا کیا بگاڑ لے گی۔ مجھے کلہاڑی کی پروا نہیں۔کہنے والے شخص نے کہا'اس کلہاڑی سے تمہیں کاٹا جائے گا۔ درخت بولا' یہ ممکن نہیں۔ تم مجھے خوامخواہ ڈرانے کی کوشش نہ کرو ۔ میں کسی کلہاڑی ولہاڑی سے خوف زدہ ہونے والا نہیں ۔ چند روز بعد اسی شخص نے درخت کو اطلاع دی' کلہاڑی تیار ہو چکی ہے۔ بس اب تمہاری خیر نہیں۔ درخت نے کلہاڑی کی شکل و شباہت کے بارے استفسار کیا ۔ اسے معلومات بہم پہنچا دی گئیں۔ درخت نے کہا' کلہاڑی کو خالص لوہے سے تیار کیا گیا ہے ۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ۔ میں لوہے سے زیادہ طاقتور ہوں۔ دوروز بعد وہ شخص پھر سے درخت کے پاس آیا اور اسے سنسنی خیز اطلاع دی' کلہاڑی کو چلانے کے لئے اس میں دستہ فٹ کر دیا گیا ہے ۔ درخت نے پوچھا' یہ دستہ کیا ہوتا ہے ؟ اسے بتایا' دستہ کسی درخت سے کاٹی گئی ایک موٹی شاخ ہوتی ہے ۔ دستے کو ہاتھ میں تھام کر کلہاڑی سے وار کیا جاتا ہے ۔ اب تم کٹنے کے لئے تیار ہو جاؤ! درخت نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور شکست خوردہ انداز میں بولا' تم ٹھیک

کہتے ہو دوست۔ اب واقعی مجھے تشویش میں مبتلا ہو جانا چاہیے۔ کیونکیہ میرا اپنا دشمن سے جا کر مل گیا ہے۔ اگر درخت کی شاخ کلہاڑی کا دستہ نہ بنتی تو وہ لوہے کا ٹکڑا میرے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا؟

اس پرانی سندھی کہانی میں ایک تلخ حقیقت چھپی ہوئی ہے کہ جب ہمارے اپنے ہی دشمنوں کے ساتھ مل جائیں تو ہمیں دنیا کی کوئی بھی طاقت شکست سے دوچار کر سکتی ہے۔ کیونکہ وہ ہمارے تمام تر منصوبوں کے ساتھ ساتھ ہماری کمزوریوں سے بھی بخوبی سے آگاہی رکھتے ہیں۔ ایک مشہور زمانہ کہاوت "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" سے تو آپ بھی بخوبی واقف ہونگے۔ ابھی چند روز قبل پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے جناب ذوالفقار مرزا نے جس طرح سے ہم پاکستانیوں کی عزت افزائی کی ہے اُس نے ثابت کر دیا ہے کہ ہمیں کسی دشمن کی ضرورت ہی نہیں ہے، کیونکہ انکے اپنے "سنہری کلمات" نے لگ بھگ پندرہ افراد کی جان لے لی اور مالی طور پر ملک کو خمیازہ علیحدہ بھگتنا پڑا ہے۔ اگرچہ انہوں ازاں بعد اس کی تلافی "معافی" مانگ کر دی۔ مگر جناب ! کیا زبان کے زخم آسانی سے بھر جاتے ہیں کیا؟ قبل ازیں اس سلسلے میں رحمٰن ملک صاحب نے بھی افسوس کا اظہار کیا، لیکن کیا اسطرح کے کارنامے ہمارے سیاستدانوں کو انجام دینے چاہیے جس میں انکی اپنی بھی خاطر خواہ "نیک نامی" ہو جاتی ہو؟ ہم لوگ پھر بھی آزمائے ہوئے "کارتوسوں" کو بار بار استعمال کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور جب وہ

ہماری امیدوں اور اعتماد کو ایسے انداز میں توڑتے ہیں تو ہم پتا نہیں کیوں نادم سے ہو جاتے ہیں حالانکہ ہم ہی تو اپنے سر پر انہیں بیٹھاتے ہیں پھر سر بھی خود پیٹتے ہیں۔علاوہ ازیں دوسری بات یہ ہے کہ ہم خوامخواہ ہی بھارت و امریکہ سے ڈرتے رہتے ہیں کہ پتا نہیں وہ ہمارے ساتھ کیا کچھ کر دیں۔ جبکہ ہمارے اپنے معزز نا اہل لیڈران ہی ملک و قوم کا بیڑا غرق کرنے کے لئے کافی ہیں۔سب کرپشن کو ختم کرنے کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کرپشن کرنے میں لگے ہوئے ہیں کہ کچھ باقی نہ رہے کہ کرپشن کی نوبت ہی آئندہ پیش آئے۔یہ عوام دوست بن کر انکے ساتھ دشمنوں سے بھی بڑھ کر شایان شان سلوک کرتے ہیں کہ بچاری عوام کی چیخیں ہی نکل جاتی ہیں کہ یہ ہمارے ساتھ کیا سے کیا ہو گیا ہے؟

پاکستان کے دوست ممالک کے دوست بھی پاکستان کے دوست شمار ہوتے ہیں۔ یہ سارے دوست پاکستان کو مضبوط دیکھنے کے خواہشمند ہیں اور وہ اس سلسلے میں اپنا کلیدی کردار سرانجام دے رہے ہیں کہ پاکستان معاشی طور پر مستحکم ہو سکے، لیکن بعض دوست نما دشمن ممالک اپنی منصوبہ سازی کے ذریعے سے پاکستان کو اندرونی طور پر کمزور کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔گذشتہ چند سالوں سے ہونے والے دہشت گردی کے واقعات (بالخصوص جی ایچ کیو، پی ایس این مہران حملہ کیس ایسے واقعات)، بلوچستان کی گھمبیر صورتحال، معاشی عدم استحکام اور ملک

کی سلامتی کو خطرات میں دھکیلنے والے اقدامات ظاہر کرتے ہیں کہ ہماری صفوں میں دشمنوں کے آلہ کار (آستین کے سانپ) گھسے ہوئے ہیں۔ جن کی سرکوبی ملک کی سلامتی کے لئے ناگزیر ہے کیونکہ جب تک ہم اندر سے مضبوط نہیں ہونگے اپنے ظاہر دشمنوں سے خاطر خواہ محفوظ نہیں رہ پائیں گے۔ اس سلسلے میں متعلقہ اداروں کو اپنے اندر مزید بہتری لانی چاہیے اور مشتبہ اشخاص کے نفسیاتی رجحان کی بابت معلومات کے لئے نفسیاتی ماہرین کی خدمات حاصل کرنی چاہیں کیونکہ وقت پر لگایا گیا ایک ٹانکا بے وقت کے نوٹانکوں سے بچاتا ہے۔ اس سلسلے میں عوام کو بھی اپنا کردار ادا کرنا چاہیے اور تخریب کار عناصر کے بارے میں فوری طور پر اطلاع متعلقہ اداروں کو فراہم کریں تاکہ ان جیسے دوست نما سماج دشمن عناصر سے چھٹکارہ پایا جاسکے یا پھر کم از کم اتنا تو کیا جاسکے کہ پیش آمدہ نقصان کے خطرے کو کم کیا جاسکے۔

بس اتنا سا خواب ہے؟

دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جسے زندگی کے نشیب و فراز کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو ایسے ہی میرے یعنی سید سید زین العابدین کے ساتھ بھی ہوا ہے۔میں رحیم یار خان کے نواحی گاؤں میں رہنے والے ایک بخاری خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ میں اپنے دل کا حال بیان کرنا چاہتا ہوں تاکہ آپ لوگ میرے حالات سے واقفیت حاصل کریں اور مجھے اچھا مشورہ دیں کہ میرا جو خواب ہے وہ میں کسی طرح سے پورا کرسکوں ۔اپنے بارے میں آپ کو بتاتا چلوں کہ میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہوں لیکن بڑا بد نصیب ہوں حالانکہ لوگ بیٹوں کے لئے منتیں مرادیں مانگتے ہیں ۔جب میں اس دنیا میں آیا اور ہوش سنبھالا تو ہمیشہ یہی دیکھا کہ والدین کے درمیان انجانی سی دوری تھی۔ جب میں چھٹی کلاس میں پہنچا اور اس میں پہلی پوزیشن لی تو اسکی خوشی بھی جلدی کافور ہو گئی کیونکہ انہی دنوں میں میرے والد صاحب نے دوسری شادی کرلی اور ہم سے تمام ترشتے توڑ دیئے۔نہ کبھی میری حالت دریافت کی اور نہ کبھی مجھے پڑھائی کے لئے رقم دی بلکہ تمام تر زرعی زمین جو دادا مرحوم سے والد صاحب کے حصہ میں آئی تھی وہ بھی اپنی نئی نویلی بیوی کے نام کر دی اور اسمیں سے کچھ حصہ مجھے دینے تک کا نہ سوچا جیسے میں ان کی اولاد ہی نہیں ہوں اور ہمیشہ مجھے نظرانداز کرتے رہے۔

جب میں نویں جماعت میں پہنچا تو اچانک میں شدید بیمار ہو گیا اور ایک مہینہ تک سرکاری ہسپتال میں داخل رہا تب میں نے اپنے والد صاحب کو یہ سب کچھ بتایا تو وہ پھر بھی مجھے ملنے نہ آئے۔ خیر میں نے حالات کا ڈٹ کر سامنا کیا اور اپنی پیاری ماں کا سہارا بننے کے لئے خوب دل لگا کر محنت کرنے لگا۔ نہ صرف خود اپنی پڑھائی پر بھرپور توجہ دی بلکہ ٹیوشن بھی پڑھاتا رہا اور اچھے نمبروں سے میٹرک بھی اب کر لی ہے۔ مگر میری والدہ کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ جس سے وہ مجھے آگے اچھی تعلیم دلوا سکیں۔ میرے والد کی شادی کو پانچ سال ہو چکے ہیں مگر انکی ابھی تک کوئی دوسری اولاد میرے سوائے نہیں ہے۔ میری والدہ کے صبر اور نیکی کی ہر کوئی مثالیں دیتا ہے کیونکہ میری والدہ نے کبھی میرے والد کے ساتھ کوئی جھگڑا از خود شروع نہیں کیا اور نہ ہی کبھی دوسروں کے سامنے والد کو رسواء کیا۔ میرے والد صاحب کے بقول "تمہاری والدہ کا اسمیں کوئی قصور نہیں ہے اسکی تو قسمت خراب ہے"۔

ایک بات آپ کو واضح کرتا چلوں کہ جب میرے والد صاحب کی میری والدہ سے شادی ہوئی تو میرے والد کا میری والدہ کے ہاں شادی کرنے کا کوئی موڈ نہیں تھا کیونکہ وہ تو شہر کی کسی لڑکی سے محبت کرتے تھے۔ مگر گھر والوں کے دباؤ پر وٹہ سٹہ شادی کرنے پر مجبور ہو گئے اور پہلے دن سے اس کو وہ عزت نہ دی جس

کی وہ مستحق تھی۔اب اس زبردستی کی وجہ سے اتنی ذلت اٹھانی پڑ رہی ہے نہ صرف مجھے بلکہ میری والدہ بھی ناحق یہ اذیت برداشت کرنے پر مجبور ہو چکی ہے۔خیر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے پڑھائی میں کامیابی دی اور میں نے اچھے نمبرز لے کر میٹرک پاس کر لیا ہے۔میری بچپن سے دلی آرزو تھی اور سوتے جاگتے ایک خواب سا دیکھا تھا کہ میں ایک اچھا ڈاکٹر بنوں گا اور اپنی عوام کی خدمت کروں گا۔لیکن میرے تمام خواب ریزہ ریزہ ہو گئے ہیں۔کیونکہ سنا ہے کہ اسمیں بہت رقم خرچ ہوتی ہے۔میٹرک کے اچھے نمبرز کی وجہ سے میرا داخلہ FSc میں کسی بھی پرائیوٹ کالج میں ہو سکتا ہے مگر میں جب یہ سوچتا ہوں کہ میں بے شک FSc میں عمدہ کارکردگی دیکھا کر نمبرز حاصل بھی کر لوں تو بھی میرے وسائل اس قدر نہیں ہیں کہ میڈیکل کالج کی فیس ادا کر سکوں اور میرا یہ خواب محض خواب ہی رہ جائے گا تو دل بہت دکھی سا ہو جاتا ہے کہ میری والدہ تو سلائی کر کر کے تو مجھے میٹرک تک تعلیم بامشکل دلا پائی ہے؟میرے دوست کہتے ہیں کہ تین سالہ ڈپلومہ کورس کر لو اسطرح سے کہیں نہ کہیں نوکری مل جائے گی اسکے علاوہ چند نے پڑھائی چھوڑ کر نوکری کرنے کا بھی مفید مشورہ دیا ہے لیکن مجھے تو پڑھائی کا بے حد شوق ہے اور میں اسکے لئے کچھ بھی کرنے کو تیار ہوں۔لیکن چند خیر خواہ یہ کہتے ہیں جنہوں نے دوران تعلیم میرا بے انتہا خیال رکھا تھا، حوصلہ بڑھایا تھا اور کتب تک مفت فراہم کروائیں تھیں کہ "تم اپنی محنت اور پڑھائی جاری رکھو تو یقینا ڈاکٹر بن پاؤ گے"۔میرا بچپن بہت ہی

محرومیوں اور پریشانیوں اور گزرا ہے لیکن پڑھائی سے وابستگی نے مجھے اپنا ماضی اور حال یکسر فراموش کر کے روشن مستقبل کا خواب دکھا دیا ہے۔ جسے فی الحال پورا ہونا ممکن نظر نہیں آتا ہے کہ والد صاحب میری تمام تر تعلیمی سرگرمیوں سے آگاہ ہونے کے باوجود اپنی زندگی میں مگن ہیں۔ مجھے ایک روپیہ تک تعلیمی سلسلے میں آج تک فراہم نہیں کیا ہے۔ مجھے آپ اس کہانی کو پڑھنے کے بعد جو بھی مشورہ دینا چاہیں بلا جھجک دیں کیونکہ آپ مجھے اچھا مشورہ دے سکتے ہیں کہ میں آگے کیا کروں؟ کیا کوئی مجھے میرے سوالوں کے جواب دینا پسند کرے گا؟

اور زندگی بدل گئی

آپ مشہور تابعی مالک بن دینار کے نام سے تو ضرور واقف ہونگے۔آج آپ کو میں انکی زندگی کے ایک ایسے قصے کے بارے میں بتاؤں گا جس نے انکی زندگی کو ہی بدل کر رکھ دیا۔ یہ ان دنوں کا قصہ ہے جب مالک بن دینار کی زندگی عیش ونشاط اور شراب وکباب سے عبارت تھی،آخرت کے احساس سے عاری تھی۔ وہ دن رات گناہوں میں ڈوبے رہتے تھے۔ ان کی ایک بچی تھی کوئی چار برس کی، مینا کی طرح پیاری پیاری باتیں کیا کرتی تھی۔ مالک کو اپنی اس بچی سے بے حد محبت تھی۔ ایک روز وہ بیمار پڑی اور دیکھتے دیکھتے ہی انہیں داغ جدائی دے گئی۔ مالک بن دینار کو سخت صدمہ ہوا۔ کئی روز وہ اس بچی کے غم میں رنجور ودلگیر رہے۔ایک رات سوئے تو بڑا دہشتناک خواب دیکھا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ قیامت برپا ہوچکی ہے اور وہ ایک وسیع و عریض سنسان میدان میں کھڑے ہیں ۔ اچانک ایک خوفناک اژدہا رونما ہوااور انکی طرف لپکا۔ وہ اس سے بچنے کے لئے بھاگے۔ اژدہا بھی ان کے پیچھے دوڑنے لگا۔ دُور ایک نحیف ونزار بوڑھا کھڑا دکھائی دیا۔ یہ دوڑ کر اس کے پاس پہنچے "خدا کے لئے مجھے اس اژدہا سے بچاؤ" وہ چلائے۔ انکی فریاد سن کر بیچارہ بوڑھا رو دیا "میرے بھائی ، مجھ ضعیف وناتواں میں اتنی طاقت کہاں کہ تمہیں اس سے بچا سکوں۔ہاں ادھر قبلہ رخ بھاگتے چلے جاؤ ۔ شاید بچاؤ کی کوئی صورت نکل آئے"۔

مالک بن دینار قبلہ رخ بھاگ کھڑے ہوئے۔اژدہا بھی منہ پھاڑے انکے پیچھے پیچھے تھا۔ جیسے آگ اگل رہا ہو۔ بھاگتے بھاگتے آگے خندق آگئی اور مالک رُک گئے۔ خوف کے مارے انکی بری حالت تھی۔اژدہا قریب تر آتا جا رہا تھا پھر خندق سے آواز آئی، "مالک پیچھے کی طرف بھاگو"۔مالک پیچھے ہٹ کر ایک طرف بھاگے۔ سامنے ایک بوڑھا دکھائی دیا ہانپتے کانپتے اسکے پاس پہنچے۔"اے مرد خدا! مجھے اس آفت سے بچاؤ"وہ چلائے۔بوڑھے کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔"میرے عزیز! مجھ کمزورو ناتواں میں اتنی طاقت کہاں؟ہاں، وہ جو پہاڑ سامنے نظر آرہا ہے اس پر چڑھ جاؤ، وہاں مسلمانوں کی امانتیں ہیں۔ تمھاری بھی کوئی امانت وہاں ہوئی تو وہ تمھیں اپنی حمایت میں لے کر شاید اس اژدہے سے بچالے"۔

مالک پہاڑ پر چڑھ گئے۔پہاڑ چاندی کا تھا جس میں ہر طرف نہریں رواں تھیں،ایک چوٹی پر ایک عالی شان قلعہ تھا۔ مالک اسکے دروازے پر پہنچے تو کسی نے چلا کر کہا: "دروازہ کھول دو، شاید اسکی کوئی امانت یہاں ہو تو اسے دشمن سے بچالے"۔

دروازہ کھل گیا، مالک اندر داخل ہوئے۔دیکھتے کیا ہیں کہ انکی بچی، جو انتقال کر گئی تھی ایک سبزہ زار میں کھیل رہی ہے۔ وہ انہیں دیکھتے ہی،

اباجان ! اباجان ! کہہ کر لپٹ گئی۔ مالک کے چہرے پر بدستور ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ بیٹی نے پوچھا: "ابا خیر تو ہے، آپ بڑے خوفزدہ نظر آتے ہیں"۔

بیٹی ! وہ خونخوار اژدہا میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔ سارے میدان محشر میں بھگاتا پھر رہا ہے۔ کوئی بھی میری مدد نہیں کرتا۔ خدا کے لئے مجھے اس سے بچاؤ۔ مالک بن دینار نے جواب دیا۔

لڑکی نے اژدہے کی طرف دیکھا جو شعلے اگلتا آ رہا تھا۔ "اے اژدہے ! تم میرے باپ کو کیوں ستاتے ہو۔ خیر چاہتے ہو تو واپس چلے جاؤ، نہیں تو میں اپنے اللہ سے فریاد کروں گی اور پھر تمہیں میرے ابا کو ستانے کا مزہ آ جائے گا"۔ لڑکی کا کہنا تھا کہ اژدہا غائب ہو گیا۔

اب بچی نے مالک بن دینار سے کہا "اباجان ! دنیا میں آپکے مشاغل کیا ہیں ! وہ نامراد شراب چھوٹی یا نہیں ؟ پھر اس نے قرآن کریم کی آیت پڑھی "الم یان للذین امنواان تخشع قلوبھم لذکراللہ"

اباجان ! کیا آپ جانتے ہیں، یہ اژدہا کون تھا ؟ یہ آپکے برے اعمال تھے جو آپکا پیچھا کر رہے تھے۔

اور وہ بوڑھے کون تھے بیٹی ؟مالک نے پوچھا۔بیٹی نے جواب دیا" وہ آپ کی نیکیاں تھیں ،ضیعف وناتواں نیکیاں جنکے اندر آپکو بُرے اعمال کے ہولناک انجام سے بچانے کی سکت نہ تھی"۔

معاً مالک بن دینار کی آنکھ کھل گئی۔اسی وقت اُٹھے اور اللہ تعالٰی کے حضور سجدہ ریز ہوگئے۔ رو رو کر اپنے گناہوں سے توبہ کی اور پھر جو زندگی کے شب وروز بدلے تو عالم ہی اور تھا۔آج مالک بن دینار کا شمار اکابرین تابعین اور اُمت کے بڑے بڑے (زاہدوں اور عابدوں میں ہوتا ہے۔(بحوالہ :اُردو ڈائجسٹ جنوری1967

آپ نے بیان کردہ قصہ توپڑھ لیا ہےیقینا اب سوچ رہے ہونگے کہ ایسا کیوں ہوا ؟جناب !آپ درست سوچ رہے ہیں کہ انہوں اپنی بیٹی کی تربیت وپرورش اچھے انداز میں کی تھی جو انکی نجات کا سبب بنی تھی۔جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰی انسان کے نیک اعمال کا اجر چاہے وہ جس صورت میں بھی سرانجام دیئے جائیں ضرور آخرت میں دے گا۔ پھرایسی کیا بات ہے کہ ہم لوگ آج اسطرح کے کام کیوں نہیں کرتے ہیں ؟جن سے ہماری زندگیاں سنور جائیں اور دنیا وآخرت میں کامیابی وکامرانی ہمارا مقدر بن جائے۔ہمیں ایسے اعمال ضرور سرانجام دینے

چاہیے جس سے نہ صرف ہمارے بلکہ دوسروں کی زندگیوں پر گہرا اثر پڑے اور ہماری بے راہ روی کا شکار زندگیوں کا دھار بدل سکے۔تاکہ ہم رسول ﷺ اور اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرپائیں اور ہماری نجات آخرت میں ممکن ہوسکے۔اللہ تعالی ہمیں اپنی اور دوسروں کی زندگیوں اپنے احکامات کے تحت ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

قومی اعزازت اور حکومتی بے حسی

ہر سال کی طرح امسال بھی ہر شعبہ ہائے زندگی کے اُن افراد کو جنہوں نے اپنی عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ اپنے اپنے میدانوں میں کیا ہوتا ہے۔ انکی گراں قدر خدمات کے اعتراف میں اُن کو مختلف قومی اعزاز دینے کا اعلان کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس بار کے اعلان میں بہت سی نامی گرامی شخصیات شامل ہیں لیکن اس بار یوم آزادی کے موقع پر صدر مملکت آصف علی زرداری نے جن شخصیات کے قومی اعزازت کا اعلان کیا ہے۔ ان میں سے بیشتر کا تعلق خود انکی اپنی جماعت پاکستان پیپلز پارٹی سے ہے۔ جو کہ پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ہوا ہے کہ اس طرح سے جمہوری حکومت کے دور میں اپنوں کو جن میں سے کئی ایک اہم حکومتی عہدوں پر فائز ہیں کو قومی اعزاز نوازنے کا ریکارڈ قائم کیا گیا ہے۔ اور وہ بھی ایسی شخصیات کو جنکے ماضی اور حال کے کارناموں کو سامنے رکھا جائے تو کسی طور ان قومی اعزازت کی مستحق قرار نہیں پاتی ہیں۔ جبکہ بیشتر شخصیات کی خدمات کو یکسر نظرانداز کیا گیا ہے جو معاشرے میں مثبت تبدیلی لانے کی کوششوں میں مصروف عمل ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو موجودہ جمہوری حکومت نے قومی اعزازت کو "اندھا بانٹے ریوڑیاں" کے مصداق اپنوں ہی میں بانٹ دیا ہے۔

فاروق ایچ نائیک جو کہ نشان امتیاز سے نوازے گئے ہیں موصوف چیئرمین سینٹ ہیں۔ جو سینیٹر منتخب ہونے سے قبل صدر مملکت جناب آصف علی زرداری کے وکیل کے طور پر بھی اپنی خدمت سرانجام دے چکے ہیں۔ ذرا سوچئے یہ بھلا کیا قومی خدمت ہوئی؟ کیا ایسا کرنے سے ملک وقوم کے وقار میں اضافہ ہوا ہے؟ پیپلز پارٹی میں مختلف عہدوں پر فائز رہنے والی فہمیدہ مرزا جو کہ اسپیکر قومی اسمبلی ہیں کی پارٹی سے وابستگی بھی کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہیں۔ وہ بھی قومی اعزاز کی مستحق قرار پائی ہیں جس طرح سے جناب رحمٰن ملک جو کہ وفاقی وزیر داخلہ ہیں قومی اعزاز کے لئے اہل قرار دیئے گئے ہیں۔ قوم کے لئے انکی گراں قدر خدمات سے سب بخوبی واقف ہیں سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان کو نشان امتیاز دیا جانا چاہیے تھا یا کسی اور قسم کے اعزاز سے، کیونکہ اسطرح کی عمدہ کارکردگی دکھانے والوں سے کسی طور بھی امتیازی سلوک کرنا اچھا طرز عمل نہ ہوگا۔ ملک میں امن کی بگڑتی ہوئی صورتحال خصوصاً کراچی میں جو پچھلے دو ماہ سے ہو رہا ہے کیا اسی کے صلہ میں انکو انعام سے نوازا گیا ہے۔ دہشتگردی کے خلاف تو فوج جنگ لڑ رہی ہے اور یہاں سیاسی طور پر اپنی پارٹی کی جنگ لڑنے والوں کو قومی اعزاز سے نوازا جا رہا ہے۔ یہ اس جمہوری حکومت کی اب تک کی سب سے بڑی بے حسی کا بہترین کارنامہ ہے کہ اس نے ایسا کرکے عوام کے زخموں پر مزید نمک چھڑک دیا ہے۔

سلمان فاروقی جو کہ صدر مملکت کے پرنسل سیکرٹری ہیں اور ایوان صدر میں ہی براجمان ہیں وہ بھی قومی اعزاز حاصل کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ انکی طرح سے ہلال امتیاز سے نوازے جانے والوں میں امریکہ میں پاکستان کے سفیر جناب حسین حقانی، بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کی انچارج فرزانہ راجہ (جنھیں وفاقی وزیر کا درجہ حاصل ہے) اور صدر مملکت کے رفیق کار بیت المال کے چیئر مین زمرد خان شامل ہیں۔ جناب قومی اعزازت قوم کے لئے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں کارہائے نمایاں سرنجام دینے والے قومی ہیروز کو دیئے جاتے ہیں مگر ہمارے ہاں تو الٹی گنگا بہتی ہے۔ آپ نے ایک محاورہ مال مفت، دل بے رحم تو سن رکھا ہوگا اسی کے مصداق نرگس سیٹھی صاحبہ، قاسم ضیاء اور مبشر لقمان کو بھی ستارہ امتیاز اپنے ماتھے پر سجانے کا دیا گیا ہے۔ قاسم ضیاء تو ہاکی فیڈریشن کے صدر ہیں اور پنجاب پیپلز پارٹی کے بھی صدر ماضی میں رہ چکے ہیں۔ تو دوسری طرف نرگس سیٹھی صاحبہ کیبنٹ ڈویژن کی سیکرٹری ہیں اور مبشر لقمان جو کہ پرویز مشرف کے دور حکومت میں پنجاب کے نگران وزیر رہ چکے ہیں۔ اور آجکل ایک ٹی وی چینل پر ٹاک شو کی میزبانی بھی کرتے ہیں مگر انکا انداز دیگر اینکر پرسنز کے مقابلے میں حکومت کو زیادہ سپورٹ کرتا ہے اور شاید اسی وجہ سے انکو قومی اعزاز سے نوازا گیا ہے کہ دیگر تو تصویر کا دوسرا رخ ایسے دکھاتے ہیں کہ سچ سے گھبرانے والوں کی سبکی ہو جاتی ہے وہ اس سبکی کے اعتراف میں کوئی اعزاز دینے سے تو رہے نا؟ قومی اعزازت کی اس بندر بانٹ میں سب سے

حیرت طلب بات یہ ہے کہ خود جناب صدر مملکت صاحب نے اپنے لئے کوئی اعزاز منتخب نہیں کیا ہے کہ انکی کرپٹ کابینہ کی وجہ سے جو ملک کی صورتحال معاشی اعتبار سے ہو چکی ہے اور ملک کی سلامتی خطرے میں پڑ چکی ہے مگر وہ اپنی مدت پوری کرنے کی فکر میں سب کچھ بھول بیٹھے ہیں۔ اور نہ ہی وزیر اعظم کی عمدہ کارکردگی کے اعتراف میں انکو کسی اعزاز سے نوازا ہے۔ جبکہ بلاول بھٹو زرداری اور مولانا فضل الرحمٰن کو بھی قومی اعزاز سے محروم رکھا گیا ہے؟ اے این پی کی کسی اعزاز سے دستار بندی نہیں کی گئی ہے حالانکہ خوش بخت شجاعت کے لئے ستارہ امتیار کا اعلان ہو سکتا ہے تو اے این پی کے اسفندیار ولی کا نام بھی اس فہرست میں شامل ہونا چاہیے تھا بمعہ ریلوے کا بیڑہ غرق کرنے میں اہم کردار سرانجام دینے والے غلام احمد بلور کے ساتھ ، کیونکہ دونوں نے اپنے اپنے میدان میں عمدہ کارگردگی کا مظاہرہ کر عوام کے دل اس انداز میں جیتے ہیں کہ وہ ہر لمحہ آہیں بھرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اگلی بار عوام کی یہ حسرت بھی پوری ہو جائے کیونکہ موجودہ جمہوری حکومت کی بے حسی دیکھ کر لگ رہا ہے کہ وہ تمام تر ریکارڈ اپنے نام کروانا چاہتی ہے تاکہ سب کو یاد رہے جائے کہ کبھی کسی نے اس قوم کی اس قدر تذلیل کی تھی ۔ پتا نہیں کیا بات ہے ہم لوگ ذاتی مفادات میں لگے ہوئے ہیں ۔ ملک کی کوئی فکر نہیں ہے ہمارے نااہل حکمران ہمارے ہی ہاتھوں سے تو برسراقتدار آئے ہیں اب ہم ان سے کیا شکوہ شکایت کریں کہ قصوروار تو ہم خود ہیں اب جب ہماری حالت بُری ہو رہی ہے تو

کیوں پریشان ہو رہے ہیں؟ خدا ہمارے حال پر رحم فرمائے اور ہمیں ایسی قیادت فراہم کرے جو ہماری بھلائی کا سوچے نیز عوام کو عقل دے کہ وہ آئندہ محب وطن اور ایماندار افراد کو ووٹ دے کر اقتدار میں لا کر اپنی حالت سدھارے وگرنہ ہم ایسے ہی جلتے اور مرتے رہیں گے اور حکومت وقت کو کوستے رہیں گے؟؟؟

ڈاکٹر ذوالفقار مرزا نے رمضان کے آخری عشرہ میں دھماکا خیز پریس کانفرنس کرتے ہوئے بہت سی تلخ حقیقتیں ایم کیو ایم ، اے این پی اور اپنی ہی پارٹی کے چند سرکردہ لوگوں کی آشکار کر دی ہیں اور وہ بھی قرآن مجید کو اپنے سر پر رکھ کر جس سے انکی مستند ہونے کی تصدیق بھی ہو جاتی ہے، کیونکہ کوئی ذی شعور مسلمان قرآن مجید کو اپنے مذموم مفادات کی خاطر سر پر رکھ کر غلط باتوں کو درست قرار نہیں دے سکتا ہے۔اگرچہ بعدازں ایم کیوایم کی جانب سے تین مرتبہ پریس کانفرنس کی گئی ہیں۔ لیکن ڈاکٹر ذوالفقار مرزا کی جانب سے لگائے گئے الزامات کی بھرپور طور صفائی پیش نہیں کی گئی ہے جس سے کسی قدر شبہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ ان الزامات میں بہت حد تک صداقت موجود ہے ؟ایک طرف تو موجودہ سیاسی صورتحال کو مزید الجھایا گیا ہے تو دوسری جانب میڈیا کو بھی خوب لتاڑہ گیا ہے۔حالانکہ میڈیا تو حقائق عوام کے سامنے لا کر سب کا جھوٹ سچ سامنے لایا ہے۔ جس سے پہلے بھی لوگ کسی حد تک واقف تھے اگرچہ چند صحافی حضرات اپنے مفادات کی خاطر بہت کچھ کر جاتے ہیں، لیکن ایسے جانباز صحافی بھی ہیں جو اپنے مادر وطن کی بقا کے لئے سچ کا ساتھ دیتے ہیں۔اب اگر وہ حق بات سامنے لانے کے مرتکب ہو کر دھمکیوں اور گولیوں کا نشانہ بنتے ہیں تو دوسروں کے لئے مثال بنتے ہیں؟ تنقید

کرنے والے لوگ اپنے گریبان میں نہیں دیکھتے ہیں کہ کڑوا سچ کم کم ہی لوگ اپنے بارے میں ہی برداشت کرپاتے ہیں۔ کیونکہ انہیں تو اپنے مفادات کا حصول چاہیے ہوتا ہے چاہے اسکے لئے کچھ بھی کرنا کیوں نہ پڑے۔ ابھی ایک چھوٹی سی کہانی اس حوالے سے یاد آرہی ہے وہ آپ بھی سن لیجئے کیونکہ یہ ہمارے ملک کے حالات وواقعات سے مماثلت رکھتی ہے۔

ایک تھا جادوگر۔ وہ دشوار گزار پہاڑیوں اور گھنے جنگلوں میں رہا کرتا تھا۔ اُس نے ہزاروں بھیڑیں پال رکھی تھیں۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ تمام بھیڑیں جادوگر سے خوفزدہ رہا کرتی تھیں۔ کیونکہ وہ ہر روز مشاہدہ کرتی تھیں کہ اُن میں سے ایک ناشتے کے لئے کاٹ لی جاتی ہے اور دوسری دوپہر کے کھانے کے لئے چھری تلے آجاتی ہے۔ اسی لئے آہستہ آہستہ وہ جادوگر کے ہاں سے فرار ہونے لگیں۔ قرب وجودار میں پھیلے وسیع وعریض جنگل اور پہاڑی سلسلے میں فرار ہوجانے والی بھیڑوں کی تلاش انتہائی مشکل اور جان لیوا عمل تھا۔ بھیڑوں کا مالک چونکہ جادوگر تھا لہٰذا اُس نے جادو کا استعمال کیا۔ اُس نے تمام بھیڑوں کو ورغلایا اور ہر بھیڑ کے کان میں کچھ نہ کچھ پڑھ کر پھونک دیا۔ کچھ بھیڑوں کو اُس نے کہا کہ تم تو انسان ہو۔ تمہیں مجھ سے خوفزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ کھانے کے لئے تو صرف بھیڑ ہی کاٹی جائے گی، تمہیں اس سے کیا غرض؟ کیونکہ تم تو میری طرح انسان ہو۔ کچھ اور بھیڑوں سے اُس نے کہا کہ تم

تو شیر ہو۔ بھیڑیں تو ڈرا ہی کرتی ہیں' ڈرپوک ہوتی ہیں' بھاگ بھی جاتی ہیں۔ لیکن تم تو شیر ہو' تمہیں تو فرار ہونے کی بجائے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنی چاہیے۔ کیونکہ شیر ہونے کی باعث یہی رویہ اختیار کرنا تمہاری بہادری اور قوت کا تقاضا ہے۔ بھیڑوں کے طبقے سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا اُن کا کٹ مرنا تمہارا مسئلہ نہیں ۔وہ تو بنائی ہی اس لئے گئی ہیں کہ انہیں مارا جائے۔ لیکن تم تو اس جنگل میں میرے بہترین دوستوں میں سے ہو۔

یوں اُس نے تمام بھیڑوں کو مطمئن کر دیا۔اگلے ہی دن سے بھیڑوں کے فرار ہونے کا سلسلہ بند ہوگیا۔ وہ اب بھی پہلے ہی کی طرح ہر روز کسی نہ کسی بھیڑ کو چھری تلے گردن کٹواتے دیکھتیں لیکن اب انہیں اس عمل پر کوئی تشویش نہیں ہوتی تھی ۔ کوئی شیر تھی، کوئی ببر شیر تھی، کوئی انسان تھی۔۔۔۔۔۔اُن میں کوئی بھیڑ تو تھی ہی نہیں ، سوائے اُس کے جو ہر روز مر جاتی تھی۔ جو ماری جاتی تھی صرف وہ ہی بھیڑ ہوتی تھی۔ اس طرح وہ جادو گر بغیر کسی کو ملازم رکھے ہزاروں بھیڑوں کو قابو میں رکھتا تھا۔ وہ بھوک مٹانے اور گھومنے پھرنے جنگلی چراگاہوں کو جاتیں اور یہی اعتماد دل میں لئے واپس آجاتیں کہ "وہ کوئی اور بھیڑ ہوگی جو تیز دھار چھری

تلے دم توڑ دے گی۔ہم نہیں ۔ ہم اس ہجوم کا حصہ نہیں ہیں۔ ہم تو مطمئن ہیں' عزت اور احترام یافتہ ہیں اور اس عظیم جادو گر کی دوست"۔ یوں اُس جادوگر کی تمام مشکلات حل ہوگئیں۔

جناب کچھ سمجھ میں آیا بالکل جادوگر کی طرح ہمارے سیاست دان بھی گذشتہ ساٹھ سالوں سے عوام کو طرح طرح کے جھانسے دے کر اپنے دام میں پھنسائے بیٹھے ہیں اور ہم عوام روزی روٹی کے چکر میں پھنس کر رہ جانے کی وجہ سے کچھ بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو کر یا یکسر فراموش اختیار کر کے بس اپنی ہی دنیا میں مگن ہیں۔ آپ نے سرکس میں "مداری" کے کرتب تو دیکھے ہی ہونگے؟ لیکن کیا آپ جانتے ہیں کہ اکثر و بیشتر سیاستدان بھی بہت بڑے "مداری" ہوتے ہیں۔۔۔۔ لفظوں کے مداری۔جی ہاں جو اپنے کھوکھلے بیان بازی پر مشتمل الفاظ کی رسی کو سانپ بنا کر عوام کو کمال طریقے سے ڈستے رہتے ہیں۔یہ دھوکا بازی، چالاکی اور مفاد پرستی کا مظاہرہ کر تے ہوئے اپنے کاروبار سیاست کو چلاتے ہیں۔اب کوئی انکے گریبان سے پکڑے اور پوچھے یہ کیوں مذہبی، نسلی اور سیاسی اختلافات کے بیج بو کر ایک دوسرے کو مارنے پر اُکسا رہے ہیں۔ یہ ایک کڑوا سچ ہے کہ ہر انسان اپنے ہی فائدہ کا سوچتا ہے دوسروں کا نہیں؟اسی وجہ سے ہمارا ملک اس قدر معاشی ابتری کا شکار ہو چکا ہے۔پی آئی اے، ریلوے اور اسٹیل مل کا بیڑہ غرق کروا چکے ہیں مزید کی کوششیں جاری ہیں۔افسوس ناک

بات یہ ہے کہ حالیہ بارشوں سے بچاؤ کی تدابیر تو بروقت اپنی نااہلی کی وجہ سے نہ کر سکے ہیں لیکن بیرونی ممالک سے امداد کی خوب توقع لگائے ہوئے ہیں؟حالیہ ہونے بارشوں نے کراچی میں جس قدر تباہی مچائی ہے اور دیگر سندھ کے چند اضلاع میں کیا یہ چیز ہمیں خدا کے قہر ظاہر ہونے کا پتا تو نہیں دے رہی ہے ؟آپ سب کے سامنے گذشتہ دو تین سالوں کے واقعات سامنے ہیں ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کیا یہ بات غلط ہے ؟ پتانہیں کیا سوچ کر ہمارے ملک کے کرتا دھرتا چپ دھرے بیٹھے ہوئے ہیں؟کیا سب کچھ خود بخود درست ہو جائے گا یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا لیکن تبدیلی اگر آئے گی تو عوام ہی لائے گی ۔کیونکہ جنہوں نے ٹھیک ہونا ہوتا تو اب تک ہو چکے ہوتے ۔ہمارے سامنے سب سیاستدانوں کا ماضی و حال ہے اگر اب بھی ان کا مستقبل میں ساتھ عوام نے دیا تو بہت برا ہوگا۔ملک اور اپنی تقدیر کو بدلنے کے لئے اگلے الیکشن میں مخلص لوگوں کو اقتدار میں لانا ہوگا ورنہ آئندہ آنے والی نسلیں ہمیں کبھی اچھے الفاظ میں یاد نہیں رکھیں گی۔

ڈینگی وائرس، سیلاب متاثرین اور حکومتی نااہلی

ہمارے ارضِ پاکستان کو اوراس میں رہنے والی عوام کو گذشتہ چونسٹھ سالوں سے یعنی معرضِ وجود میں آنے کے بعد سے آج تک بہت سی مشکلات اور خوفناک حالات وواقعات کا مقابلہ کرناپڑرہاہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ ہمارے دشمن ہمیشہ اپنے منصوبوں میں ناکام رہے ہیں مگر ہمارے اپنوں نے آستین کے سانپ بن کر ناقابل تلافی نقصان ایک حصہ جدا کرکے ضرور دیا ہے۔جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہم جن پر بھروسہ کرتے ہیں وہ کبھی قابل اعتبارنہیں ہوتے ،مگر مفادات کی خاطر انکے لئے سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ آجکل ہو رہاہے کہ عرصہ بعد جمہوری حکومت آئی ہے تو قابل افسران کو کام نہیں کرنے دیا جارہاہے، محض سیاسی بیانات سے اپنی ووٹ بنک کو مضبوط بنانے کی کوششیں جاری ہیں۔ عوام کی حالت روز.بروز کمزور ہوتی جارہی ہے جیسے ہماری معاشی صورتحال کی ہو رہی ہے۔حکومت نہ کوئی خاص منصوبہ بندی ماضی میں کرپائی ہے اور نہ آئندہ کی توقع ہم رکھ سکتے ہیں کہ ہر شعبہ میں کرپشن کی داستانیں زبان زد عام ہیں۔ایک کے بعد ایک سرکاری محکمے کی حالت خراب سے خراب تر ہو رہی ہے۔مگر حکومتی دعوے ایسے ہیں کہ شاید ہم امریکہ سے زیادہ ترقی یافتہ ملک بن چکے ہیں حالانکہ اس جمہوری حکومت سے.بڑی توقعات تھیں مگر کوئی ایک بھی پوری نہیں ہو سکی ہے،تینوں

جماعتوں کی آپس کی چپقلش نے عوام کو بنیادی ضروریات زندگی کی سہولیات سے بھی کافی حد تک محروم کر دیا ہے۔اگرچہ صوبہ پنجاب میں جناب وزیر اعلیٰ شہباز شریف صاحب عمدہ انداز میں نظام چلانے کی کوشش کر رہے ہیں مگر بلاوجہ بال کی کھال نکالنے والے اُن پر تنقید کرنے سے باز نہیں آتے ہیں، جیسا کہ آجکل ہو رہا ہے۔ ڈینگی وائرس کی وباء پر قابو پانا اگرچہ چند روز کا عمل نہیں ہے قصوروار چاہے کوئی بھی ہو، ہم عوام بھی اس میں شامل ہیں کہ ہم بھی تو صفائی کا خیال نہیں رکھتے ہیں اپنے ارد گرد دیکھئے گا پتا چل جائے گا کہ میرے کہنے کا کیا مطلب ہے مگر یہاں بھی سیاست اپنے عروج پر ہے ہر جانب الزامات و تنقید کی بارش ہو رہی ہے ۔مگر جناب کوئی اپنی نااہلی کی جانب غور نہیں کرتا ہے کہ چاروں صوبوں میں ایسے ایسے مسائل ہیں کہ اگر اُن کو حل کرنے کی جانب توجہ دے دیں تو اُن کو بیان بازی کا وقت ہی نہ ملے ،مگر جناب یہاں تو بیان بازی کے سواء اور کوئی کام ہے نہیں کرنے کو؟

اگرچہ ڈینگی سے سب خوف زدہ ہیں مگر پاکستان کے مستقبل سے کوئی خائف نہیں ہے جو کہ ایک لمحہ فکریہ ہے بہرحال عوام الناس کے لئے ڈینگی کے بارے میں چند معلومات گوش گذار کر رہا ہوں تاکہ اُنکے دلوں میں اس مرض کا خوف کم ہو سکے اور وہ اس سے بچاؤ کی بہتر کوششیں کر سکیں۔ڈینگی ایک متعدی مرض ہے جو ڈینگی وائرس کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے جس کی چار اقسام ہیں ۔ کوئی بھی شخص جو ایک

بار ڈینگی وائرس کی کسی بھی ایک قسم کا شکار ہو چکا ہو، وہ زندگی میں کبھی بھی اگر ڈینگی وائرس کی کسی دوسری قسم کا شکار ہو تو ڈینگی ھمیورہجک بخار میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

مچھر کے کاٹنے سے پھیلتا ہےAedes ڈینگی انسانوں میں ڈینگی وائرس سے متاثرہ مادہ ۔ مچھر خود ایسے مریض کو کاٹنے سے متاثر ہوتا ہے جس کے خون میں ڈینگی وائرس پایا جاتا ہو۔ایک بات یاد رکھئے گا کہ ڈینگی کبھی کسی متاثرہ شخص سے دوسرے شخص کو از خود منتقل نہیں ہوتا ہے۔اگر آپ ان علامات کو اپنے اندر محسوس کریں تو فوراً قریبی ہسپتال سے رابطہ کریں کیونکہ انکے ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ڈینگی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

تیز درجے کا بخار

سر میں شدید درد

آنکھوں کے پچھلے حصے میں درد

جوڑوں، پٹھوں اور ہڈیوں میں درد کا احساس

دانتوں، مسوڑوں اور ناک وغیرہ سے اخراج خون

ڈینگی سے متاثرہ فرد کو اچھی خوارک، آرام، مشروبات کا زیادہ استعمال اور درد کے لئے استعمال کرنی چاہیے۔ متاثرہ مریض درد کے لئے ماسوائےParacetamol کے کوئی اور دوا یا ملیریا کی ادویات ہر گز استعمال نہ کریں۔اپنےPracetamol

آپ اور اپنے پیاروں کو ڈینگی سے محفوظ رکھنے کا بہترین حل یہ ہے کہ آپ اسکے پھیلاؤ کے تمام تر راستے بند کریں۔ اچھی طرح ڈھانپے والے کپڑے استعمال کریں، گندا پانی کہیں کھڑا نہ ہونے دیں، گھر اور گھر کے ارد گرد صفائی کا خاص خیال رکھیں اور جراثیم کش ادویات کا سپرے کریں، ممکن ہو سکے تو گھر میں مچھر والے کوائل اور مچھر دانی کا استعمال کریں۔

ڈینگی وائرس اور حالیہ بارشوں سے پیدا ہونے والے سیلاب کی تباہ کاریوں نے ڈاکٹر ذوالفقار مرزا کے دھماکہ خیز بیانات کی اہمیت کو قدرے دھندلا سا دیا ہے۔ مگر موجودہ سیاسی حکومت جو کچھ اب تک پچھلے چند سالوں میں کر پائی ہے اس سے تو سب ہی بخوبی واقف ہیں اور جلتی پر تیل ڈاکٹر صاحب نے اپنی محب وطنی سے لگا دیا ہے۔ حکومت وقت ایک جانب سے دامن بچاتی ہے تو دوسری جانب سے آگ بھڑکا دی جاتی ہے یا لگائی جاتی ہے اس بات کو فی الحال چھوڑ یئے کہ ہمارے ہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے کس کو کیسے سمجھائیں کچھ سمجھ نہیں آتا ہے اور سچ تو وقت آنے پر سامنے آ ہی جا تا ہے۔ یہی دیکھ لیجئے کہ جمہوری حکومت کے دور میں سیلاب نے دوسری بار تباہی مچائی ہے اور حالات ویسے کے ویسے ہی ہیں جیسے پچھلی بار تھے، شاید اس سے بھی بدتر ہیں کہ حکومت باہر سے امداد کی طلب گار ہے مگر امداد ہے کہ مل ہی نہیں پائی جتنی توقع تھی کہ مل جائے گی۔ اس میں قصور وار سراسر ہماری موجودہ نااہل جمہوری حکومت کا ہے کہ گذشتہ سیلاب

کے متاثرین کی خاطر خواہ مدد نہیں کی گئی اور ساری امداد لوگوں نے اپنی ہی لوگوں میں بندر بانٹ کروادی۔جن کو ملی وہ آٹے میں نمک کے برابر ہے۔جب حکمرانوں کی کرپشن کی کہانیاں پوری دنیا میں سنی جائیں گی تو کون کیوں امداد کرے گااور کب تک کرے گا؟آخر کو ہم لوگ امداد کی بجائے اپنے اعمال بہتر کیوں نہیں کرتے ہیں۔کیا ہم لوگ دفاتر میں محض کرپشن اور اپنے ذاتی مفادات کی خاطر تنخوائیں سرکاری خزانوں سے وصول کرتے ہیں کیوں بھلائی کے کام کاج کرتے ہیں؟چلیں بھلائی نہ کریں اپنی ذمے سونپے فرائض تو ڈھنگ سے ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ کو بھی جواب دینا ہے مگر جناب! یہاں کل کی سوچتا کون ہے؟کیا سیلاب سے بچاؤ کے طریقے ختم ہو چکے ہیں؟ کیا ایسے اقدامات کرنا جرم ہے جن سے لوگوں کی جان و مال محفوظ رکھی جاسکے؟کالا باغ ڈیم بن جانے سے کیا پاکستان بنجر ہو جائے گا جو اس کی مخالفت کی جاتی ہے؟ہمارے سیاسی لیڈران کی سب سے بڑی ناکامی تو یہ ہے کہ ہم کالاباغ ڈیم پر ایک نہیں ہو پائے ہیں جو پاکستان کی بقا اور سلامتی کا بہترین مظہر بن پاتا؟ایک بات یاد رکھئے گا جب تک ہم مختلف مقامات پر چھوٹے چھوٹے ڈیمز اور کالاباغ ڈیم نہیں بنائیں گے اُس وقت تک ہم اسی طرح جانی ومالی نقصان سے دوچار ہوتے رہیں گے اور امداد کی بھیک مانگتے رہیں گے اور متاثرین کی بدعائیں ذمہ داران کا پیچھا کرتی رہیں گی؟

یہ کیسی محبت ہے؟

"محبت کی شادی میں رکاوٹ بننے کی وجہ سے بھائی نے سگی بہن کو قتل کر دیا"۔
اخبار میں شائع کردہ اس خبر نے مجھے بے حد افسردہ کر دیا ہے، ایسی بات پہلی بار کم از کم میرے سامنے آئی کہ کسی نے محض محبت کی شادی میں رکاوٹ بننے پر کسی کو جان سے ہی مار دیا ہو،اسی وجہ سے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ محبت کے بارے میں ہیلن کیلر نے اپنی کتاب "میری زندگی" میں لکھا ہے کہ محبت کو تم چھو نہیں سکتے ہو، لیکن تم اس کی حلاوت اور چاشنی کو جو اسکی وجہ سے ہر شئے میں پائی جاتی ہے، محسوس کر سکتے ہو۔ محبت کر تو ہر شخص لیتا ہے مگر بہت کم لوگ ہی اس کارزار میں آکر قربانی دینے پر آمادہ ہوتے ہیں مگر دوسروں کو اپنی محبت کی خاطر ضرور قربان کر دیتے ہیں۔ عباس کی کہانی بھی کچھ ایسی ہی ہے جس نے اپنی محبت کا پانے کے لئے اپنی ہی پیاری بہن کو جان سے مار ڈالا۔
تفصیلات کے مطابق عباس نامی نوجوان جو کہ اپنی چچازاد سے بچپن سے محبت کرتا تھا وہ بھی اس سے دل سے محبت کرتی تھی، سے شادی کرنے کا خواہشمند تھا۔ اس نے اپنی پسند سے اپنے والد کو آگاہ کیا، جس نے اپنے بھائی سے اس سلسلے

میں بات کی ۔اگرچہ عباس کی شادی کی بات اس کے چچا نے تسلیم کر لی کہ وہ اسکی بیٹی کے لئے ایک اچھا شوہر ثابت ہو سکتا تھا۔مگر ایک شرط بھی اُس نے رکھی کہ اسکا بھائی اپنی طلاق یافتہ بیٹی کی شادی اُس کے چھوٹے بیٹے جس کی عمر دس سال تک بتائی جاتی ہے سے کر دے۔ عباس کا والد جب گھر آیا اور اس نے یہ شرط گھر آ کر بتائی تو عباس کی بہن نے صاف انکار کر دیا۔اسی بات کی وجہ سے عباس کی اپنی بہن سے ان بن ہو گئی جس کی وجہ سے دونوں میں روز ہی جھگڑا ہونے لگا کہ اسکی بہن عباس کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے اپنے سے بہت کم سن لڑکے سے شادی نہیں کر سکتی تھی۔عباس کرتا بھی تو کیا کرتا ایک طرف بہن کا پیار تھا اور دوسری طرف اس کی بچپن کی محبت تھی جس کے ساتھ مرنے جینے کی شاید قسمیں اور وعدے تھے۔بہر حال روز کی چپقلش نے ایک روز اس معاملے کو ختم ہی کر ڈالا۔

محبت وہ جذبہ ہے جو کسی پر مہربان ہو جائے تو دنیا کی تمام خوشیاں انسان کی جھولی میں ڈال دیتا ہے لیکن یہی محبت جب چھن جائے یا اسکا تصور کیا جائے تو یہ اداس کرنے کے ساتھ ساتھ ہماری زندگی میں موجود تمام تر خوشیاں اور رعنائیاں اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔اسی طرح یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جب بہت زیادہ محبت کسی کے ساتھ کی جاتی ہے اور جب وہ اپنا خاصا بدلتی ہے تو وہ نہایت تلخ اور مہلک نفرت کا روپ دھار لیتی ہے۔عباس کی محبت نے بھی اسکو وہ

کچھ کرنے پر مجبور کر دیا تھا جس کے بارے میں شاید اس نے خواب و خیال میں بھی سوچا نہ تھا۔ معاملہ جس دن رونما ہوا تھا۔ اتفاق سے اس دن اُسکے باقی گھر والے ماسوائے اُسکی بہن کے گھر سے باہر تھے۔ عباس نے ایک بار پھر وقوعے کے روز اپنی بہن سے وٹہ سٹہ کی شادی بات کی کہ شاید وہ مان جائے لیکن اس نے اس بار بھی انکار ہی میں جواب دیا تو عباس نے اپنی آنکھوں کے سامنے محبت کو اپنے پاس سے دور جاتے دیکھا تو طیش میں آگیا اور اس نے بہن کو گلا دبا کر قتل کرکے بھاگ گیا۔ جب گھر والے واپس آئے تو وہ سکتے میں آگئے خون میں لت پت عباس کی بہن کو دیکھ کر۔اس کے والد نے معاملے کی حقیقت پر پہنچنے پر عباس کے خلاف ایف آئی آر کٹوا دی۔ جسکے نتیجے میں چند روز میں عباس پولیس کی حراست میں آگیا اور اب اسکے خلاف قانونی کاروائی ہو رہی ہے۔ ایسا گھناؤنا فعل کرکے عباس کو محبت حاصل تو نہیں ہوئی ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو چکا ہو کہ اس نے کیسی محبت کی ہے جس میں ملا کچھ بھی تو نہیں ہے؟

کیا ہے عشق کی غارت گری نے شرمندہ
سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں

اگرچہ محبت کا آغاز تو مسکراہٹ سے ہوتا ہے لیکن خاتمہ آنسوؤں پر ہوتا ہے۔ پھولوں جیسی نرم و نازک محبت انسان کو سخت چٹانوں سے ٹکرانے کی جرات پیدا

کر دیتی ہے۔اور اگر محبت سچائی پر مبنی ہو تو محبت میں قربانیاں دی جاتی ہیں۔ لیکن یہ کیسی محبت ہے کہ محبت تو ہم خود کرتے ہیں مگر جب قربانی کا وقت آتا ہے تو دوسروں کو قربانی کا بکرا بناتے ہیں۔کیا محض اپنی پسند کی شادی کی خاطر عباس کا اپنی ہی بہن کو قتل کر دینا جائز ہے؟وہ بھی اس بہن کی خاطر جو ساری عمر اپنی خوشیاں بھی بھائی پر واری کر دینے کی کوشش کرتی ہے۔یہ کس طرح کی محبت ہے کہ ہم سے جو ہمارے اپنے محبت کر تے ہیں اس سے محبت کا اظہار تو کرتے نہیں ہیں اور غیروں کی محبت کو کسی بھی قیمت پر حاصل کرنے کی جستجو کرتے ہیں؟لوگ کیوں اپنے مقاصد کی خاطر محبت کو بدنام کرتے ہیں کیا ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ عباس کا چچا ایسے ہی اپنی بیٹی کی شادی اُس سے کر دیتا؟ہم لوگ جیسے مذہب کا نام لے لے کر جو کچھ کرتے ہیں ویسا ہی محبت کے معاملے میں بھی کرنے لگے ہیں ہر جائز و ناجائز کام اس کی آڑ میں کرتے ہیں۔یہی دیکھ لیجئے کہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر قتل کرنے والے کو بھی ہم بے قصور تصور کرتے ہیں اور اسکی رہائی کی خاطر دوسروں کو پریشان کرکے بھی اپنی غلطی تصور نہیں کرتے ہیں؟ یہ نہیں دیکھتے کہ جس رسول ﷺ کی اطاعت اور محبت کے دعویٰ دار ہیں انہوں نے کبھی قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کا درس نہیں دیا ہے۔قرآن میں ہے کہ جب کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اسکی پوری طرح تحقیق کر لیا کرو مگر ہم تو قرآن کو پوری طرح سمجھ نہیں پائے ہیں صرف سجاوٹ کے لئے گھروں میں زیادہ تر رکھا پڑا رہتا ہے۔یہ کیسی محبت ہے ہم ایک

دوسروں کا گلہ کاٹ کر بھی اپنے آپ کو رسول ﷺ کا سچا پیروکار سمجھتے ہیں کیوں صرف تصویر کا ایک ہی رخ دیکھنے کے عادی ہوتے جارہے ہیں یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ دوسرا پہلو کیا دکھارہا ہے؟ خدارا اپنی محبت کو سمجھیں کہیں یہ ہمیں اُس راہ پر نہ لے جائے کہ روز محشر ہمیں خدا اور رسول ﷺ کے سامنے شرمسار کردے۔اللہ تعالیٰ ! ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

کیسے منصف کریں

قیام پاکستان سے آج تک جتنی بھی حکومتیں آئی ہیں انہوں مواقع ملنے کے باوجود بھی ملک کی تعمیر وترقی، عوام کی زندگیوں میں خوشحالی اور معاشی استحکام لانے میں کوئی خاص کارنامہ سرانجام نہیں دیا ہے۔ جو بھی اقتدار میں آیا ہے اس نے ہر ممکن حد تک عوام کی زندگی میں بہتری لانے کی کوششوں سے دامن چھڑایااور اپنے مفاد کے لئے ملک وقوم کو استعمال کیااور اپنے بنکوں کو ڈالرز سے بھرا ہے۔پاکستانی عوام نے ہمیشہ اسی امید پر آزمائے ہوئے سیاسی لیڈران کو ووٹ دیئے کہ شاید ان کی حالت بدل پائے مگر ہوااس کے برعکس اور جینا اتنا آسان نہ رہا جتنا کہ مرنا۔پاکستانی عوام آجکل بھی اپنے محبوب سیاسی لیڈران کی بیان بازی سے خوب لطف واندوز ہو رہی ہے کہ وہ باتیں ہی ایسی کرتے ہیں جن سے اُن کو کچھ بھی تو حاصل نہیں ہوتاہے اور نہ ہی انکی قسمت بدلتی ہے مگر وہ اس سے ایک چیز تو بہت حد تک سمجھ چکی ہے کہ ہمارے لیڈران کو ماسوائے اپنے مفاد کے کچھ عزیز تر نہیں ہے۔جس کا جو جی چاہتاہے وقت آنے پر ایک دوسرے کے خلاف کہا لیا اور سن لیا جاتا ہے اور بعد میں ایک ہو جاتے ہیں لیکن ہم عوام اس حد تک نہیں سوچ نہیں پاتے ہیں ۔ابھی اسی بات کو ہی لے لیجئے کہ جب جناب وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف صاحب نے چند روز قبل جو محترم صدر مملکت کے خلاف اور کرپٹ

لوگوں کے خلاف کچھ زیادہ بول دیا ہے تو انکے خلاف بھی بیان بازی شروع ہو گئی ہے، عمران خان کا جلسہ بہت کچھ ظاہر کر گیا ہے جس سے سیاسی ماحول کافی گرم ہو چکا ہے ۔30 اکتوبر کو پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم و دیگر حمایتی جماعتوں نے استحکام جمہوریت ریلی منعقد کروا کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اس کڑے وقت میں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ حالانکہ کہ ماضی میں دونوں کے درمیان کافی اختلافات پیدا ہو گئے تھے مگر ضرورت ایجاد کی ماں کے مصدر، دونوں نے حالات کا دھارا اپنے خلاف ہوتے دیکھا کر ایک ہونا ضروری سمجھا کہ اتفاق میں برکت جو ہوتی ہے۔ اب عوام کرے تو کیا کرے اور کسے منصف کرے کہ جس پہ بھروسہ کیا انہوں نے ہی انکا جینا محال کر رکھا ہے ؟ دوسری طرف عمران خان صاحب نے بھی اسی روز لاہور کے مینار پاکستان میں بھرپور عوامی طاقت کا مظاہرہ کرکے تبدیلی لانے کا عندیہ دے دیا ہے۔ انہوں نے مستقبل کے پروگرام کے بارے میں عوام کو آگاہ کیا اور واشگاف الفاظ کہا ہے کہ تمام تر سیاسی لیڈران اپنے اثاثے ظاہر کریں بصورت دیگر وہ سول نافرمانی کی تحریک چلائیں گے۔ انہوں نے شریف برادران اور محترم صدر مملکت پر بھی کڑی تنقید کی ہے کہ انکی وجہ سے لوگ خودکشیوں اور ڈینگی وائرس سے مارے گئے ہیں۔ اس جلسے میں بھرپور شرکت عوام کی یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ تبدیلی کے خواہاں ہیں لیکن یہ تو آنے والا وقت ہی ظاہر کرے گا کہ آئندہ انتخابات

ہیں پاکستان تحریک انصاف کی جماعت کس قدر ووٹ حاصل کر پائے گی اور وہ تبدیلی جس کو عمران خان صاحب بیان فرمایا ہے کیسے رونما ہو پاتی ہے ؟ اب عوام بچاری کر ے بھی تو کیا کرے کہ جن کو وہ اپنے قیمتی ووٹوں سے اقتدار میں لائی ہے انھوں نے وہ کارنامے سرانجام دیئے ہیں کہ وہ خود انکو اقتدار میں لاکران سے نالاں ہو چکی ہے کہ تمام تر سرکاری ادارے خسارے میں ہیں یا دیوالیہ ہونے کے قریب تر ہیں بالخصوص پاکستان اسٹیل ملز جو حکمرانوں کی سرپرستی میں بدترین کرپشن کی وجہ سے اکثر وبیشتر شہ سرخیوں میں رہتی ہے اب اسکا حال یہ ہو چکا ہے کہ 2000ء سے 2007ء تک منافع بخش ادارہ رہا ہے اب اسکی پیداوار 15 فیصد تک آ گئی ہے جو کہ محض تین چار سال قبل 82 فیصد تھی اور اب اسکا خسارہ تقریبا 104 ارب ہو چکا ہے۔اب اسکو دیوالیہ ہونے سے بچانے کے لئے 20 ارب روپے کی بیل آوٹ پیکج کی استدعا کی گئی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ پی آئی اے کا حال بھی بدتر ہو چکا ہے گذشتہ چند سالوں سے خسارہ برداشت کرنے والے ادارے کو اس سال ریکارڈ خسارہ برداشت کرنا پڑے گا جس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ لیکن ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ ضرورت سے زیادہ سٹاف کی بھرتی ہو چکی ہے، بالکل اسی طرح جیسے کہ ریلوے کے محکمے میں غیر ضروری بھرتیاں کی گئی ہیں۔ ریلوے کے محکمے میں اقرباپروری، کرپشن ،ٹریک کی مناسب دیکھا بھال نہ ہونے ،مال گاڑیوں کے خاطر خواہ تعداد میں نہ چلنے کی وجہ سے خسارہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا جا رہا ہے جس کی وجہ سے گاڑیوں کو چلانے کے لئے ایندھن بھی خرید نہیں جا پا رہا ہے

جس کی وجہ سے عوام کے کم نرخ پر آمدورفت کا ذریعہ بھی بند ہوتا جا رہا ہے کیونکہ مختلف روٹس پر چلنے والی گاڑیوں کو معطل کیا جا رہا ہے۔ اب کون ہمارے اُن ناخداؤں سے پوچھے جن کے آتے ہی گذشتہ چند سالوں میں تین منافع بخش ادارے خسارے میں چلے گئے ہیں ؟ لیکن انہیں تو باہر کے دوروں سے ہی فرصت نہیں ملتی ہے کہ وہ عوام کے بارے میں سوچیں، درحقیقت عوام ہی اصل قصوروار ہے کہ اس نے ایسے لوگوں کو اپنے سر پر مسلط کیا اب ضرورت اس بات کی ہے کہ حقائق کو دیکھ کر آنکھیں کھول لینی چاہیں اور مستقبل کے لئے ابھی سے فیصلہ کر لینا چاہیے کہ کیسے اور کن لوگوں کو اقتدار کی مسند پر بیٹھنا چاہیے اور یہ فیصلہ ہم عوام کو خود کرنا ہے نا کہ کسی منصف کو؟ تمام تر سیاسی لیڈران کا ماضی و حال ہمارے سامنے ہے بس ایک مثبت فیصلے کی دیر ہے تبھی ہمارے حالات بدلیں گے اگر ہم آج نہیں جاگیں تو کل کو آنے والا مورخ ہمیں اچھے الفاظ میں یاد نہیں رکھے گا؟

عوام معاشی بدحالی کا شکار ہیں اور رہی سہی کسر دہشتگردی نے پوری کر کے عوام کا جینا محال بنا رکھا ہے اب وہ انصاف مانگیں بھی تو کس سے مانگیں کہ اقتدار میں لانے والے ہی خود ہیں ؟

سلگتا بلوچستان

بلوچستان رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے جس کا رقبہ 347190 مربع کلومیٹر ہے۔ جو کہ پاکستان کے کل رقبے کا 43.65 فیصد حصہ بنتا ہے۔ یہ صوبہ محل وقوع کے اعتبار سے بھی پاکستان کا اہم ترین صوبہ شمار ہوتا ہے۔ اسکے شمال میں افغانستان ، صوبہ خیبر پختونخواہ، جنوب میں بحیرہ عرب، مشرق میں سندھ اور پنجاب جبکہ مغرب میں ایران جیسا ملک واقع ہے۔ اسکا 832 کلومیٹر رقبہ ایران کی سرحد کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ بلوچستان میں پتھروں کے دور میں بھی آبادی تھی اور بلوچستان کی قدیم تاریخ کا اندازہ آثار قدیمہ کی دریافتوں سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ سات ہزار سال قبل از مسیح کے زمانہ کی آبادی اور ثقافت کے نشانات ملے ہیں۔ سکندر اعظم سے پہلے اس خطے پر مکمل طور پر ایران کے حکمران قابض تھے اور انکی سلطنت کے دوران بلوچستان کو "ماکا" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

تقریباً 325 سال قبل از مسیح جب سکندر اعظم عراق کے علاقے "بابل" پر لشکر کشی کرنے جا رہا تھا تو وہ اس وقت مکران کے ریگستان سے ہی گزرا تھا۔ مکران میں اس وقت ہندوستان کے قدیم باشندے دراوڑ اور براہوی آباد تھے۔ قیام پاکستان

کے وقت یہ مشرقی بنگال، سندھ، پنجاب، سرحد (خیبر پختونخواہ) کی طرح انگریزوں کی سلطنت میں نہیں تھا۔ بلکہ 1947 میں قلات، بلوچستان، مکران، لسبیلہ اور خاران کی ریاستوں پر مشتمل تھا جس پر انگریزوں کے نمائندے نگران تھے۔ قلات کی ریاست جو کہ ان میں سب سے بڑی ریاست کا درجہ رکھتی تھی اور اسکے حکمران خان قلات میر احمد یار خان تھے انہوں نے پاکستان کے قیام سے دو دن قبل ہی اپنی ریاست کو مکمل طور پر آزاد کرنے کا اعلان کیا تھااور خصوصی تعلقات پر مذاکرات کی پیشکش کی۔ دوسرے تمام بلوچ سرداروں نے مکمل حمایت کی تھی اور بلوچستان کی علیحدہ حیثیت برقرار رکھنے کی ضرورت پر زور دیا۔ لیکن پاکستان نے خان قلات کے ان اقدام کو بغاوت اور سیاسی چال سے تعبیر کیا اور اسکے خلاف ضروری کاروائی کا آغاز کر دیا۔ بالآخر 1948 میں خان قلات نے اپنی شکست قبول کر لی اور پاکستان کے ساتھ شمولیت کرنے پر مجبور ہو گیا ۔ لیکن خان قلات کے بھائی شہزاد عبدالکریم اور دیگر رہنماؤ ں نے خان قلات کے اس فیصلے کی مذمت کی اور وہ سب اسکے خلاف پراپیگنڈہ کرنے لگے۔ لیکن مضبوط سیاسی بنیاد نہ ہونے کی وجہ سے انہیں بھی گھٹنے ٹیکنے پڑے اور فرار ہو کر افغانستان چلے گئے۔ 1953ءتک بلوچستان مکمل طور پر گورنر جنرل کے کنٹرول میں رہا۔ پھر 1956ءکے آئین کے تحت بلوچستان کو مغربی پاکستان کے ایک یونٹ میں ضم کر دیا گیا۔ جب 1970 میں عام انتخاب ہوئے تو اس میں پہلی بار اسکو ایک علیحدہ صوبہ کی حیثیت حاصل ہوئی۔ اس وقت نیشنل عوامی پارٹی فاتح رہی اور

میں پہلی بار بلوچستان میں باقاعدہ طور پر منتخب حکومت جاری کی گئی۔اور1972 انگریزوں کے دور سے بہرحال عوام کی حالت زار قدرے بہتر ہوئی مگر بہت سے معاملات میں وہ پسماندہ ہی رہے جن میں تعلیم ، معاشی خوشحالی اورعلاقائی تعمیر وترقی سرفہرست ہیں۔ اگرچہ گوادر کے حوالے سے کیئے گئے اقدامات تسلی بخش ہیں مگر جب تک عوام خوشحال نہیں ہونگے اس وقت تک انکے دلوں میں محرومی کی آگ جلتی رہے گی اور پورا بلوچستان سلگتا رہے گا۔

بلوچستان کے کل 30 اضلاع ہیں جن میں قلات ،ژوب ، گوادر، آوران ، لسبیلہ، خاران ، بولان ،ڈیرہ بگٹی، کوہلو، سبی ، موسی خیل ، کوئٹہ اور چاغی سرفہرست ہیں ۔بلوچستان زمانہ قدیم سے قدرتی وسائل وذخائر سے مالا مال خطہ ہے۔جہاں تیل، گیس اور دیگر معدنیات فروانی ہے۔ کوئٹہ بلوچستان کا صدر مقام اور سب سے بڑااور تاریخ اہمیت کا حامل شہر ہے۔ کوئٹہ پھلوں کی وجہ سے بھی شہرت رکھتا رہے۔ دیگر صوبے کی نسبت یہاں برف باری ہونے کی وجہ سے سخت سردی پڑتی ہے۔ اس وقت اس صوبے کی آبادی ایک محتاط اندازے کے مطابق 90لاکھ سے ایک کروڑ کے درمیان ہے جبکہ بعض شہروں میں اردو بھی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔بلوچستان میں رہنا ہر پاکستانی کا حق ہے کہ اس خطہ ارض کو حاصل کرنے میں تمام مسلمانوں خواہ انکی ذات پات کچھ بھی تھی نے اپنی جان و مال کی قربانی دی ہے ۔ اس بات کو سب کو تسلیم کرنی چاہیے ۔ اس بات سے قطعی انکار نہیں کیا

جاسکتا ہے کہ وہاں کے وسائل کو استعمال کرنا بلوچستان کے عوام کا حق ہے لیکن پورے خطے کو اپنی جاگیر سمجھنا اچھا طرز عمل نہیں ہے۔ جو لوگ وہاں کے عوام کی بھلائی کے لئے کچھ نہیں کر سکے ہیں وہی آج بلند وبانگ دعوئے علیحدگی کے کر رہے ہیں۔ جبکہ کہ اپنی عوام کو سیاسی، معاشی طور پر اور تعلیمی لحاظ سے بہتر سے بہتر کرنا انکا فرض ہے مگر وہ پہلے کچھ اور کرکے اپنی دھاک جمکانے کی فکروں میں ہیں۔ اس کے لئے مختلف فرقوں اور دیگر صوبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو آپس میں دست وگریبان اور قتل وغارت کی فضا پیدا کے خوف عوام کے دلوں میں پیدا کر چکے ہیں۔ بلوچستان اور پاکستان سے محبت رکھنے والے تمام محبت وطن اگر اپنے حقوق کی جنگ لڑنا چاہتے ہیں تو پیار ومحبت کی فضا میں حالات کو بہتر کرنے کی کوشش کریں وگرنہ الگ ہوجانے کے بعد بھی انکے حالات کی بہتری ابھی سے کچھ حتمی حل قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ پاکستان کے دشمن اسکے قیام سے ہی اسکے ٹکڑے کرنے کے درپیش ہیں ہمیں ان سے ہوشیار ہونے کی ضرورت ہے۔

بلوچستان کا مسئلہ بہت عرصہ سے حکومت پاکستان کے لئے ایک چیلنج بنا ہوا ہے۔ مختلف ادوار میں اس مسئلے پر بیرونی ہاتھ کے ملوث ہونے کی باتیں بھی کی جاتی رہیں ہیں۔ لیکن کسی ٹھوس ثبوت کے بغیر ایسی افواہوں پر آنکھیں بند کرکے ذی عقل یقین نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہ بات تو سب کے سامنے ہے کہ بلوچستان

کے حالات کی خرابی میں ملوث گروہوں کے سربراہان تو گذشتہ کئی سالوں سے بیرون ملک پناہ لئے ہوئے ہیں لیکن اپنے اصولی موقف کی وجہ سے اپنی علاقے کی عوام کو مشکلات کا شکار کئے ہوئے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ امریکہ، بھارت اور اسرائیل مل کر بلوچستان کے معاملات میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ سننے میں آیا ہے کہ جو گروہ صوبائی تعصب کے پھیلانے میں ملوث پائے گئے ہیں ان میں سے کئی ایک ایران کے ساتھ مسائل پیدا کرنے میں بھی شریک ہیں۔ اگرچہ چند مسائل ایسے ہیں جن کو بخوبی حل کیا جاسکتا ہے مگر فریقین کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے جوں کے توں باقی ہیں۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ بلوچستان کو علیحدہ مملکت بنانے والے کیا محب وطن شہری ہیں؟ کیا اسی وجہ سے ہم نے انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی سے نجات حاصل کی تھی کہ بعد ازاں اس خطہ ارض کے مزید ٹکڑے کر سکیں؟ لیکن یہ سب کون سوچے گا وہی جو مثبت طرز فکر کا شخص ہوگا مگر یہاں تو صاحب ہر کوئی اپنی من مانی پر تولا ہوا ہے۔ اسی کی ایک مثال ذیل کے ایک واقعے سے لگائی جاسکتی ہے کہ ہمارے سیاسی رہنماؤں کی سوچ قیام پاکستان سے اب تک تقریبا ایک جیسی ہے کہ اپنے مطلب کے لئے سب کچھ قربان کردینا ہے۔

ایک روز وزیر خزانہ غلام محمد صاحب کے کمرے میں میٹنگ تھی۔ کراچی میں دفتری اور رہائشی ضروریات کے لئے جو نئی عمارتیں اور کوارٹر تعمیر ہو رہے تھے

ان کے لئے سینیٹری سامان درآمد کرنے کا مسئلہ درپیش تھا۔ میٹنگ میں چار وزیر اور کچھ افسر شریک تھے۔ وزیروں میں مولوی فضل الرحمٰن بھی موجود تھے، جن کے پاس امور داخلہ، اطلاعات اور تعلیم کا چارج تھا۔ کچھ بحث و تمحیث کے بعد جب سینیٹری کے سامان کا کوٹا طے ہوگیا، تو وزیر تعلیم مولوی فضل الرحمٰن نے دبے الفاظ میں تجویز پیش کی کہ اگر اس امپورٹ کا کچھ حصہ ڈھاکہ کے لئے بھی مخصوص کر دیا جائے، تو مناسب ہوگا۔ اس تجویز پر بڑی ہنسی اڑی۔ کسی نے کہا کہ ڈھاکہ میں کوئی خاص تعمیری کام شروع نہیں ہوا، اس لئے وہاں پر سینٹری سامان بھیجنے کی کوئی تک نہیں۔ کسی نے کہا کہ جو سامان ڈھاکہ جائے گا، وہ لازمی طور پر سمگل ہو کر کلکتہ پہنچے گا۔ اس صاحب نے مذاق ہی مذاق میں یہ پھبتی اڑائی کہ بنگالی لوگ تو کیلے کے گاچھ کی اوٹ میں بیٹھ کر رفع حاجت کرنے کے عادی ہیں۔ وہ ابھی سے کموڈ اور واش بیسن لے کر کیا کریں گے۔ مولوی فضل الرحمٰن مسکرائے نہ بگڑے۔ انتہائی متانت اور سنجیدگی سے انہوں نے ایک بار پھر زور دے کر کہا کہ زیادہ نہیں تو اس سامان کا ایک قلیل علامتی حصہ ڈھاکہ کے لئے ضرور مخصوص کیا جائے، کیونکہ نفسیاتی طور پر یہ مناسب اقدام ہوگا۔ کچھ مزید بحث و مباحثہ اور طنزومزاح کے بعد مولوی فضل الرحمٰن صاحب کی بات مان لی گئی اور ڈھاکہ کے لئے سینیٹری سامان کو کچھ حصہ مخصوص ہوگیا، لیکن ایسی بدمزگی کے ساتھ جس طرح دودھ میں مینگنیاں ڈال کر پیش کیا جاتا ہے۔ میرے خیال میں لاشعوری طور پر بنگلہ دیش کی بنیادوں کی

کھدائی کا کام اسی روز شروع ہو گیا تھا (بحوالہ : شہاب نامہ)۔اب یہی صورتحال ہم بلوچستان کے معاملے میں بھی دیکھ رہے ہیں مگر کسی طور سنجیدگی سے نہیں لے رہے ہیں ؟ہم یہ نہ دیکھیں کہ معاملہ صرف سوئی گیس کی رائلٹی کا ہے یا اکبر بگٹی کے اندوہناک قتل کے انصاف سے سب اچھا ہو جائے گا۔سوال یہ ہے کہ وہاں کے لوگوں کو کس طرح سے مطمئن کیا جا سکتا ہے ابھی تک بہت سے مسائل کی وجہ سے بلوچستان کے عوام میں ایک لاؤہ سا اگل رہا ہے اور مختلف افراد کے قتل وغارت کی وجہ سے پورا بلوچستان سلگ رہا ہے ؟مگر ہم ہیں کہ ابھی تک کچھ لو اور کچھ دو کے تحت ہی اپنے مفادات کی بندر بانٹ کے چکروں میں ہی ہیں پورے پاکستان کو داؤ پر لگ دینا چاہتے ہیں۔بلوچی لیڈران کو پاکستان سے وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے علیحدگی کے نعرے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینا چاہیے۔ایک گھرانے کے افراد آپس کی چپقلش سے اغیار کو فائدہ اٹھانے کا موقعہ نہ ہی دیں تو اچھا ہے کہ بلوچستان کے معدنی وسائل پر قبضہ ہی دشمن کی چال ہے تاکہ پاکستان کو ختم کیا جا سکے۔

بلوچستان کے حالات وواقعات سے مشابہت رکھنے والے ایک مزید واقعے کی روداد بھی پڑھ لیجئے اور غور کیجئے کہ ایسا کہیں اب بھی تو نہیں ہو رہا ہے۔کہتے ہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے شاید اسی وجہ سے ہی کیا جاتا ہے۔جنوری 1968 میں اس سازش اگرتلہ شازش) کا سرکاری طور پر اعلان کر دیا گیا۔سازش)

میں شیخ مجیب الرحمٰن کے علاوہ 28 دیگر افراد ملوث تھے۔ ان پر یہ الزام تھا کہ ڈھاکہ میں بھارتی سفارتی مشن کے فرسٹ سیکرٹری پی۔ این۔ اوجھا کے زیر اہتمام یہ لوگ ہندوستانی عناصر کے ساتھ مل کر مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے کی سازش میں مصروف عمل تھے۔ اس مقصد کے لئے اگرتلہ (بھارت) میں ایک مرکز قائم کیا گیا تھا، جہاں سے علیحدگی کی تحریک کو اسلحہ اور دوسرا تخریبی مواد فراہم کیا جاتا تھا۔ شیخ مجیب الرحمٰن تو پہلے ہی مئی 1966 سے اپنے چھ نکاتی پروگرام کی پاداش میں ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت جیل میں تھے۔ لیکن اب انہیں اگرتلہ سازش کیس میں ملزم کے طور پر از سر نو گرفتار گردانا گیا۔ اگرتلہ سازش کے مقدمہ کی سماعت کے لئے ایک خصوصی ٹریبونل قائم کیا گیا۔ جس کے سربراہ سابق چیف جسٹس مسٹر ایس۔ اے۔ رحمان تھے۔ سترہ برس قبل 1951 میں بھی راولپنڈی سازش کیس کے لئے ایک خصوصی ٹریبونل قائم کیا گیا تھا۔ لیکن اس مقدمہ کی سماعت کھلی عدالت میں نہیں بلکہ صغیہ راز ہوئی تھی۔ اسکے برعکس اگرتلہ سازش کیس کی سماعت کھلی عدالت میں رکھی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سماعت کے دوران مشرقی پاکستان کی علیحدگی اسکے الگ نام، پرچم اور قومی ترانے کی تفصیلات کھل کر برسر عام آگئیں۔ اور علیحدگی پسند عناصر کو اپنی جائز اور ناجائز شکایتوں کی تشہیر کا بھی ایک نادر موقعہ ہاتھ آگیا۔ جس کروفر سے یہ سب تفصیلات اخبارات میں اچھالی جاتی تھیں، اسکے دو پہلو تھے۔ ایک پہلو یہ تھا کہ مغربی پاکستان کے خلاف نفرت بڑھتی تھی اور صدر ایوب

کی مرکزی حکومت پر اعتماد کمزور پڑ جاتا تھا۔ دوسرا پہلو یہ تھا کہ علیحدگی کی جراثیم عوام کے ذہن میں جڑ پکڑتے گئے اور شیخ مجیب الرحمٰن کی قیادت کو بیٹھے بٹھائے انتہائی فروغ حاصل ہو گیا۔ بلاشبہ اگرتلہ سازش کا مقدمہ حقائق و شواہد پر مبنی تھا۔ لیکن جس طور پر اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ سے اس مقدمے کی پبلسٹی اور تشہیر ہوئی اس نے اس کے حقائق کو سیاسی اور عوامی ہیجان کی دلدل میں ملیا میٹ کر دیا۔ یہ ہیجان اس قدر شدید تھا کہ ایک روز ڈھاکہ کے ایک بے قابو ہجوم نے اس سٹیٹ گیسٹ ہاوس پر حملہ کر دیا جس میں اگرتلہ سازش کیس ٹریبونل کے سربراہ جسٹس ایس۔ اے۔ رحمان قیام پذیر تھے۔ انہوں نے بمشکل تمام ایک وفادار بنگالی خدمتگار کی کوٹھری میں روپوش ہو کر اپنی جان بچائی۔ اور پھر چپکے چپکے پوشیدہ طور پر ہوائی جہاز میں بیٹھ کر لاہور واپس چلے آئے۔ (بحوالہ: شہاب نامہ

مندرجہ بالا واقعے میں اہم ترین بات ذرائع ابلاغ کے حوالے سے ہے آج کے دور میں اسکا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے مگر سچی بات تو یہ ہے کہ بہت سے صحافی حضرات سچ کی بجائے کسی اور چیز کو ترجیح دینے لگ گئے ہیں کہ گھر کی دال روٹی چلتی رہے، اور سچ کو کسی قدر جھوٹ کے پردے میں چھپا کر بیان کر دیا جاتا ہے کہ کچھ دل کو تسلی ہوتی رہے۔ کہیں کوئی لنگر پارکوں میں جا کر چھاپہ مار کر لوگوں کو سدھار رہا ہے اور کوئی اپنے ہی معاملات کو درست کرنے

میں لگا ہوا ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ذرائع ابلاغ جہاں تک ہو سکے سچ کو بیان کرے اور اس راہ میں تمام تر مشکلات کو برداشت کر کے ملک وقوم کی خدمت کرے۔بصورت دیگر ملک کی عزت وقار کے ساتھ ساتھ اسکی ساکھ بھی متاثر ہو جائے گی۔مزید براں یہ کہ موجودہ جمہوری حکومت اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اور افواج پاکستان کی مدد سے بلوچ قوم کے سلگتے ہوئے جذبات کو ٹھنڈے کرنے اور حالات و خوشحالی میں بہتری لانے کی تگ ودو کرے اور ایسے حالات کی نوبت نہ آنے دے جس سے مشرقی پاکستان جیسے حالات پھر سے پیدا ہو جائیں اور خدانخواستہ پاکستان کا مزید ٹوٹنا ممکن بن جائے۔

اخلاقی گراوٹ کا شکار پاکستانی میڈیا

صحافت یا میڈیا خبروں کو اکٹھا کرنے، لکھنے اور انکی نشرواشاعت کے نظام یا شعبے کا نام ہے۔دوسرے لفظوں ہیں سمعی وبصری ذرائع سے حاصل کردہ حادثات ، واقعات ، مسائل اور رجحان ومیلان کے بارے میں جو معلومات جمع کی جاتی ہیں ، انکی تحقیق کے بعد رسائل واخبارت،انٹرنیٹ ، ریڈیو اور ٹیلی وژن پر نشر کرنا میڈیا کی تعریف کے زمرے میں آتا ہے۔لفظ میڈیا تو آج کل زبان زد عام ہے مگر اس سے قبل Journalism, Journalاور صحافت کی اصطلاح بھی اسی شعبہ سے منسوب تھی جو آج میڈیا کہلاتا ہے۔

وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ میڈیا کی اہمیت میں روز.بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور مستقبل میں بھی یہی صورتحال.برقرار رہنے کی توقع ہے۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ میڈیا میں اب ایسے عناصر بھی شامل ہو گئے ہیں جو حالات کی درست عکاسی کرنے کی بجائے اپنے جیب کو بھرنے اور لوگوں کو گمراہ کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ حالانکہ یہ شعبہ تو پوری دیانتداری اور خلوص کے ساتھ عوام کو سچ دکھانے اورظالم و زیادتی کے خلاف جنگ لڑنے کا علمبردار ہے۔مگر مفاد پرست افراد کے ٹولے نے اس کو بھی کمائی کا ذریعہ بنالیا ہے ۔ جس کا اندازہ

پاکستان میں نت نئے ٹی وی چینل ، اخبارات، ریڈیو وغیرہ کو لائسنس جاری کرنے کے اقدامات سے لگایا جاسکتا ہے۔ایک حدتک تو یہ بات آزادی اظہار رائے کے لئے بہتر ہے مگر اس آزادی کو کچھ زیادہ ہی غیر اخلاقی ہتھکنڈوں کے لئے استعمال کیا جارہاہے۔ اسطرح کے بے سروپا پروگرامز یا مواد پیش کئے جاتے ہیں جو اگر نہ بھی پیش کئے جائیں تو بہتر ہوگا۔ جس کا اندازہ آپ بخوبی پاکستان بھر میں شائع ہونے والے رسائل وجرائد کے مواد ،ٹاک شوز سے لگا سکتے ہیں۔دوسری طرف الیکٹرونک میڈیا کو دیکھئے کتنی آزادی ملی ہوئی ہے۔ کچھ عرصہ قبل ایک ٹیلی چینل کی کمپیئر مایا خان کے صبح پر جانے والے نوجوان کو پیچھا کرنے اور انٹرویو کرنے کیDates کے پروگرام میں کوشش کرکے انکو سمجھانے کی کوشش کرنا اوراپنے نظریہ کو دوسروں تک پہنچانے کو اخلاقیات کی زبان میں کیا کہا جائے؟ محترمہ کو کس نے اس قدر اجازت دی تھی کہ وہ لائیو پروگرام میں اس طرح سے لوگوں کی عزت کی دھجیاں اُڑئیں؟کیا وہ اس طرح کی باتیں محض سیٹ پر بیٹھ کر کیمرے کی جانب دیکھ کر لوگوں کو برائی سے اچھائی کی جانب راغب نہیں کر سکتی تھیں؟ دوسری طرف ٹی وی پر چلنے والے ڈرامے بھی اخلاقی گرواٹ کا شکار ہو چکے ہیں ،پتا نہیں کون سی تہذیب ہمیں سیکھ رہے ہیں،دیکھ کر لگتا ہی نہیں ہے کہ ہم ایک اسلامی جمہوری ملک میں بیٹھ کر یہ سب دیکھ رہے ہیں؟ کیا ہماری معاشرے کی اقدار اور طور طریقے یہی ہیں جو ہم ان ڈراموں میں دیکھ رہے ہیں؟دوسری جناب ریڈیو پر بھی بعض اوقات لائیو پروگرام میں ایسی باتیں کر دی

جاتی ہیں جو کہ نہیں کہنی چاہیے، اگرچہ اب ریڈیو سننے کو رواج کم ہے مگر جہاں گھر میں سب سن رہے ہوں تو پھر یہ سب سننا معیوب سا لگتا ہے۔ مگر جناب یہ تو پاکستان ہے یہاں سب چلتا ہے، جس کا جو بس چلتا ہے وہ کر رہا ہے اور ملک آج ان گنت مسائل کا شکار ہو چکا ہے، مگر مسائل کے حل کی جانب ملک کے کرتا دھرتا سمیت کوئی بھی توجہ نہیں کر رہا ہے کہ سب کو بس اپنے ہی مفاد کی فکر لگی ہوئی ہے؟

دوسری طرف ابھی حال ہی میں ملک ریاض صاحب کے انٹرویو نے جلتی پر تیل کا کام کر دیا ہے؟ کیا ہوا تھا اور کیسے ہوا تھا یہ تو آپ سب جان ہی چکے ہیں؟ دوسری طرف انہی موصوف کی جانب سے جاری کردہ فہرست نے میڈیا کے لوگوں کے اوپر انگلیاں اٹھانے کو موقع فراہم کر دیا ہے کہ میڈیا میں بھی ایسے ناسور ہیں جو پیسے کی خاطر کچھ بھی کر سکتے ہیں، اگرچہ اس فہرست میں شامل بہت سے صحافیوں کے نام ایسے ہیں جن کے کردار پر شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا ہے مگر صاحب، گھن کے گیہوں تو پستا ہی ہے۔ اور یہ سب اس لئے بھی کیا گیا ہے کہ تاکہ عوام کو میڈیا کے سچے لوگ سے متنفر کیا جاسکے اور وہ حقائق بیان کرنے والے سے محروم ہو جائیں۔ مگر سچ کو جتنا بھی جھوٹ کے پردوں میں چھپایا جائے وہ ایک دن ضرور سامنے آ جاتا ہے۔ مگر اب ذرائع ابلاغ کو اپنی حدود وقیود واضح کرنا ہونگی اور اپنی صف سے کالی بھیڑوں کو باہر نہ سہی لیکن لگا

م دینی ہوگی، کیونکہ یہاں پر سب حق بات کرنے والے کو بھی غدار کہا جاتا ہے، جب
کہ ایسی باتوں کو کرنے والوں کے اپنے دامن پر ہی کئی داغ ہوتے ہیں۔ میڈیا کو ایک
استاد کی مانند اپنا کردار سرانجام دینا چاہیے جیسے ایک استاد سے توقع نہیں کی جاسکتی ہے
کہ وہ اپنے شاگردوں کو غلط راہ پر لگائے گا یا پھر حق کی تلقین نہیں کرے گا۔ اسی طرح
سے میڈیا کو بھی حق و صداقت کو اپنا مشن بنا کر اپنے فرائض منصبی کو پورا کرنا چاہیے
کہ کہے اور پڑھے جانے والے الفاظ بہت قدر و منزلت کے حامل ہوتے ہیں، ذرائع
ابلاغ کو وقت کے ساتھ ساتھ اصول وضوابط مرتب کرنے چاہیں تاکہ کوئی اس پیشے
کے ساتھ بددیانتی کا مرتکب نہ ہوسکے اور الفاظ کی حرمت بھی باقی رہ سکے۔

گر سنتے ہو تو سن لو

ہمارے ملک کا آوے کا آوا ہی بگڑ ہوا ہے کس کس چیز کو سدھاریں، جس بھی شعبے پر نظر ڈالیں ابتر حالت میں ہے۔ قیام پاکستان سے اب تک جتنے بھی حکمران آئے ہیں مسائل کو حل کرنے کے لئے انوکھے اقدامات کی بنیاد رکھی ہے۔ماضی کو چھوڑیئے ابھی حال ہی میں ہمارے قابل فخر مشیر داخلہ نے بیان داغا تھا کہ پری پیڈ سمز کو ختم کرکے پوسٹ پیڈ سمز جاری کی جائیں گی تاکہ دہشت گردی کے واقعات کی روک تھام کی جا سکے،افسوس کے ساتھ کہنا پڑرہا ہے کہ دہشت گردی کی جانب نوجوان نسل کیوں راغب ہو رہے ہیں؟اسکی وجوہات پر غور کرنے کی بجائے ہماری جمہوریت کی دعویٰ دار موجودہ حکومت کے لیڈران اس طرح کے فضول بے سروپا اقدامات کرکے مشکلات میں گھری عوام کو مزید پریشان کرنے پر تلے ہوئے ہیں؟جہاں بجلی، گیس، بے روزگاری، کرپشن، بے انصافی اور بڑھتی ہوئی مہنگائی نے عوام کو خودکشیاں کرنے پر مجبور کر دیا ہے، وہاں حکومت اس طرح کے فیصلوں پر عمل درآمد کرکے جلتی پر تیل کا کام کر رہی ہے۔

یہاں یہ سوچنے کی بات ہے کہ اگر پری پیڈ سمز دہشت گرد استعمال کر رہے ہیں تو غیر رجسٹرڈ یا مشکوک سرگرمیوں میں ملوث کردہ سمز کو بلاک کیا جائے، تاکہ

پری پیڈ سمز کی سہولت کو یکسر ہی ختم کر دیا جائے ورنہ اس طرح کی حکمت عملی ترتیب دی جائے کہ انہی کے ذریعے سے ان تک رسائی حاصل کی جائے تاکہ عوام میں پھیلی دہشت قدرے کم ہو سکے۔ ہمارے ملک و قوم کی حفاظت پر مامور ادارے دنیا کے بہترین ادارے شمار ہوتے ہیں انکو دہشت گردوں سے نبٹنے کے لئے مزید خاطر خواہ سہولتوں کی فراہمی کو ممکن بنایا جائے تاکہ ملک سے دہشت گردی کی لعنت کا قلع قمع کیا
جا سکے۔ دہشت کی اگر وجوہات کو ہی جان کر اس کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے تو بہتر ہے کیونکہ یہ وجوہات ہی نوجوان نسل کو دہشت گردی کے کاموں میں ملوث کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ اگر سیلولر کمپنیاں محض پوسٹ پیڈ سمز جاری کریں گی تو ہو سکتا ہے کہ بل کی ادائیگی کے چکر سے بچنے کے لئے بہت سے لوگ پوسٹ پیڈ کنکشن سے دور بھاگیں۔
حکومت ہر شخص کے نام پر ایک مخصوص حد تک سمز جاری کرنے کی ہدایات جاری کرے اور خلاف ورزی کرنے والے کے لئے جرمانہ کی ادائیگی لازمی کرے تاکہ سمز زیادہ جاری کرنے کی حوصلہ شکنی ہو سکے۔
اگر ہمارے حفاظت پر مامور ادارے عوام کی جان و مال کا تحفظ نہیں کر سکتے ہیں تو پھر ان کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے، لوگ اپنے لئے خود گارڈز رکھ سکتے ہیں؟ اگرچہ انکی قابلیت و کارکردگی بھی مشکوک ہو سکتی ہے کیونکہ اور الٹا جان جانے کا خطرہ بھی ہے ہمارے سابقہ گورنر پنجاب کا واقعہ ایک تلخ حقیقت ہے۔ بہر حال اس طرح کے اقدامات دہشت گردوں کو پکڑنے کے جو حال ہی میں کئے گئے

ہیں ملک و قوم کی جگ ہنسائی ہے کیونکہ اس قدر جدید ترقی یافتہ دور میں سمز کے نیٹ ورک کو بند کرکے دہشت گردی کی روک تھام کرنا ایک انوکھی کاروائی ہے جس پر مشیر داخلہ داد کے مستحق ہے۔خدارا حقائق کو سامنے رکھ کر اس طرح کے اقدامات کریں جن سے بے روزگاری ،اقربا پروری، کرپشن ، بے انصافی میں کمی اور میرٹ پر اداروں میں بھرتیاں کی جائیں تاکہ احساس محرومی کا شکار ہونے والے نوجوان دہشت گردی کرنے والے عناصر کے ہاتھوں کھلونا نہ بن سکیں اور ملک و قوم کی بہتر طور پر خدمت کر سکیں۔اس کے ساتھ ساتھ فرقہ داریت کو بھی ختم کی موثر کوششیں کی جائیں تاکہ مذموم مقاصد کے حصول کے لئے لوگ اس کا سہارا لے کر دہشت گردی نہ کر سکیں۔جب تک لوگوں کی سوچ کو نہیں بدلہ جائے گا اور حقدار کو اسکا حق نہیں دیا جائے گا اس وقت تک یہ دہشت گردی ہوتی رہی گی ۔دہشت گردی محض قتل وغارت کی کاروائیوں کو نہیں کہا جا سکتا ہے بلکہ جہاں بھی حق دار کو حق سے محروم رکھا جائے گا وہ دہشت گردی کہلائے گی۔

اگر ہمارے لیڈران اس طرح کے اقدامات کرتے رہیں گے جس طرح سے پچھلے چار سالوں سے کر رہے ہیں تو کبھی ملک و عوام کی حالت بہتر نہیں ہوگی ۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم لوگ خود اپنی سوچ میں تبدیلی لائیں اور ایسے لوگوں کو جو دیانت دار اور مخلص ہوں کو محض اپنے بچوں کے مستقبل اور اپنے وطن کی تعمیر وترقی وخوشحالی کے لئے ووٹ دیں جو ہمارے پیارے وطن کو قائدا عظم کا پاکستان

بنا سکیں۔ایسے لوگوں میں عمران خان، ڈاکٹر طاہر القادری وغیرہ سہر فہرست ہیں جن کو ابھی تک اقتدار میں آنے کا بھر پور موقعہ نہیں ملا ہے۔اگرچہ ان کے ساتھ بھی کچھ ایسے نام ہونگے جو قابل ذکر خدمات کے لئے مشہور نہیں ہونگے مگر حب وطنی سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔اگر محض انکے نام وکام کو دیکھ کر ہی ووٹ دے دیئے جائیں تو شاید حالات بدل جائیں، ورنہ یاد رکھئے گا خدا بھی انکی قسمت کو نہیں بدلتا جو اپنی قسمت بدلنے کی سعی نہیں کرتے ہیں۔

ملالہ یوسفزئی-سوات کی شہزادی

ملالہ یوسف زئی مینگورہ، ضلع سوات، خیبر پختونخوا، پاکستان سے تعلق رکھنے والی ایک طالبہ ہیں۔ وہ وادی سوات میں تعلیم اور حقوق نسواں کے لئے آواز اٹھانے کی وجہ سے مشہور ہیں۔ اس علاقے میں تحریک طالبان پاکستان نے 2009ء سے بچیوں کے سکول جانے پر خودساختہ پابندی عائد کر رکھی ہے۔ اس عرصے میں ملالہ نے بی بی سی کے لئے ایک مدونہ تحریر کیا جس میں اس نے بچیوں کی تعلیم اور حقوق نسواں کے لئے آواز بلند کی۔ ملالہ اسی وجہ سے مختلف اعزازت کے لئے نامزد ہوئی اور پاکستان کا پہلا "قومی اعزاز برائے امن" جیتا۔

9 اکتوبر 2012ء کو پاکستانی طالبان نے کارروائی کرتے ہوئے ملالہ کو سکول جاتے ہوئے گولی مار کر جان سے مارنے کی کوشش کی گولی اس کے سر میں لگی اور اسے نازک حالت میں ہسپتال داخل کرنا پڑا۔ جس کے بعد وہ چند روزہ کوما کی حالت میں رہنے کے بعد گذشتہ روز کسی قدر ہوش و حواس میں آئی ہیں۔

ملالہ کو تعلیم کے حصول کی خاطر اپنی جان تک کی بازی لگانی پڑی ہے۔ یہاں سوچنے کی بات ہے یہ ہے اس کے باوجود بھی بہت سے لوگ اس پر طرح طرح کے

الزامات لگا رہے ہیں کہ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ ایک بنا بنایا ہوا منصوبہ تھا اور بہت سے منصوبہ ساز ذہن اداروں یا لوگوں کا اس کے پیچھے ہاتھ ہے۔ قیام پاکستان سے آج تک پاکستان میں سچ بولنے والے اور اپنے حقوق کی بات کرنے والے کے ساتھ ایسے ہی ہوتا آیا ہے مگر لوگ ابھی تک تصویر کے ایک رخ کو دیکھنے کے ہی عادی ہیں کسی کو توفیق نہیں ہے کہ وہ تصویر کا دوسرا رخ دیکھ سکیں یا دوسروں کو اس کے بارے میں آگاہ کر سکیں۔

تعلیم حاصل کرنے کا حکم تو ہمارا مذہب بھی دیتا ہے اور اس سلسلہ میں مرد و زن کی کوئی قید نہیں رکھی گئی ہے۔ مگر فرسودہ سوچ کے حامل لوگ اس کو بھی اسلام کے نفاذ کے بہانے سے ختم کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ اپنے مذہوم مقاصد کو باآسانی حاصل کر سکیں کہ نہ خواتین پڑھی لکھی ہوں گی اور نہ وہ اپنے بچوں کو حق و باطل اور اپنے جائز حقوق سے آگاہ ہو سکیں گی۔

بلوچستان کا مسئلہ ہو یا شمالی وزیرستان کا یا پھر ملالہ یوسف زئی پر قاتلانہ حملہ یہ سب پاکستان کا درست مقام اقوام عالم میں مشکوک کرنا ہے تاکہ اس بہانے سے یہاں پر اپنے پاؤں مضبوط کئے جائیں۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ یہاں کہ تمام افراد کو ایک دوسرے کے ساتھ فرقہ وارنہ فسادات میں مبتلا کر کے اور امن و امان برباد کرنا اولین ترجیح ہے۔ ہمیں اور ہمارے

قانون کو نافذ کرنے والے اداروں اور افواج پاکستان کو ملک دشمن عناصر سے آہنی ہاتھوں سے نپٹنا ہوگا تاکہ ہم عوام پرسکون ہو کر زندگی گزار سکیں اور ہمیں بھی انکے ساتھ تعاون کرنا ہوگا اور حالات کی بہتری کے لئے ایسے قانون شکن عناصر اور اسلام کے نام پر گمراہ کرنے والے عناصر عدم تعاون کرنا ہوگا وگرنہ کل کو ہمارے بچے بھی اس طرح کے حالات سے دوچار ہو سکتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم نظام اور لیڈران کو بدلنے کی بجائے اپنی سوچ کو بدلیں تاکہ حالات کا دھارا بدل سکے وگرنہ ہمیں تباہی سے کوئی نہیں بچا سکے گا کہ ہم خود ہی اپنے آپ کے دشمن بن رہے ہونگے۔ہمیں درست اور غلط میں تمیز کرنی ہوگی کہ جو بات حق ہے اسے تسلیم کریں۔ملالہ سوات کی شہزادی ہے اور اسے وہاں رہنا ہے پڑھنا ہے اور پاکستان کا نام روشن مزید کرنا ہے۔وہاں سے وہ لوگ بھاگیں گے جو ملک کے استحکام کے دشمن ہیں۔خدا سے دعا ہے کہ وہ ملالہ یوسف زئی کو صحت کامل عطا فرمائیں اور ہمارے پیارے ملک کے دشمنان کو نیست و نابود کریں۔آمین ثم آمین

یوں کب تک ہوتا رہے گا۔۔

امسال بھی محرم کے مقدس مہینے میں قتل وغارت کا بازار گرم کر دیا گیا ہے اور فرقہ واریت کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔پتا نہیں خود کش حملہ آوروں کے ذہن میں کیا ایسا بھرا جاتا ہے کہ وہ ایسے مذموم کام کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اپنے ہی مسلم بھائیوں کا گلہ کاٹتے ہیں۔

ماتم یزید کے کالے کرتوت کی بدولت کیا جاتا ہے کہ اس نے یہ تک نہیں سوچا کہ نواسہ رسول اور انکے خاندان کو اذیت دے رہا ہے۔ماتم نواسہ رسول امام حسین اور انکے پہنچنے والے دکھ کو سوچ کر کیا جاتا ہے کہ کاش وہ ہم خود پر کروا لیتے اور انکو بچا لیتے، مگر ساتھ ساتھ یہ بھی فخر ہے کہ آج اسلام انکی بدولت زندہ و جاوید ہے۔۔یزید کا کوئی نام لیوا نہیں ہے۔کیا یہ کہنے والے لوگوں کے لئے اتنا کافی نہیں ہوگا کہ کربلا کے میدان میں پانی روکنا۔

یوں خود کش حملے کر بےگناہ لوگوں کو مرنا کہاں کی مرادنگی ہے؟ کیا ہم اب بھی یزیدیت کے دور میں رہ رہے ہیں؟ پہلے اس نے اہل بیت پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے اور اب موجودہ حکومت ایسا کرکے اپنے ہی عوام پر مختلف جگا ٹیکس نافذ

کرکے کر رہی ہے۔ مگر ہم لوگ بے حس ہیں ہم پھر بھی ایسے ہی لوگوں کو ووٹ دیں گے کہ ہماری اپنی عقل تو گھاس چرنے گئی ہوئی ہے نا؟

سچے عاشق رسول ہو تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے کی غم کو بھی تسلیم کرو، محض انکی اہمیت سے خوف کھا کر لوگوں کو خودکش حملوں کا شکار بنا کر اپنے آپ کو

مسلمان مت ظاہر کرو!

اے ظاآلم لوگوں

اسلام تو امن و سلامتی کا دین ہے اور کسی بھی بے گناہ جان کا قتل پوری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے۔ تو یہ تم نام نہاد مسلماں آج اپنے ہی مسلم بھائیوں کا خون کرکے کیا ثابت کرنا چاہتے ہو۔ ذرا سوچو، سوچو کہیں آخرت کا عذاب تو اس بدلے حاصل نہیں کر رہے ہو۔

خدارا اپنے دین کی تعلیمات کو سمجھو،اور اسکی روح کے مطابق عمل کرو، کب تک یوں قتل وغارت اور آپس میں دست گریباں رہیں گے؟ ہم آپس میں لڑ لڑکے مر رہیں اور ہمارے دشمن خوش ہو رہے ہیں؟ فلسطین کی صورت سے سبق سیکھو ورنہ کچھ بعید نہیں ہمارا بھی وہی حال ہو جائے ابھی وقت ہے سنبھل جائو، ورنہ ایک روز ہاتھ

میں کچھ بھی نہیں آ ئے گا۔۔

پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز میں گزرے دن کی روداد

ہمارے ملک میں آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے، کوئی انقلابی تحریک ہی ملک کے ہر شعبے میں خوش آئند تبدیلی لا سکتی ہے۔ہر شعبہ ہائے زندگی میں اقربا پروری، رشوت خوری،کام چوری اور احساس ذمہ داری جیسے بینادی عوامل کا فقدان ہے۔اس کا ایک آنکھوں دیکھا حال آپ کو سناؤں گا۔مجھے کافی عرصہ سے ایک مرض لاحق ہے جس کے علاج معالجے کے سلسلے میں پاکستان انسٹی ٹیوٹ میڈیکل سائنسز جیسے معیاری ہسپتال کا رخ کیا جیسے بہت سے لوگ پمز کے نام سے بھی جانتے ہیں، جانے کا اتفاق ہوا ہے۔وہاں رجسٹریشن کروانے سے لے کر ڈاکٹر کو چیک کروانے تک بے شمار تکلیف دہ مراحل سے گذرنا پڑا، پہلے جاری کردہ پرچی پر نام کا اندراج غلط ہوا، پھر باری کے نمبرز کے انتظار کے دوران من پسند لوگ یا یوں کہہ لیجئے سفاری لوگ اندر جاتے رہے اور مجھ جیسا شریف النفس انسان چپ ہو کر زیادتی کو برداشت کرتا رہا، اسی دوران وہاں موجود عملہ کے فرد بھی تیز طرار لہجے میں اس کو درست ثابت کرنے کے دلائل بھی دیتے رہے۔خیر ہماری باری آئی اور ہم نے معائنہ کروایا ،اور ڈاکٹر صاحب نے معولی سا آپریشن کرنے کی تجویز دی جسے میں نے قبول کر لی۔انہوں نے مجھے تقریبا چارہ ماہ بعد کی تاریخ دی۔

خیر انسان کے نصیب میں جو لکھا ہو وہ ہو کر رہتا ہے میں سب کچھ بھول گیا کہ ہمارے ملک میں ہر طرف یہ صورت حال دیکھنے کو مل رہی ہے جہاں کام کرنے والے اچھے لوگ ہیں انکو بھی درست طور پر کام کرنے نہیں دیا جاتا ہے اور راہ میں حائل ہونے پر دور دراز کے علاقوں میں ٹرانسفر کر دیا جاتا ہے۔ہم عوام کس کس معاملے میں حکومت کے خلاف بولیں اور بولیں بھی تو کیا حاصل ہوگا کہ موجودہ حکومت میں تمام تر لوگ ہی ماشا اللہ سے قابل اور شریف لوگ ہیں کہ قتل جیسے الزامات و جعلی ڈگری کے باوجود بھی ایوانوں میں موجود ہیں۔ہم بولیں گے تو پھر کوئی نہ کوئی اٹھا کر لے جائے گا اور پھر سپریم کورٹ سے ہمارے پیارے داد رسی کرتے نظر آئیں گے۔خیر جناب بات ہو رہی تھی ایک دن پمز میں علاج معالجے کی، تو اب ہوا یہ کہ مقررہ تاریخ ہم نے بنا ناشتہ کئے پمز ہسپتال کا رخ کر لیا کہ چلو معمولی سا آپریشن ہے جلدی سے ہو جائے گا وہاں کوئی مسئلہ نہ ہوگا۔مگر ہم نہیں جانتے ہیں کہ ہمارے مقدر میں کچھ اور ہی لکھا تھا۔

جب رسمی کاروائی کے بعد اپنے مرض سے متعلقہ شعبے کا رخ کیا تو معلوم ہوا کہ جناب ڈاکٹر محمد نعیم صاحب جو اس شعبہ کے انچارج ہیں موجود نہیں ہیں، اللہ جانے یہ سربراہاں شعبہ جات کو علاج معالجے سے بڑھ کر کون سے ایسے کام ہوتے ہین جو تاخیر سے آکر دو تین گھنٹے کرسی پر بیٹھ کر چائے پی کر رخصت ہو جاتے ہیں اور بچاری بیمار عوام جو ساٹھ سالوں سے بہت سی بیماری میں بتلا ہے کو

دیکھنے کی بجائے اپنی جیب کو دیکھنا زیادہ گوارا کرتے ہیں تاکہ انکے اپنے بچوں کو بہترین سہولیات مل سکیں۔

وہاں موجود اردلی نے جو کہ نمبر پکار رہا تھا نے کافی بار پوچھنے پر یہی بتایا کہ صاحب ابھی موجود نہیں ہیں چونکہ چہرے سے شناسائی نہ تھی تو ہم بھی وہیں صبح نو سے بارہ تک موجود رہے۔اس اردلی نے بولا کہ جب آپریشن کے لئے وقت دیئے گئے مریضوں کو ڈاکٹر صاحب یاد کریں گے اس وقت حاضر انکے سامنے کردوں گا۔مگر نہ ایسا ہونا تھا نہ ہوا کہ ڈاکٹر محمد نعیم صاحب جن سے معائنے کی مہر پرچی پر موجود تھی اور ہم خود بہ نفسا نفیس صبح سے موجود تھے آئے اور یوں غائب ہوئے کہ جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ ہمیں اردلی نے خبر تک نہیں کی کہ آپ معائنہ کروالیں۔جو کہ نااہلی اور فرائض سے غفلت کی سنگین کوتاہی شمار کی جا سکتی ہے۔

ہم جو وہاں چار ماہ تقریبا بعد محض معمولی آپریشن کروانے آئے تھے، کو بعد ازں ڈاکٹر محمد نعیم صاحب کے جانے کے بعد دوسرے ڈاکٹر غالبا عاشر نام تھا نے کہا کہ ہمارے پاس فالتو بیڈ موجود نہیں ہے آپ اب تین ہفتہ بعد تشریف لائیں ۔ہم نے جہاں تک ہو سکا اپنی جانب سے قائل کرنے کی کوشش کی کہ جناب آپ نے اتنے عرصہ بعد کا وقت دیا اور ہم بطور خاص چھٹی لے کر آئے اور آپ یوں ہم

سے نہ کریں۔ تو وہ کہنے لگے ہمارے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس روز کتنے مریض وہاں آپریشن کرانے آئیں ہونگے۔ لیکن یہ مسئلہ تو پمز ہسپتال کی انتظامیہ کا ہے کہ وہ بیڈ کی فراہمی کو ممکن بنائے یا حکومت اس سلسلے میں بھرپور تعاون کرے۔ جو لوگ دور دراز سے آتے ہیں وہ بنا آپریشن کے واپس جائیں اور انکے پرچی پر دوبارہ لکھ دیا جائے کہ فلاں تاریخ کو واپس آئیں لیکن ممکنہ داخلے کے لئے اگر جگہ ہوئی تو۔ اس میں آپ لوگ بتائیں بچاری عوام کا کیا قصور ہے؟

اگر پمز کے پاس اس قدر سہولیات نہیں ہیں تو ایسے مریض سے بروقت رابطہ کرکے انکو ہسپتال آنے سے کیوں نہیں روکا جاتا ہے؟ کیوں انکا وقت اور آمدورفت پر پیسہ برباد کروایا جتا ہے؟ کیا ہم مستحق لوگ جو سرکاری اداروں سے علاج کروانا چاہتے ہیں نجی اداروں سے رابطہ کرلیں اگر ایسی بات ہے تو ایسے نام نہاد اداروں کو بند کرنا چاہیے۔ معذرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ لوگ بہت سی خوبیوں کو دیکھ کر معمولی کوتاہیوں کو نظر انداز کرتے ہیں وہی بعض اوقات دوسروں کے لئے پریشانی اور اذیت کا سبب بنتی ہیں جیسا کہ میرے ساتھ ہوا ہے۔

میں اس سلسلے میں پمز اور وزارت صحت سے درخواست کرونگا کہ چھوٹی چھوٹی بدانتظامی کاروائیوں کی جانب بھی توجہ دیں تاکہ عوام کم سے کم اپنا علاج

معالجے کے سلسلے میں تو پریشان نہ ہو۔ڈاکٹر بننا تو سب چاہتے ہیں مگر افسوس کے بنا کر وہ محض پیسہ کو ترجیح دیتے ہیں کسی انسان کے احساسات و جذبات کو نظر انداز کرتے ہیں۔ ہم تو خیر اپنی قسمت کو روتے ہوئے واپس آ گئے ہیں کہ کچھ پیسہ جمع کروا کر یا قرضہ لے کر پرائیوٹ طور پر آپریشن کروالیں گے لیکن کیا سب میری طرح نجی طور پر علاج معالجے کی استطاعت رکھتے ہیں جو ایسا کر سکیں گے؟ اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں ہے کہ بیشتر عوام کو تو صحت کی بنیادی سہولیات ہی میسر نہیں ہیں؟

پاکستانی کرکٹ کا روشن ستارہ : محمد یوسف

محمد یوسف نے دورہ بھارت کے لئے نظر انداز کرنے کے بعد کرکٹ چھوڑنے کے بارے میں سوچنے پر غور کرنا شروع کر دیا ہے۔ سینئر کھلاڑی کو ٹیم میں شامل نہ کرنے کی وجوہات انکی ناقص کارکردگی کو ظاہر کیا جا رہا ہے جب کہ درپردہ حقائق کچھ اور ہی ہیں۔ یہ پاکستانی کرکٹ کی تاریخ ہے کہ عمدہ کارکردگی دکھانے والے کرکٹرز کو ہمیشہ اپنے چہیتے کھلاڑیوں پر فوقیت نہیں دی جاتی ہے اور ایسے کھلاڑیوں کو ٹیسٹ یا ون ڈے کیپ دی جاتی ہے جو محض ایک سیریز کے چند میچوں کے بعد عالمی سطح کی کرکٹ پر نظر نہیں آتے ہیں جب کہ عمدہ کارکردگی دکھانے والے کرکٹرز مواقعے کی امید میں بوڑھے ہو جاتے ہیں اور پھر انکی عمر کو جواز بنا کر ٹیم میں شامل کرنے سے گریز کیا جاتا ہے، جیسا کہ ابھی محمد یوسف کے سلسلے میں کیا جا رہا ہے جبکہ ٹیم میں پہلے ہی مصباح الحق اور یونس خان جیسے کھلاڑی موجود ہیں اسی وجہ سے ایک اور سینئر کھلاڑی کو موقعہ نہ دے کر نئے کھلاڑی کے لئے راستہ بنایا جا رہا ہے۔ جبکہ دیگر کرکٹ کھیلنے والے ممالک میں ہمیشہ نوجوان کرکٹرز کے ساتھ تجربہ کار کھلاڑیوں کے ساتھ برابر عالمی سطح پر کھیلنے کا موقعہ فراہم کیا جاتا ہے مگر پاکستان میں دیگر شعبے کی مانند کرکٹ بورڈ میں بھی من پسند کھلاڑی کا چناؤ اور سیاست کرکے اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کا عمل رچ گیا ہے

جس کی بناء پر کھلاڑیوں اور سلیکٹروں کی قوت ہر جگہ اپنا اثر ونفوذ دکھا جاتی ہے۔ محمد یوسف بھی ایسے ہی کرکٹر ہیں جن کو آغاز سے ہی کرکٹ کھیلنے کے خاطر خواہ مواقع لاہور کی جانب سے کھیلنے کے فراہم نہیں ہوسکے تھے لیکن بعدازں بہاولپور اور انگلینڈ میں کھیلنے اور عمدہ کارکردگی نے پاکستانی ٹیم میں شمولیت کی راہ ہموار کردی۔

محمد یوسف پاکستان کرکٹ کی تاریخ کا وہ روشن ستارہ ہیں جن کے بغیر پاکستان کی کرکٹ کی تاریخ نامکمل تصور کی جائے گی۔اپنی بہترین بیٹنگ کی صلاحیتوں سے بارہا پاکستانی ٹیم کو فتوحات سے ہمکنار کرانے والا یہ کھلاڑی اب گذشتہ دو سال سے اپنے کیرئیر کے اختتام کی جانب زبردستی دھکیلا جارہا ہے۔اگرچہ محمد یوسف میں ابھی بھی رنز کی بھوک باقی ہے مگر جیسا کہ پاکستان کی کرکٹ کی تاریخ ہے کہ نامور کھلاڑی ہمیشہ سے بورڈ کے ہاتھوں تماشہ بن کر رخصت ہوتے ہیں۔یہ عظیم ترین کھلاڑی بھی لگتا ہے کہ بورڈ کی بے حسی کا شکار ہو کر پاکستانی کرکٹ کی تاریخ پر انمٹ نقوش چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے کرکٹ کے میدان سے رخصت ہو جائے گا اور ہم اس کے کارناموں کو ایک سنہری یاد کے طور پر یاد رکھیں گے۔اقبال قاسم صاحب کے بیان کے مطابق محمد یوسف ڈومیسٹک کرکٹ خاطر خواہ نہ کھیلنے کی وجہ سے اور فارم میں نہ ہونے کی وجہ سے دورہ بھارت کے لئے قابل ترجیح نہیں ہونگے اور انہوں نے دورہ بھارت کے لئے منتخب نہ کرکے

اپنی بات کو سچ کر دکھایا ہے۔حالانکہ سینئر کھلاڑی کو بھارت کے دورہ پر بھیجا جانا پاکستان کرکٹ اور ٹیم دونوں کے لئے سود مند ثابت ہو سکتا تھا مگر یہ مستقبل کے لئے سوچ بچار کرنے کی بجائے وقتی چل چلاؤ پر کام چلایا جاتا ہے۔ایسے کرکٹرز کو ہزار ہا مواقع دیئے جاتے ہیں جن جو کئی بار ناکام ہو چکے ہیں مگر سال میں رنز کے انبار لگانے والے محمد یوسف کو محض ذاتی عناد کے طور پر کرکٹ سے دور کیا جارہا ہے۔جبکہ دوسری جانب بھارت سچن ٹنڈولکر کو ابھی تک کھیلا رہا ہے اور سچن بارہا ناکام ہونے کے بعد بھی بھارت کو ضرورت کے وقت عمدہ کارکردگی سے شکست سے دور لے جاتا ہے۔مگر ہمارا کرکٹ بورڈ نئے خون پر مشتمل کھلاڑی کو لانے کے بہانے سے سینئر کھلاڑیوں کو ریٹارمنٹ پر مجبور کرتا ہے، اب بورڈ ذرا یہ بتائے کہ کتنے کرکٹرز اس کی اس حکمت عملی کی بنا پر مستقل طور پر ٹیم میں شامل ہو چکے ہیں ماسوائے انکی جن کی بہترین صلاحیتوں نے از خود انکو ٹیم میں شامل کرنے پر مجبور کیا ہے۔

اگست 1974 کو جنم لینے والے محمد یوسف جنکا نام اسلام لانے سے قبل یوسف 27 یوحنا تھا نے اپنی ٹیسٹ کرکٹ کا آغاز جنوبی افریقہ جیسی مضبوط ٹیم کے خلاف کیا تھا جس میں وہ خاطر خواہ کارکردگی کا مظاہرہ نہ کرپائے۔یہ ٹیسٹ میچ 26فروری1998 کو ڈربن کے مقام پر کھیلا گیا تھا۔جبکہ اولین ون ڈے میچ زمبالوے کے خلاف 28مارچ کو کھیلا تھا۔پاکستانی کرکٹ کی تاریخ کے بہترین1998

بلے باز اس وقت جس مقام پر ہیں وہاں تک رسائی بہت کم کرکٹرز کو حاصل ہو پائی ہے ابھی عمر کو اگر نہ دیکھا جائے تو سچن ٹنڈولکر کی مانند کھیل کر بہت سے کارنامے سرانجام دینے کے قابل ہیں۔اسی لیے کرکٹ بورڈ کو انکو ضرور عالمی سطح پر کھیلنے کے مواقع فراہم کرنے چاہیں۔یہاں تو صورت حال یہ ہے کہ لاہور لائنز کی کپتانی بھی چھین کر محمد حفیظ کو دی جارہی ہے کہ وہ چونکہ قومی ٹیم کے کپتان ہیں تو وہ لاہور لائنز کی کپتانی کرنے کے زیادہ مستحق ہیں اگر لاہور لائنز نے قومی ٹی ٹوئنٹی کپ جیت لیا ہے اور محمد حفیظ کی بھی واہ واہ ہو گئی ہے۔جو سلوک ایک سینئر کھلاڑی کے ساتھ کیا گیا ہے وہ کسی طور داد کے لائق نہیں ہے؟

آخر کب تک بورڈ کے کرتا دھرتا نئے خون کو لانے کے بہانے سے اپنی من مانی کرکے ہمارے قومی ہیروز کے ساتھ ایسا ناروا سلوک کرتے رہیں گے؟ جبکہ ہمارے پاس باصلاحیت کھلاڑیوں کی کمی بھی نہیں ہے اس کی ایک مثال محمد آصف کی ہے جس نے تن تنہا عالمی سطح پر سنوکر کا عالمی کپ جیت کر دکھایا ہے؟ اور ہماری بلائنڈ کرکٹ ٹیم بھی نت نئے ریکارڈ قائم کر رہی ہے جب کہ ہمارا بورڈ سینئر کھلاڑیوں کے ساتھ ناروا سلوک کے ریکارڈز قائم کر رہا ہے۔ کرکٹ بورڈ کے چیئرمین ذکاءاشرف صاحب کو چاہیے کہ ایک واضح حکمت علمی ترتیب دیں جس کے تحت محض عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ ڈومیسٹک کرکٹ کرنے والے کھلاڑیوں کو ہی سینئر کھلاڑیوں کی عدم موجودگی میں یا پھر انکو سیریز میں سینئر کھلاڑیوں کو آرام کا موقعہ دے کر آزمایا جائے تاکہ انکی دل شکنی بھی نہ ہو اور پاکستانی کرکٹ بھی پھلتی پھولتی رہے؟ سینئر کھلاڑی سے جونیئر کرکٹرز بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں،اگر سینئر کھلاڑیوں کو ہی ذاتی عناد کی بنائر پر کرکٹ سے دور کیا جائے گا تو ایک وقت آئے گا کہ جیسے سکوائش کے کھیل میں عالمی سطح پر پاکستان کا نام روشن کرنے والا کوئی نہیں ہے اسی طرح کرکٹ کے کھیل میں بھی زوال دیکھنے کو مل سکتا ہے۔آخر میں محمد یوسف کے کیریئر کا ایک جائزہ پیش کیا جارہا ہے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارے اس قومی ہیرو نے کس قدر ملک کو عزت دی ہے اور ہم اس کے ساتھ کیا سلوک کرکے کرکٹ کے دیوانوں کو اس کے کھیل دیکھنے سے محروم کر رہے ہیں؟

	فرسٹ کلاس	ٹیسٹ کرکٹ	ون ڈے	ٹی ٹوئنٹی
کل میچ	141	90	288	3

کل رنز	10505	7530	9720	50
اوسط	4796	5229	4171	1666
سنچری /نصف سنچری	51/30			

		24/33	15/64	--/--
بہترین سکور	223	223	141*	26
کیچز/سٹمپ	--/84	--/65	--/58	--/1

اور آخر میں یہاں قارئین کی دلچسپی کے لئے محمد یوسف کے چند ریکارڈز بتاتا چلوں کہ محمد یوسف نے دورہ ویسٹ انڈیز میں 2006کی تین ٹیسٹ میچوں کی سیریز میں 665رنز اسکور کر دیئے تھے جس کی بدولت وہ سرڈان بریڈمین 825اور کلائڈ والکاٹ806کے بعد ایک سیریز میں زیادہ سے زیادہ اسکور کرنے والے تیسرے کرکٹر بن گئے۔ مگر یہ بات آپ کے لئے شاید فخر کا سبب بن جائے کہ ہمارے اس قومی ہیرو نے محض تین ٹیست میں یہ اسکور کر دکھا یا تھا جبکہ دیگر دو کرکٹ لیجنڈز نے پانچ ٹیسٹ میچوں کی سیریز میں رنز کا پہاڑ بنا لیاتھا۔جب کہ محمد یوسف نے پانچ ٹیسٹ میچز میں چھے سنچریوں کا کارنامہ سرانجام دے کر سرڈان بریڈ مین کا چھے میچز میں چھے سنچریوں کا ریکارڈ بھی توڑ کر اپنے نام کیا ہوا ہے۔

محمد یوسف نے 2006کے سال میں ویوین رچڑز کا1710ٹیسٹ رنز جو انہوں نے ایک سال میں بنائے تھا کا ریکارڈ بھی اپنے نام 1788اسکور کر کے اپنے نام کر لیا جو کہ ابھی تک برقرار ہے۔اسی سال نو سنچریاں کرنے کا نیا ریکارڈ بھی قائم کیا تھا۔جبکہ محمد یوسف ٹیسٹ کرکٹ میں چار

بار ڈبل سنچری کرنے کا اعزاز بھی رکھتے ہیں اور واحد کرکٹر ہیں جو کہ 190 تک پہنچ کر تین بار آوٹ بھی ہو چکے ہیں۔

سیاست نہیں، ریاست بچاؤ

23 دسمبر کو مینار پاکستان، لاہور میں ہونے والے فقید المثال جلسے نے ایک نئی تاریخ رقم کر دی ہے اور عوام کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر نے حکمران جماعت اور دیگر سیاسی جماعتوں پر یہ بات واضح کر دی ہے کہ وہ اب مزید خوان خرابہ، کرپشن، ڈرون حملے، بے روزگاری، ملک کی خود مختاری و سلامتی، آئین پاکستان کے برعکس اقدامات کی پُرزور مذمت کرتے ہیں اور سیاست کا کھیل کھیل کر ریاست بیچنے والوں کا کٹہرا احتساب چاہتے ہیں نیز گذشتہ 65 سالوں میں جو کچھ اس ملک اور عوام کے ساتھ کیا گیا ہے اس کے ازالے کے اب خواہشمند ہیں اور اس کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ اس فرسودہ نظام کو ہی بدل دیا جائے جو کہ اس ابتر صورتحال کا ذمہ داری ہے۔ انہی عوامل کو مد نظر رکھتے ہوئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب نے پانچ سال کے بعد کینیڈا سے وطن واپسی کا رخت سفر بندھا اور عوام نے تاریخی جلسے میں شرکت کر کے نہ صرف انکو وطن واپسی پر خوش آمدید کہا بلکہ ان کے ساتھ مل کر نظام بدلنے کی جہد وجہد یں شریک ہو کر ملک میں نظام بدلنے کی تحریک کا بھی آغاز کر دیا ہے۔

بہت سے لوگ جن میں ہر شعبہ ہائے زندگی کے افراد بھی شامل ہیں ابھی تک حیران ہ پریشان ہیں کہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب اس قدر پاکستان میں مقبولیت کیسے حاصل کر گئے ہیں ، جبکہ وہ پچھلے پانچ سالوں سے دیار غیر میں مقیم ہیں اور عوام سے رابطہ بھی الطاف حسین صاحب کی طرح نہیں رکھا ہوا ہے۔ پھر بھی لوگ محض انکے کہنے پر اس قدر تعداد میں آگئے ہیں کہ حکمران جماعت کے ساتھ ساتھ اپوزیشن جماعتیں بھی سو چ میں پڑی ہوئی ہیں۔لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ تصویر کا ایک ہی رخ دیکھ رہے ہیں دوسری طرح نظر کرم کرنے کی ضرورت نہیںمحسوس کر رہے ہیں کہ وہ ابھی تک کیا کچھ کارنامے سرانجام دے چکے ہیں؟ کیا عوام بڑھتی ہوئی مہنگائی، پٹرول وسی این جی ،بجلی کی روز بروز نرخوں میں اضافے کی شرح کو بھول

جائے؟ ملک کے بڑے شہروں میں روزانہ ہی قتل عام چاہے وہ خود کش حملوں کی صورت میں ہو یا پھر فرقہ واریت کا تسلسل ہو جاری ہے اور کھلم کھلا دہشت گردی کرنے والوں کو کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہے، جبکہ حقائق یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان سب میں تمام جماعتیں کہیں نہ کہیں کسی طور ملوث ہیں اور سب اپنے مفاد کی خاطر چپ ہیں کہ یہاں عوام کا کس نے سوچا ہے؟

گذشتہ پینسٹھ سالوں سے پاکستانی عوام بے شمار مسائل کا شکار ہے اور ابھی تک کسی نے بھی انکے حل کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی ہے۔ اتنے برسوں کے سفر میں ماسوائے اٹیمی قوت کے حصول کے کوئی بھی قابل ذکر تبدیلی ماسوائے چند شعبوں میں نہ تو ہمارے سیاست دانوں اور نہ ہی فوجی حکمران لاسکے۔ وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ سماجی قدروں میں بھی بہت حد تک تبدیلی آچکی ہے۔ لوگ محض دال روٹی کے چکر میں پھنس کر ہی رہ گئے ہیں۔ اپنے مفاد کے حصول کے لئے کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہو چکے ہیں؟ ہمارے جمہوریت کے دعوی دار سیاسی کھلاڑیوں کا نامہ اعمال تو قرضے معاف کرنے والوں اور این آر او سے مستفید ہونے کی فہرستیں دیکھ کر بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارے یہ قوم کی راہنما کس حد تک قوم کی خوشحالی کی بجائے روپے پیسے کے پجاری بن چکے ہیں دولت کے حصول کی خاطر جعلی ڈگری تک لے سکتے ہیں؟ صرف اپنے ذاتی مفاد اور اپنے بچوں کے مستقبل کی خاطر

قوم کو ذلت و رسوائی کی دلدل ہیں زندگی گذارنے پر مجبور کرنا انکا متاع نظر بن چکا ہے؟

تاریخ ساز جلسے کی کامیابی ناقدین سے ہضم نہیں ہو پا رہی ہے اور ڈاکٹر طاہر القادری صاحب پر اب تنقید کی بارش بھی ہونا شروع ہو گئی ہے کہ وہ ملک سے باہر کیوں گئے تھے اب کس کے کہنے پر واپسی ہوئی ہے؟جلسے کی تشہیر پر اس قدر رقوم کیوں خرچ کی گئی ہیں اور کس نے اسقدر روپیہ انکو فراہم کیا ہوگا؟جبکہ ایم کیو ایم کے چیئر مین الطاف حسین کی انکو مبارک باداور انکے ارکان کی جلسے میں آمد بھی بہت سے لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کر رہی ہے کہ درپردہ کون کھیل رہا ہے؟جب انکے خلاف

پروپیگنڈا بھی کیا جارہا ہے انہوں نے اسلامی تعلیمات کی درست تشریح نہیں کی ہے اور انکے بیانات کو توڑ مروڑ کر بھی پیش کیا جاتا رہا ہے اور ابھی بھی ایسا ہی مکروہ فعل جاری ہے تاکہ انکی مقبولیت کی شرح میں کمی لائی جاسکے اور انکے سیاست نہیں، ریاست بچاؤ کے نعرے کو ناکام اور تبدیلی نظام کے منصوبے کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچایا جائے تاکہ مفاد پرستوں کی دکانداری چلتی رہے۔ مگر ناقدین کو یہ بات پتا ہونی چاہیے کہ جب ظلم بڑھ جاتا ہے تو پھر ختم ہو جاتا ہے یا پھر کوئی مسیحا آتا ہے جو سب کو ٹھیک کر دیتا ہے اور ڈاکٹر صاحب ایک مسیحا کی مانند اس ملک کے عوام کی مسیحائی کرنے آئے ہیں جو آزمائے ہوئے لیڈران کو آزما آزما کر اور حالات سے تنگ آچکے ہیں اور اب ہر شعبہ ہائے زندگی میں تبدیلی کے خواہاں ہیں اور اس کے لئے طاہر القادری صاحب جیسے انسان یا عمران خان جیسے شخص کو اپنی آخری امید کے طور پر دیکھ رہے ہیں کہ کوئی بھی پارٹی جس کو وہ پہلے آزما چکے ہیں سے کوئی مزید انقلاب کی توقع نہیں رکھ رہے ہیں۔ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کے حلفیہ بیان کے بھی بھی لوگ ان پر تنقید کرنے سے باز نہیں آئے ہیں جن میں بڑے بڑے نامی گرامی شخصیتیں سیاست و دیگر شعبہ ہائے زندگی کی شامل ہیں اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ تنقید کرنا، تعریف کرنے سے زیادہ آسان عمل ہے اور تنقید کرنے والے اپنے گریبان میں جھانکنے کی زحمت کرنے سے گریز کر رہے ہیں انکو سوچنا چاہیے

کہ جب تبدیلی یا انقلاب آتا ہے تو وہ خاموشی سے آتا ہے اور سب کچھ بدل دیتا ہے۔ڈاکٹر صاحب کا جلسہ ہر لحاظ سے منتظم تھا اور ان سے اب اسی نظم و ضبط کے ساتھ ملک میں نظام کے بدلنے کی توقع ملک کے طول و عرض میں مقیم پاکستانیوں کی خواہش ہے۔راقم الحروف کو اس جلسے میں شرکت کا موقعہ ملا ہے اگرچہ راقم الحروف کا تعلق کسی سیاسی و سماجی جماعت سے کوئی تعلق نہ ہے مگر پھر بھی محض ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب کی صاف گوئی نے گرویدہ بنالیا اور شرکت کے لئے بلا زور و جبر جلسے میں دیگر افراد کی مانند شرکت کی،وہاں تمام شرکاء اپنی مرضی سے گئے کہ وہ سب اب تبدیلی کے خواہاں تھے اور جلسے کے مقررہ وقت سے قبل جلسہ گاہ پہنچ جانا بذات خود ایک انقلابی سوچ ہے کہ وہ سب اپنے قائد کے ساتھ مل کر تبدیلی نظام چاہ رہے ہیں۔راقم الحروف بحیثیت ایک پاکستانی شہری کے اس بات کا خواہاں ہے کہ نظام میں تبدیلی اور آئین کی پاسداری کی بات کرنے والے کی بات کو توجہ سے سن کر اور دل کی آواز پر عمل کرنا چاہیے اور ملک سے ہر طرح کی انصافی ختم کرنے والے ہر شخص کا ساتھ دینا چاہیے اور ایسے شخص کو جو ملک کی وفاداری کی بات کرے،حلف لے کر بات کہے تو اسلامی تعلیمات کا تقاضہ ہے کہ ایسے شخص پر بے بنیاد الزامات کی بارش کرنے سے قبل اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے کہ ہم خود کتنے پانی میں ہیں؟جہاں اتنے نااہل لوگوں کو آزما کر کچھ نہیں پاسکے تو ڈاکٹر صاحب جیسے محب وطن شہری

اور لیڈر کو ملک سنوارنے کا کم از کم ایک موقعہ تو دینا چاہیے ؟
لیکن اب یہ سب کچھ عوام پر منحصر ہے کہ وہ آئندہ الیکشن میں اپنی ووٹ کی طاقت سے کس کو اقتدار میں لاتے ہیں لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہم عوام ہیں کہ ہر وقت ان کو ہی آزماتے رہتے ہیں،جو ہمارا خون تک رگوں سے چوس جاتے ہیں۔ کبھی نئے آنے والے اچھے اور مخلص سیاست دانوں کی قدر نہیں کرتے ہیں ؟کیا ہمارے مقدر میں بدکردار اور بددیانت لوگ ہی رہنمائی کے قابل رہ گئے ہیں؟کیا ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور عمران خان جیسے لوگ جو ابھی پاکستان میں موجود ہیں جو حق اور سچ پر مبنی بات کرتے ہیں اور ملک و قوم سے وفاداری پر کسی کو شک وشبہ نہیں ہے، کو موقع دے کر اقتدار میں لانا ملک سے غداری ہے اگر نہیں تو پھر بات صرف انکو ووٹ کی طاقت سے اقتدار میں لائیں اور ملک کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیں تاکہ خاندانی سیاست کا اثرو رسوخ کا خاتمہ ہوسکے اور ہمیں مخلص قائد مل سکیں اور ملک بھی استحکام و خوشحالی کی راہ پر گامزن ہوسکے اور ہمیں قائدا عظم محمد علی جناح کے پاکستان کو عظیم سے عظیم تر بنانے کا موقعہ مل سکے۔ ہمیں اب اس بات کا خود فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہمیں کس انداز حکمرانی کرنے والے لوگوں کی ضرورت ہے جس سے نہ صرف ہماری آنے والی نسلیں بلکہ ہمارے ملک کو بھی خوشحالی اور استحکام مل سکے۔ ہمیں مل کر

اپنی اور اپنے ملک کی تقدیر بدلنی ہوگی اور اسکے لئے نظام بدلنے کی ضرورت ہوگی اور اگر نظام بدلنا ہے تو پھر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا ساتھ پاکستان کو بچانے کے لئے دینا ہوگا اور ووٹ ایسے لوگوں کو دینا ہوگا جو ملک کو بچا یا نظام کو بدل سکے۔ بات صرف تعاون اور فیصلہ کرنے کی ہے ؟ سوچئے اور فیصلہ کیجئے ایسا نہ ہو کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں ؟

درندگی نئی دہلی سے کراچی کا سفر

پچیس دسمبر کی شب کو شاہ زیب کے ساتھ ہونے والے درندگی کے کھیل سے تو آپ سب واقف ہو چکے ہونگے کہ بہن کی عزت وناموس کی خاطر اپنی جان سے بازی ہار چکا ہے۔شاہ زیب نے محض بہن کو تنگ کرنے سے روکا تھا اور حق کی بات کی تھی مگر شاہ رخ جتوئی اور نواب سراج تالپور جن کے نام سامنے آئے ہیں جو کہ اس وقوع کے مرکزی کردار ہیں جنھوں نے اپنی انا اور عزت کی خاطر اپنے سامنے بولنے والے کی آواز ہی خاموش کر دی۔یہ کچھ انوکھی بات نہیں ہے کہ پاکستان میں گذشتہ ساٹھ سالوں سے یہی تو ہوتا آ رہا ہے کہ حق یا پاکستان کے مفاد میں بڑھ چڑھ کر بولنے والوں کو یا تو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا جاتا ہے یا پھر ان کے ساتھ مک مکا کر لیا جاتا ہے یا پھر ایسی دھمکیاں دی جاتی ہیں کہ انسان پھر ملک کے مفاد کو سوچتا ہی نہیں ہے؟

لیکن سوچنے کی بات ہے کہ پاکستان جیسے جمہوری ملک میں یہ سب نہیں ہوتا ہے بھارت جو کہ جمہوریت کا سب سے بڑا علمبردار بنتا ہے وہاں بھی درندگی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔اس کے بارے میں ذیل میں آپ کو بتا رہا ہوں۔

نئی دلی میں ایک بس میں دوران سفر درندگی کا نشانہ بننے والی لڑکی کو جمعرات کے روز علاج کیلئے سنگاپور کے ماؤنٹ الزبتھ اسپتال منتقل کیا گیا جہاں دوران علاج لڑکی کو دل کے دورہ پڑا جبکہ پھیپھڑوں اور پیٹ میں بھی انفیکشن ہو گیا۔ سنگاپور منتقل کئے جانے سے پہلے لڑکی کے نئی دلی میں بھی تین آپریشن کئے گئے تھے۔ تئیس سالہ لڑکی کے ساتھ اجتماعی زیادتی کا واقعہ سولہ دسمبر کی رات پیش آیا تھا۔ وحشی درندوں نے لڑکی کو اجتماعی زیادتی کے بعد لوہے کے راڈوں سے بدترین تشدد کا نشانہ بنایا اور اسے اپنے دوست سمیت چلتی بس سے باہر پھینک دیا۔ واقعے کے خلاف نئی دلی سمیت بھارت کے متعدد شہروں میں اس انسانیت سوز واقعے کے خلاف لوگ سڑکوں پر نکل آئے۔ پولیس نے 6 ملزموں کو گرفتار کیا تاہم مظاہرین کا مطالبہ ہے کہ حکومت کی جانب سے ملزموں کو عمر قید کی سزائیں دلوانے کا وعدہ کافی نہیں۔ ڈاکٹروں کے مطابق اجتماعی زیادتی اور بس سے باہر پھینکے جانے کے باعث لڑکی کو گہرے جسمانی زخم اور ذہنی صدمہ پہنچا تھا۔ سنگاپور میں بھی آٹھ ماہر ڈاکٹروں کی ٹیم نے اُسے بچانے کی سر توڑ کوشش کی تاہم ظلم و ستم کا شکار لڑکی نے اِس دنیا سے ہمیشہ کیلئے منہ موڑ لیا۔

پاکستان بھی ایک اسلامی جمہوری ملک ہے مگر یہاں قانون کی پاسدری کرنا کوئی بھی فرد اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتا ہے اور شاہ زیب کے حوالے سے ایک انکشاف

آپ کو کچھ سوچنے پر مجبور کردے کہ اس کے والد پولیس کے محکمے میں ہی ہیں اور وقوعے میں ملوث جوانوں کے خلاف انکے اثر و رسوخ کی بنا پر شاید زیادہ قانونی کاروائی نہیں کر پا رہے ہیں ؟ جب کہ اس کے برعکس بھارت میں جہاں مسلمانوں کا قتل عام کیا جاتا ہے ؟ کیا تو اگرچہ پاکستان میں بھی فرقہ واریت پھیلا کر مگر انہوں نے مجرموں کو گرفتار کرلیا ہے۔ مگر یہاں قائد اعظم کی تصویر والے نوٹ اور اثر رسوخ زیادہ اہمیت رکھتے ہیں شاید انکو سزا نہ ہو یا پھر وہ ملک سے ہی باہر نکل جائیں کہ یہاں ایسا ہی ہوتا ہے یہاں پوچھنے والا ہی کون ہے؟ ابھی کل کی اخبار میں ہی خبر پڑھنے کو ملی کہ پولیس کے ایک افسر کو باہر تعینات کر دیا حالانکہ اس کے خلاف کئی انکوائریاں ہو چکی تھیں ؟ ہمیں اب خود سوچنا پڑے گا کہ ہمیں ان جاگیرداروں اور انکے بچوں کو سیاست میں آنے کی حوصلہ شکنی کرنے ہوگی تاکہ کل کو ایسا واقعہ ہمارے ساتھ نہ ہو جائے۔ ہمیں سب کو اس کے خلاف آواز بلند کرنی چاہیے کہ بھائی ویسے بھی بہنوں کے لئے جذباتی ہوا ہی کرتے ہیں۔ کم عمر نوجوان کو اس طرح سے جان سے مار دینا کہاں کی مسلمانیت ہے۔ مگر شاید اونچے گھروں میں رہنے والے شاید بے حس ہوتے ہیں کہ اپنی عزت اور انا کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔

اب دیکھیں کہ اس وقوعے کے ملوث افراد کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ اگر اس بار بھی سپریم کورٹ از خود نوٹس لے گی تو پھر ہمارے ملک کا اللہ حافظ ہی ہے کہ باقی قانون نافذ کرنے والے ادارے یہاں کیا کر رہے ہیں؟ ہمیں ہر جگہ ایسے عناصر کی نشاندہی کر کے انکو قرار واقعی سزا دلوانی چاہیے جو کہ اس طرح کے درندگی کے کھیل کا سبب بنتے ہیں۔

پاکستانی کرکٹ ٹیم کا کامیاب دورہ بھارت اور نئے قومی ہیروز

میرے عزیز ہم وطنوں!

بھارت نے گذشتہ روز پاکستانی کرکٹ ٹیم کو آخری ون ڈے معرکہ میں شکست دے کر اپنی کچھ رہی سہی عزت برقرار تو رکھ لی مگر پاکستان نے گھر کے شیروں کو انکے گھر میں شکست دے کر سیریز جیت لی۔ یہاں وہی انسانی غفلت کا مظاہرہ دیکھنے کو ملا جس کا ہم عملی زندگی میں اکثر و بیشتر سامنا کرتے ہیں کہ جب ہم کامیابی کے پاس پہنچ جاتے ہیں تو حوصلہ ہار یا ذہنی طور پر کچھ زیادہ ہی سکون کا شکار ہو جاتے ہیں کہ کامیابی زیادہ دور نہیں ہے؟ کھیل میں ہار جیت تو ہوتی ہے مگر ایسی ہار جو کل ہوئی اس میں لاپرواہی کا عنصر زیادہ شامل تھا؟ کامیابی مستقل مزاجی اور آخری دم تک چست رہنے کے بعد ہی حاصل ہوا کرتی ہے۔ پاکستانی کرکٹ ٹیم نے تینوں ون ڈے میچوں میں اپنی بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کھیل کے تمام تر شعبوں میں دکھایا۔ ماسوائے آخری میچ میں بیٹنگ میں چند کھلاڑیوں کے ناکام ہونے کے مجموعی طور پر سب نے اپنی کارکردگی سے اپنی صلاحیتوں کو منوایا ہے۔ اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ پاکستان ہی حقیقی معنوں میں عالمی چیمپئن کہلوانے کی مستحق ہے جس نے بھارت جیسی عالمی چیمپئن کو شکست ایسی دی ہے کہ وہ مدتوں یاد رکھے گی۔

مصباح الحق کی کپتانی بھی تینوں میچوں میں بہت حد تک بہترین رہی ہے مگر انہوں نے ماسوائے تیسرے میچ کے دیگر دو میچوں میں خاطر خواہ کاردگی کا مظاہرہ نہیں دکھایا ہے جو کہ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ آئندہ دورہ جنوبی افریقہ میں فارم نہ ہونے کی صورت میں پاکستانی بہت سے مسائل میں گھر سکتی ہے۔جہاں تک کھلاڑیوں کی بات کی جائے تو محمد حفیظ، جنید خان اور ناصر جمشید نئے قومی ہیروز کی فہرست میں شامل ہوئے ہیں۔اگرچہ محمد حیفظ پہلے ہی اپنی عمدہ کارکردگی کی وجہ سے پاکستانی کرکٹ ٹیم میں ایک خاص مقام بنا چکے ہیں اور عالمی سطح پر بھی نمبرون آل راونڈر بھی ہیں۔لیکن اس دورہ بھارت میں انہوں نے ایک بار پھر اپنی عمدہ صلاحیتوں کا اظہار کر کے اپنے آپ کو منوا لیا ہے۔جبکہ بولر کی فہرست میں نمبرون پر آنے والے سعید اجمل نے حسب معمول اچھی بولنگ کر کے بہترین بولر ہونے کا ثبوت ایک بار پھر دے دیا ہے۔

دوسری طرف نئے بولر محمد عرفان نے بھی اعلی بولنگ کر کے شائقین کے دل جیت لیے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ جنید خان نے عمدہ ترین کارکردگی دکھا کر ثابت کر دیا ہے کہ وہ مستقل ممبر کے طور پر پاکستانی کرکٹ کا اہم ہتھیار بن کر فتوحات میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ تینوں میچوں میں اہم ترین کھلاڑیوں کو جنید خان نے آوٹ کر کے

بھارت کی کمر توڑ دی تھی۔اور کوئی بھی بھارتی کھلاڑی اسے کھل کر کھیلنے تیار نہیں تھا۔جینید خان کو مستقبل کا وسیم اکرم بھی کہا جارہا ہے۔اگر اس پر کرکٹ بورڈ نے محنت کی اور بہترین کوچ کی مدد سے اسکی صلاحیتوں کو سامنے لانے میں اس کی مدد کی تو جینید خان پاکستانی کرکٹ ٹیم کا مستقبل کا اہم اثاثہ اور خطرناک ترین بولر کے روپ میں سامنے آ سکتا ہے۔

جہاں تک بات ہے ناصر جمیشد کی تو اس نے اپنی پوزیشن کو بحیثیت اوپنر پکی کر لی ہے۔بھارت جیسی ٹیم کے خلاف عمدہ انداز میں سنچری کرنا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے اور اس نے یہ کارنامہ کوئی ایک بار نہیں مسلسل تین بار سرانجام دیا ہے۔اس نوجوان اوپنر سے مستقبل میں بھی بہت سی امیدیں وابستہ کی جارہی ہیں کہ عمدہ کارکردگی دکھا کر ٹیم کی فتوحات میں اہم کردار سرانجام دے گا۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کو مواقع فراہم کھیلنے کے کئے جاتے رہیں ماضی کی طرح ٹیم سے باہر نہ کیا جائے، محمد حیفظ کے ساتھ عمدہ شراکت کرکے دورہ بھارت میں اس نوجوان کھلاڑی نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ مستقل بنیاد پر ٹیم کا حصہ بن کر مزید کارنامے سرانجام دے سکتا ہے۔

دورہ بھارت میں اگرچہ سیریز میں تو کامیابی حاسل ہوئی ہے مگر بہت سی خامیاں بھی سامنے آئی ہیں جن پر کام کرکے انکو دور کرنے کی ضرورت ہے۔یہاں میں

کرکٹ بورڈ سے بھی التماس کروں گا کہ جنوبی افریقہ کے اہم دورہ پر محمد یوسف جیسے کھلاڑی کو بھی ٹیم کا حصہ بنانا چاہیے، محض مصباح الحق، یونس خان اور اظہر علی پر تکیہ نہیں کرنا چاہیے باقی دیگر کھلاڑی اگرچہ عمدہ کھیل سکتے ہیں مگر تجربے کا کوئی مول نہیں ہے۔ ہوسکے تو محمد یوسف کو دورہ جنوبی افریقہ شامل کر لیا جائے تاکہ ناصر جمشید، اظہر علی اور عمر اکمل و دیگر کھلاڑیوں کو اس سے بھی سیکھنے کا موقعہ مل سکے۔ یہاں ایک بار پھر سچن ٹنڈولکر کی بات کروں گا کہ بھارتی کرکٹ بورڈ خراب کارکردگی کے باوجود کھلا سکتا ہے تو ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے ہیں؟

گولڈ میڈلسٹ سیڑھیوں پر

23دسمبر2012 سے ہر طرف انقلاب کی باتیں ہو رہی ہیں اگرچہ انقلاب لانے کی بات بہت سے لوگوں نے کی، مگر ماسوائے چند لیڈران کے باقی تمام نے اپنا مفاد نکل جانے کے بعد انقلاب کا ذکر خیر کرنا چھوڑ دیا ہے۔انقلاب لانے والے یہ بات پتا نہیں کیوں بھول جاتے ہیں کہ لوگوں کی اگر سوچ بدل دی جائے تو اس ملک کی اور خود عوام کی تقدیر ہی بدل جائے گی۔مگر کیا کریں جناب کہ یہاں کوئی کسی کی سوچ بدلنے کی بجائے اپنے مفادات کو حاصل کرنے کی اور دوسروں کو نیچا کرنے کی تگ ودو میں ہی لگے ہوئے ہیں ۔تاکہ ایسے محب وطن لوگ جو اس ملک اور عوام کی تقدیر بدلنے کی ہمت رکھتے ہیں وہ دلبرداشتہ ہو جائیں اور اُن کو کھل کر کھیلنے کا موقعہ مل سکے۔ اسکی ایک روشن مثال ابھی حالیہ میٹرک کے امتحانات کی تقریب میں جو کہ لاہور بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن کے زیر اہتمام منعقد ہوئی میں دیکھنے کو ملی ہے۔جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انقلاب لانے کی بات جو بھی کرتا ہے ٹھیک ہی کرتا ہے کہ یہاں سب کو اپنی فکر ہے دوسروں کی فکر نہیں ہے اور ایسے نوجوان کو جس نے بورڈ میں دوسری پوزیشن حاصل کی ہے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے اسکی مثال کبھی دیکھنے کو نہیں ملی ہے؟

سے ہے نے میٹرک (Nahranwali) نوید آصف جس کا تعلق اوکاڑہ کے نواحی علاقے کے امتحانات میں لاہور بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن میں دوسری پوزیشن لی۔ایک ایسا نوجوان کا رول ماڈل قائداعظم محمد علی جناح ہیں اور وہ انکی طرح بننے کی خواہش رکھتا ہو اس کے ساتھ یہ بہترین سلوک کیا گیا ہے کہ اس کو تقریب میں نشستیں نہ ہونے کی وجہ سے سیڑھیوں پر بیٹھا دیا گیا۔مجھے کہنے دیجئے ایسے ہونہار نوجوان طالب علم کے ساتھ جو اپنے گھر سے سات کلومیٹر دور سکول پیدل جا کر تعلیم حاصل کرتا رہا ہو ایسے کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے تھا؟ یہاں ایک طرف تو تعلیم حاصل کرنے کے مواقع ہی خوش نصیب افراد کو ملتے ہیں کہ ملک کی معاشی صورت حال نے والدین کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ہوٹلوں پر چھوٹا یا بیرا یا کوئی دوسرا دھندا کرنے اُکسایا ہے تاکہ وہ اپنا پیٹ بھر سکیں اور دو وقت کی روٹی جو ہر جمہوری حکومت کے کارناموں کی وجہ سے کھانا بھی مشکل بنا دی گئی ہے آسانی سے فراہم ہو سکے۔

ہمارے وزیر اعلی پنجاب میاں محمد شہباز شریف صاحب اگر میرٹ پر اس معاملے کی اچھی طرح سے چھان بین کروالیں تو اس ملک کے ہونہار بچوں کے ساتھ آئندہ کوئی ایسی گستاخی کرنے کی جرات نہیں کر سکے گا؟ اب یہاں سپریم کورٹ کے ازخود نوٹسز پر اگر معاملات درست ہونے لگے تو بہت سے لوگوں کو بے چینی ہونا

شروع ہو جائے گی کہ سپریم کورٹ ہر معاملے میں انصاف کی بات کرتی ہے اور انکی من مانی کو روکا جا رہا ہے؟ ہمارے اداروں کی کارکردگی کتنی اچھی ہے اس کا اندازہ موجودہ شاہ زیب کیس میں ہونے والی جلد پیشرفت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر ہمارے نام نہاد سیاسی رہنما اپنے سیاسی کارندوں کو غیر قانونی کاموں میں جو ملوث ہوں کو اپنی کوشش کے باوجود بھی نہ بچائیں تو انصاف ہوتا دکھائی دیتا ہے جس سے بہت جلد ملک میں امن وامان کی صورت حال بہتر ہو سکتی ہے۔ محکمہ تعلیم کو بھی اس معاملے کی تحقیقات کروانی چاہیے کہ شلوار قمیض اور پشاوری چپل میں اگر کسی تقریب میں شرکت کرنا جرم ہے تو اسے شرکت سے ہی روک دینا چاہیے تھا تاکہ کسی کو اسے دیکھ کر سبکی نہ ہوسکے؟ اگر واقعی نشستیں نہیں تھی تو ایک عدد کرسی کا بندوبست کیا جا سکتا تھا؟ اب یہ تو نہیں ہو سکتا تھا کہ تمام تر نشستوں پر مہمان خصوصی اور انکے وہ نمائندے براجمان تھے جو کہ محض اپنی فوٹو اخبار کی زینت بنانے کے دلدادہ ہیں سے درخواست کی جاتی کہ جناب آپ اُٹھ جائیں اس نوجوان کو موقع دیں؟ یہاں تو حکمرانی کے لئے بھی باری مقرر ہے کہ اس بار اس کا موقعہ ہے حکومت جیسی بھی ہو کرنے دو، عوام کا بھر کس نکلنے دو، ہم پھر کسر پوری کر دیں گی؟ ایک نوجوان کو بیٹھنے کا موقعہ کس نے دینا تھا؟

مجھے اس تصویر کو دیکھ کر بہت افسوس ہوا ہے اور میں اپنی قوم کے اس ہونہار سے شرمسار ہوں کہ ہمارے نا اہل اور مفاد پرست افسروں ،لیڈران کی وجہ سے اس کو یہ دن دیکھنا پڑا۔میں یہ قوی امید رکھتا ہوں کہ نوید آصف اس ہونے والی ناانصافی کو دل پر نہیں لے گا اور تن من دھن سے اس ملک کی تقدیر بہترین تعلیم حاصل کرکے بدلنے کی کوشش جس میدان میں ہو سکے گا کرے گا؟اور اپنے تمام سیاست دانوں سے یہ کہنا چاہوں گا آخر میں:

سنو! اتنا ظالم نہ کرو
چوری بازاری چھوڑ دو
ملک کی سوچو
انصاف دو،وگرنہ
عوام بغاوت کر دیں

سنو!

تم سن رہے ہو نا؟؟؟؟

آرہا ہے انقلاب: آنے دو

مارچ ہوگا،

مارچ ہوگا،

مارچ ہوگا۔

جنوری 14 کو لانگ مارچ کرکے اسلام آباد پہنچنے کا حتمی فیصلہ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے اپنی پریس کانفریس میں کرڈالا ہے اور اس کے ساتھ ہی اپنی وکارکنوں کی خدانخواستہ جانوں کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچنے کی ذمہ داری کے لئے اشخاص کو بھی نامزد کردیا ہے کہ وہ اس تمامتر نقصان کے.براہ راست ذمہ دار ہونگا۔ جبکہ دوسری طرف کوئٹہ میں ہونے والے بم دھماکوں میں لگ بھگ سو سے زائد افراد اپنی قیمتی جانوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔اور اس المناک واقعے نے کوئٹہ بلکہ بلوچستان بھر میں صورتحال کو ایک بار پھر کشیدہ کردیا ہے۔ جبکہ دوسری طرف گورنر بلوچستان بھی موجودہ صورتحال کو پوری طرح سے سنبھالنے میں ناکام نظر آئے ہیں۔ 86 شہدا کی میتیں علمدار روڈ پر رکھ کر انکے ورثا اس سطور کے لکھنے تک کوئٹہ کی سخت سردی میں کل شام سے سراپا احتجاج بنے ہوئے ہیں مگر ابھی تک کوئی سیاست دان یا انکا نمائندہ ان کی دادرسی کے لئے اپنا قیمتی وقت نکال کر نہیں جاپایا ہے؟ یہ بھی ابھی تک کوئٹہ کی تاریخ

کا انوکھا واقعہ ہے کہ اس طرح سے احتجاج کرکے عوام اپنے غم وغصے کا اظہار کر رہی ہے؟ہزارہ کمیونٹی کے لوگوں کو جس طرح سے ظلم وستم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور کوئٹہ کو جس طرح لہو لہان کیا جا رہا ہے اس کی ماضی میں مثال نہیں ملتی ہے؟ شہداکے ورثا کا احتجاج ظاہر کر رہا ہے کہ عوام بیدار ہو رہی ہے اسے ایک مسیحا کا انتظار ہے جو آئے اور انکے چہروں پہ خوشیاں اور امن وسلامتی کا بول بالا کرے۔ڈاکٹر طاہر القادری عوام کے لئے کلمہ حق کہنے کی جرات کے ساتھ اٹھ کھڑے تو ہوئے ہیں اور لانگ مارچ اسلام آباد کی جانب کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ بے شمار مسائل میں گھری عوام دسمبر کی تاریخ کو دہراتی ہے اور کوئی انقلاب رونما ہوتا ہے یا پھر لانگ مارچ کی 23 منسوخی کے ساتھ حکمران جماعت ودیگر ناقدین اپنے مقاصد حاصل کرتے ہیں یا پھر پاکستان کی سیاست 14 جنوری کو کوئی نیا رخ اختیار کرتی ہے جو عوام اور اس ملک کے حالات بدلنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے؟

ایم کیوایم کی جماعت جس نے تیئس دسمبر کو عوام کے حقوق دلوانے کی خاطر جس مہم کا آغاز جناب طاہرالقادری صاحب کے ساتھ کیا تھا، نے ایک بار پھر اپنی کہی گئی بات سے پھرنے کی روایت کو سیاسی لحاظ سے مفاد کی خاطر یا یوں کہہ لیجئے کہ عوام کو بھاری بھرکم نقصان جانی ومالی سے بچانے کی خاطر 14 جنوری کے لانگ مارچ میں شرکت کرنے نہ کرنے سے سے معذرت کرکے.برقرار رکھا ہے۔ محض

چند گھنٹوں قبل تک الطاف حسین بھائی نے مارچ میں شرکت کا عناد دیا تھا اور تیاری کا کارکناں کو کہہ بھی دیا تھا۔اسی بات نے بہت سے حلقوں میں بے چینی کی لہر پیدا کر دی ہے کہ اس سے قبل الطاف حسین بھائی نے اپنی تقریر میں قائداعظم کے حوالے سے کچھ باتیں کرکے بہت سے لوگوں کے دلوں کو ٹھیس پہنچا دی ہے جو کہ آسانی سے اب جب الیکشن کا وقت قریب تر آ رہا ہے ایم کیو ایم کے لئے کسی قدر مشکلات پیدا کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔لیکن الطاف حسین نے اپنی جماعت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا ہوا ہے جس کی وجہ سے انکا ووٹ بنک بہت کم ہی متاثر ہو پایا ہے مگر جب عوام نے حکمران جماعت کا اتحادی ہو کر کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ پایا ہو اور انقلاب کی راہ ہموار ہو رہی ہو تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

جہاں تک کچھ ہو جانے کی بات ہے تو قارئین آپ بخوبی واقف ہیں کہ پچھلے پانچ سالوں سے ابھی تک کیا کچھ ہو چکا ہے اور کیا ہو سکتا ہے؟امن وامان کی صورتحال اگر پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے تو کون ذمہ دار ہے؟ حکومت تو اپنی کوئی بھی غلطی تسلیم کرنے کو تیاری نہیں ہے بلکہ اُلٹا ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کو بھی مشیر داخلہ رحمٰن ملک کہہ چکے ہیں کہ انکی جان کو خطرہ ہے؟ بھئی ابھی تک جب سے موجودہ جمہوری حکومت آئی ہے تو تو عوام بھی تو خطرات کا سامنا کر رہے ہیں؟آئے روز ملک بھر میں خودکش حملے ہو رہے ہیں تو ابھی تک اسکا کوئی

مضبوط حل کیوں نہیں تلاش کیا جا سکا ہے محض مختلف گروپس پر الزامات لگا دینے سے مسائل حل نہیں ہو سکتے ہیں؟ یہاں ابھی تک بے نظیر بھٹو کے قاتلوں کو سزا نہیں دی جا سکی ہے؟ بے گناہ شاہ زیب کا خون تو ابھی تازہ ہے اس کا بھی مرکزی مجرم فرار ہے؟ بلوچستان کے حالات کافی سالوں سے خراب سے خراب تر ہو رہے ہیں؟آپ عوام کو اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے لانگ مارچ کی اجازت اس وجہ سے نہیں دے رہے ہو کہ اسطرح سے بڑے پیانے پر جانوں کا ضیاع ہوگا؟ کوئی ہمارے ان ناخداؤں سے پوچھے بھئی ہمارے سکیورٹی ادارے کہاں سوئے ہوئے ہیں؟ ہماری داخلی تحفظ کی ذمہ دار ایجنسیاں کہاں ہیں؟ان دہشت گردوں سے عوام کو محفوظ رکھنے کی ضامن ہیں؟ کیوں ابھی تک ایسے شدت پسندوں کو گرفتار کرکے قانون کے آہنی شکنجوں میں جکڑا جا سکا ہے؟ جبکہ دوسری طرف طاہر القادری صاحب نے اپنی 12 جنوری کی پریس کانفرنس میں اس بات کو بھی بیان کر دیا ہے کہ یہ (حکمران) دہشت گردی کو روک نہیں رہے یا پھر خود کروا رہے ہیں؟اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی اگر انقلاب نہیں آ سکتا ہے تو پھر اس ملک اور عوام کا خدا حافظ ہی ہے؟

23دسمبر 2012 کو مینار پاکستان ،لاہور میں ہونے والے فقید المثال جلسے میں عوام کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر نے ایک نئی تاریخ رقم کرکے حکمران جماعت اور دیگر سیاسی جماعتوں پر یہ بات واضح کر دی ہے کہ وہ اب مزید خوان

خرابہ، کرپشن،ڈرون حملے ،بے روزگاری، ملک کی خود مختاری وسلامتی،آئین پاکستان کے برعکس اقدامات کی پُرزور مذمت کرتے ہیں اور سیاست کا کھیل کھیل کر ریاست بیچنے والوں کا کٹھہرا احتساب چاہتے ہیں۔ نیز گذشتہ 65 سالوں میں جو کچھ اس ملک اور عوام کے ساتھ کیا گیا ہے اس کے ازالے کے اب خواہشمند ہیں اور اس کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ اس فرسودہ نظام کو ہی بدل دیا جائے جو کہ اس ابتر صورتحال کا ذمہ داری ہے۔اور اس کے لئے ضروری ہوگیا ہے کہ ایسی نگران حکومت آئے جو برسوں سے رائج باری سسٹم کو ختم کرکے ایسا نظام متعارف کروائے ،جس سے عوام آئین پاکستان کے مطابق حقوق حاصل کرکے اپنی زندگیوں کو گزار سکے اور حقیقی معنوں میں عوام کی طاقت سے جمہوری حکومت اقتدار میں آئے جو پیدا کردہ مسائل کو حل کرے نہ کہ مزید صورتحال کو خراب کرکے ملک کو تباہی و قتل غارت کی جانب لے جائے؟

بہت سے لوگ جن میں ہر شعبہ ہائے زندگی کے افراد بھی شامل ہیں ابھی تک اس عوامی لانگ مارچ کے اغراض ومقاصد سے بے خبر ہیں یا پھر جان کر اس کی مخالفت کر رہے ہیں شاید وہ تمام تر بنیادی سہولیات جو عوام کے پاس نہیں ہیں سے لطف واندوز ہو رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ عوام بھی ایسے ہی عیاشی کر رہی ہوگی جہاں گیس، سی این جی کی قلت ہو، پٹرول روز بروز مہنگا ہو رہا ہو، ٹیکس ادا کرنے کے باوجود بھی کوئی بنیادی سہولت میسر نہ ہو تو پھر عوام اپنے

حقوق کی بات کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔جب آئین پاکستان کی رو سے عوام لانگ مارچ کرنے کا حق رکھتی ہے تو پھر کس لئے اسکے عوام سے اسے دور کیا جارہا ہے تاکہ من پسند نگران حکومت آئے اور پھر آزمائے ہوئے چہرے عوام پر مسلط ہو جائیں۔ حکمران جماعت کے ساتھ ساتھ اپوزیشن جماعتیں بھی سوچ میں پڑی ہوئی ہیں۔اور اس بات پر ضرور دے رہی ہیں کہ اس وقت جب الیکشن کا وقت قریب ہے تو اس لانگ مارچ کی قطعی ضرورت نہیں ہے،جب کہ وسیع پیمانے پر حالیہ کوئٹہ کے بم دھماکوں کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کسی قسم کی تخریبی کاروائی کا امکان ہے مگر یہاں 2007 کی مانند جب بے نظیر بھٹو صاحبہ کو بھی جلسے جلوس کرنے سے اسی وجہ سے روکا گیا تھا کہ انکی جان کو خطرہ ہے تو انہوں نے اپنی عوام کے لئے تمام خطرات کے سامنا کرنے کا سوچ اور پاکستان آمد سے اپنی شہادت تک عوام کے درمیان گھری رہیں۔یہ ہوتی ہے لیڈرشپ جو اپنی عوام کو کچھ دینے کے لئے اپنی جان تک قربان کر سکتی ہے؟ سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ موجودہ جمہوری حکومت کو پانچ سال ہونے کو ہیں کیا ان بم دھماکوں کے ملزمان کو کیفر کردار تک پہنچایا گیا ہے یا کوئی ایسی حکمت عملی تیار کی گئی ہے جس سے قیمتی جانوں کا ضیاع روکا جاسکا ہو۔یہ کہاں کا انصاف ہے کہ دہشت گردی ہونے کی اطلاعات جیسے ابھی رحمٰن ملک صاحب نے ڈاکٹر طاہر القادری کو دی کہ ان پر حملہ ہوگا فراہم کی ہے؟مل سکتی ہے تو ایسے عناصر کا قلع قمع کیوں نہیں کیا جاتا ہے محض موت کے ڈر سے تو لیڈر اپنی عوام کے حقوق کے لئے

پیچھے نہیں ہٹ سکتے ہیں۔ ابھی تک کی معلومات کے مطابق ڈاکٹر طاہر القادری صاحب لانگ مارچ کی کامیابی کے لئے پر عزم ہیں اور عوام کے ایک بار پھر سمندر کو ساتھ لے کر اناہل حکمرانوں کو آئینہ دکھانے کے درپے ہیں کہ اس ملک اور عوام کے ساتھ بہت زیادتی کر لی اب بس کرو،اب ایسا نظام لاؤ جس سے ملک میں امان و امان اور خوشحالی آسکے ،سب طاہر القادری کی باتوں سے متفق ہیں مگر لانگ مارچ کرنے کے حق پر کیوں نہیں ہیں کیوں کہ وہ ڈرتے ہیں کہ ووٹ کی طاقت کا انقلاب آیا تو انکی دکانداری ختم ہو جائے گی؟

افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے سیاست دان تصویر کا ایک ہی رخ دیکھ رہے ہیں دوسری طرح نظر کرم کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کر رہے ہیں کہ وہ ابھی تک کیا کچھ کارنامے سرانجام دے چکے ہیں؟ کیا عوام بڑھتی ہوئی مہنگائی، پٹرول و سی این جی ، بجلی کی روز بروز نرخوں میں اضافے کی شرح کو بھول جائے؟ ملک کے بڑے شہروں میں روزانہ ہی قتل عام چاہے وہ خود کش حملوں کی صورت میں ہو یا پھر فرقہ واریت کا تسلسل ہو جاری ہے اور کھلم کھلا دہشت گردی کرنے والوں کو کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہے جبکہ حقائق یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان سب میں تمام جماعتیں کہیں نہ کہیں کسی طور ملوث ہیں اور سب اپنے مفاد کی خاطر چپ ہیں کہ یہاں عوام کا کس نے سوچا ہے؟ گذشتہ پینسٹھ سالوں سے پاکستانی عوام بے شمار مسائل کا شکار ہے اور ابھی تک کسی نے بھی انکے حل کی طرف خاطر خواہ

توجہ نہیں دی ہے۔ اتنے برسوں کے سفر میں ماسوائے ایٹمی قوت کے حصول کے کوئی بھی قابل ذکر تبدیلی ماسوائے چند شعبوں میں نہ تو ہمارے سیاست دانوں اور نہ ہی فوجی حکمران لا سکے۔ وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ سماجی قدروں میں بھی بہت حد تک تبدیلی آچکی ہے۔ لوگ محض دال روٹی کے چکر میں پھنس کر ہی رہ گئے ہیں۔ اپنے مفاد کے حصول کے لئے کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہو چکے ہیں؟ ہمارے جمہوریت کے دعوی دار سیاسی کھلاڑیوں کا نامہ اعمال تو قرضے معاف کرنے والوں اور این آر او سے مستفید ہونے کی فہرستیں دیکھ کر بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارے یہ قوم کی راہنما کس حد تک قوم کی خوشحالی کی بجائے روپے پیسے کے پجاری بن چکے ہیں دولت کے حصول کی خاطر جعلی ڈگری تک لے سکتے ہیں؟ صرف اپنے ذاتی مفاد اور اپنے بچوں کے مستقبل کی خاطر قوم کو ذلت و رسوائی کی دلدل میں زندگی گذارنے پر مجبور کرنا انکا متاع نظر بن چکا ہے؟ کیا ابھی بھی عوام سوئی رہے اگر اس بار بھی قوم سوئی رہی اور اپنے حقوق لینے کی جنگ میں ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کا ساتھ نہ دیا تو شاید پھر ایسا مسیحا نہ آسکے جو انکے دکھوں کا مداوا کر سکے۔ کیا ہی اچھا ہوتا جتنا زور طاہر القادری صاحب کے لانگ مارچ کے روکنے کے لئے لگایا جارہا ہے وہ علمدار روڈ پر شہداء کے ورثاء کو انصاف کرنے کے لئے لگا دیا جاتا ہے تو انقلاب کی راہ جسے خود سے ہموار کیا جارہا ہے سے بچا جا سکتا؟؟؟

اب یہ سب کچھ عوام پر منحصر ہے کہ وہ آئندہ الیکشن میں اپنی ووٹ کی طاقت سے کس کو اقتدار میں لاتے ہیں لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہم عوام ہیں کہ ہر وقت ان کو ہی آزماتے رہتے ہیں جو ہمارا خون تک رگوں سے چوس جاتے ہیں۔ کبھی نئے آنے والے اچھے اور مخلص سیاست دانوں کی قدر نہیں کرتے ہیں ؟ کیا ہمارے مقدر میں بد کردار اور بددیانت لوگ ہی رہنمائی کے قابل رہ گئے ہیں ؟ کیا ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور عمران خان جیسے لوگ جو ابھی پاکستان میں موجود ہیں جو حق اور سچ پر مبنی بات کرتے ہیں اور ملک و قوم سے وفاداری پر کسی کو شک و شبہ نہیں ہے ، کو موقع دے کر اقتدار میں لانا ملک سے غداری ہے اگر نہیں تو پھر بات صرف انکو ووٹ کی طاقت سے اقتدار میں لائیں اور ملک کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیں تاکہ خاندانی سیاست کا اثر و رسوخ کا خاتمہ ہو سکے اور ہمیں مخلص قائد مل سکیں اور ملک بھی استحکام و خوشحالی کی راہ پر گامزن ہو سکے اور ہمیں قائداعظم محمد علی جناح کے پاکستان کو عظیم سے عظیم تر بنانے کا موقعہ مل سکے۔ ہمیں اب اس بات کا خود فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہمیں کس انداز حکمرانی کرنے والے لوگوں کی ضرورت ہے جس سے نہ صرف ہماری آنے والی نسلیں بلکہ ہمارے ملک کو بھی خوشحالی اور استحکام مل سکے۔ ہمیں مل کر اپنی اور اپنے ملک کی تقدیر بدلنی ہوگی اور اسکے لئے نظام بدلنے کی ضرورت ہوگی اور اگر نظام بدلنا ہے تو پھر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا ساتھ پاکستان کو بچانے کے لئے دینا ہوگا، جنوری 14 کو اسلام آباد کی جانب پرامن مارچ کرنا

ہوگاتاکہ ہمارے مفاد پرست سیاستدانوں کو خبر ہوسکے کہ عوام اب انقلاب کے لئے تیار ہے،ایسے لیڈر کی متلاشی ہے جو ملک کو بچاسکے اور یا نظام کو بدل سکے، بات صرف تعاون اور فیصلہ کرنے کی ہے؟ سوچئے اور فیصلہ کیجئے ایسا نہ ہو کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں؟؟

لاش برائے فروخت

پاکستان میں حب وطن اور محنتی و قابل افراد کو کہیں بھی صلاحیتوں کے مطابق اول تو کام دیا ہی نہیں جاتا ہے اگر دے بھی دیا جائے تو انکی راہ میں کئی روڑے اٹکائے جاتے ہیں تاکہ وہ دل برداشتہ ہو کر اس کام کو منطقی انجام تک پہنچانے کی دھن میں نہ رہے اور مفاد پرست لوگوں کو انکا فائدے بدستور ملتے رہیں۔ بعض اوقات اگر وہ اس طرح سے بھی کام سے پیچھے نہ ہٹے تو پھر اسکا کام ہی تمام کر دیا جاتا ہے کہ نہ رہے بانس نہ بجے بنسری۔ ابھی حال ہی میں نیب کے نوجوان افسر کامران فیصل کو بھی جانفشانی سے کام کرنے کا صلہ جان سے مار دینے کی صورت میں دیا گیا ہے۔ کہ پاکستان میں سب سے بڑا جرم یہاں سچ بولنا یا اپنے حق کی بات کرنا یا وطن سے محبت ہے۔

پاکستان میں احتساب کے قومی ادارے نیب کے تفتیشی افسر کامران فیصل کے والد حاجی عبدالحمید کا کہنا ہے کہ ان کا بیٹا زندگی بھر نہیں بکا تو اب اس کی لاش پر برائے فروخت کیسے لکھ دوں؟ انھوں نے یہ بات کیوں کی ہے آپ سب باشعور سمجھ دار لوگ ہیں بہتر جانتے ہیں کہ پاکستان میں انصاف کے حصول کے لئے بھی لوگ در بدر پھرتے ہیں اور بیشتر معاملات میں انصاف اگلی نسلوں تک بھی نہیں

مل پاتا ہے۔اس قتل کے بارے میں بہت سی باتیں زبان زد عام ہیں لیکن انکے قتل کا فائدہ کس کو سب سے زیادہ پہنچا سکتا ہے یہ بات اب ایک چھوٹی سے ریڑھی لگانے والا شخص بھی جانتا ہے مگر یہاں پر ایک بار پھر سیاست کرکے خون کو بیچنے کی کوششیں کی جارہی ہیں اسی وجہ سے کامران فیصل کے والد نے اسطرح کا بیان دیا ہے جو کہ ایسے افراد کے منہ پر طمانچہ ہے جو اسکو اسطرح سے دبانا چاہ رہے تھے۔

نیب افسر کامران فیصل کی موت کا مقدمہ چھ روز بعد اسلام آباد کے تھانہ سیکریٹریٹ میں درج کرلیا گیا ہے۔نیب کے افسران کا موقف ہے کہ کامران فیصل کی موت خود کشی نہیں بلکہ قتل ہے۔اب اتنے روز کی تاخیر کی وجہ بھی بہت سے شکوک وشبہات پیدا کر رہی ہے لیکن سب کو اپنی پڑی ہوئی ہے کہ کیس جلد از جلد ختم ہو اور انکی سیاسی ساکھ خراب نہ ہو۔مگر اس بار میڈیا نے کسی قدر حق کا ساتھ دے کر کامران فیصل کے قتل کے ذمہ داروں کو کٹہرے میں لانے کے اپنی سعی تو کردی ہے۔اب یہ سپریم کورٹ پر ہے کہ وہ کیسے حقائق کو سامنے رکھ کر اس کیس کا فیصلہ کرتی ہے۔

کامران کا پوسٹ مارٹم کرنے والا میڈیکل بورڈ نا تجربہ کار ہونے کا انکشاف بھی ہوا ہے جو کہ اس کیس کو مشکوک بنا چکا ہے جبکہ پمز اسپتال میں اعلی

ڈاکٹروں کی موجودگی کے باوجود بھی پوسٹ مارٹم پولی کلینک میں کیا گیا ہے جو کہ سب کو حیران کر چکی ہے۔ دوسری طرف سپریم کورٹ نے نیب کی جانب سے رینٹل پاور عملدرآمد کیس کی سماعت کامران فیصل کی موت کی تحقیقات تک روکنے کی استدعا مسترد کر دی۔ یہ بات بھی سمجھ سے بالاتر ہے کہ قتل کی تحقیقات روکنے کا مقصد کیا ہے۔ جبکہ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ وزیراعظم پرویز اشرف صاحب نے شدید ذہنی دباؤ کی وجہ سے اپنی بیٹے کی ولیمے کی تقریب میں بھی مہمانوں کے چبھتے ہوئے سوالوں سے بچنے کے لئے شرکت نہیں کی ہے۔ جو کہ تصویر کا دوسرا رخ بھی سامنے کر رہی ہے۔ جبکہ کامران فیصل کی ابھی تک سامنے آنے والی تصاویر بھی خودکشی کے مفروضے کو یکسر رد کرتی ہے اور اس بات کی جانب کھلا نشاندہی کرتی ہے کہ اس بار پھر ایک اونچا کھیل کھیلا گیا ہے۔ حالانکہ کے قوم کے اس بیٹے نے محض ملک و قوم کے اربوں روپے کی کرپشن کو بے نقاب کرنے اور مجرموں کو سامنے لانے میں اپنی ایمانداری دیکھائی ہے۔ اب یہ پوری پاکستانی قوم پر منحصر ہے کہ وہ اسکو سچا ثابت کرنے میں اپنا کردار سرانجام دیتے ہیں یا نہیں ابھی تک کسی سیاسی جماعت یا لیڈر نے اس بارے میں کھل کر بیان جاری نہیں کیا ہے جو کہ ہمارے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے کہ اگر یوں ہی ملک میں کرپٹ لوگ اپنی جیبیں گرم کرتے رہے اور ہونہار نوجوان قتل ہوتے رہے تو پھر اس ملک میں بہت بڑی تباہی سامنے

آ ئے گی۔

آئندہ آنے والے وقت میں اس کیس کے بارے میں بہت کچھ سامنے آئے گا ہو سکتا ہے کہ اس بار انصاف ہوتا دکھائی دے اگر ایسا ہوا تو ایک بڑا انقلاب کا راستہ ہموار ہو جائے گا اور پاکستان کے حالات بھی بہتر ہونا شروع ہو جائیں گے۔اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر اس ملک میں ہر کسی کو اپنی من مانی کرنے کا ایک اجازت نامہ مل جائے گا اور ملک تباہی و قتل وغارت کا شکار ہو جائے گا۔اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمارے ملک کو ہر لحاظ سے اپنوں اور غیروں کی سازشوں سے بچائے رکھے آمین۔

بات تو سچ ہے مگر

برقعے میں لپٹی، چہرے پر نقاب لئے ایک مسلمان بہن فرانس کی ایک سپر مارکیٹ میں خریداری کر رہی تھی ٹرالی میں مطلوبہ سامان ڈالنے کے بعد کیش کاؤنٹر کی طرف ادائیگی کیلئے بڑھی اتفاق سے کاؤنٹر پر اُس سے پہلے ایک فیشن ایبل عورت پیسے دینے کیلئے کھڑی تھی۔ جو اپنے نین نقش اور لہجے سے عرب لگ رہی تھی عربانی نے حجاب میں لپٹی عورت کو حقارت سے دیکھا اور اپنے غصے کے اظہار کیلئے اپنی سامان والی ٹوکری کو کاؤنٹر پر پٹخ کر رکھا اور بڑبڑاتے ہوئے سامان کاؤنٹر پر ڈالنے لگی یہ حجاب والی بہن نہایت صبر اور خاموشی کے ساتھ اس عربانی کی یہ ساری حرکات دیکھتی رہی اس بہن کی یہ خاموشی اور صبر عربانی کیلئے اور بھی تلملاہٹ کا باعث بن گیا عربانی اپنی جھنجھلاہٹ کو نا دبا سکی اور آخر بول ہی پڑی پہلے کیا کم مسائل ہیں فرانس میں ہم مسلمانوں کیلئے ایک سے بڑھ کر ایک مصیبت روز کھڑی ہو جاتی ہے اور تمہارا یہ نقاب ان سب مصائب کی ایک جڑ ہے ہم یہاں پر تجارت یا سیاحت کیلئے آتے ہیں نا کہ دین کی اشاعت یا اپنے اسلاف کی تاریخ بیان کرنے اگر تم اتنا ہی دینی شعار کی پابند ہو تو جاؤ اپنے وطن کو اور جیسے رہنا چاہو رہو اس پردہ دار بہن نے اپنا پرس اپنی ٹرالی میں رکھا اور اپنے چہرے سے نقاب ہٹایا سنہرے بال اور گہری نیلی آنکھیں۔

عربانی سے کہا: میں خاندانی فرانسیسی عورت ہوں میرا دین اسلام ہے اور فرانس میرا وطن ہے تم لوگوں نے اپنے دین کو بیچ دیا اور ہم نے اس دین کو خرید کر اپنا لیا ہے۔
اس طرح کی نہ جانے کتنی مثالیں ہمارے سامنے روز آتی ہیں جہاں ہمیں اسلام کی صحیح تصویر دیکھنے کا موقعہ ملتا ہے مگر پھر بھی ہم اسلام کی تعلیمات پر ٹھیک طرح سے عمل پیرا ہونے کو شاید اپنی سبکی محسوس کرتے ہیں یا لوگوں کی اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر داڑھی رکھی لی تو لوگ کہیں گے کہ یہ تو بڑا مولوی بنا پھرتا ہے یا اس طرح کی دیگر باتیں جو ہم عموما اپنی روزمرہ کی زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں وہ ہمارے ساتھ بھی پیش آسکتی ہیں۔ہم اپنی عملی زندگی میں اس بات سے دور ہونے کی وجہ سے اسلام کی تعلیمات ہی ہمیں راہ حق کی طرح لے جاسکتی ہے بے شمار مسائل کا سامنا کرتے ہیں مگر اسی یہ وجہ سمجھنے کی بجائے یہ تصور کرتے ہیں کہ ہماری قسمت میں ہی ایسا لکھا ہوگا؟
ہم اپنے آپ کو مسلمان تصور کرنے کی بجائے نہایت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑرہا ہے کہ کسی ایک فرقہ کے کہلوانے کے زیادہ دلدادہ ہو گئے ہیں،آپ کا اگر مشاہدہ ہوا ہو تو عموما لوگ گفتگو کے دوران آپ سے مسلک کا حوالہ ضرور

پوچھتے ہیں اور پھر ایک لا حاصل دینی بحث چھڑ جاتی ہے اور عموما یہ ایسے لوگوں کے درمیان ہی ہوتی ہے جو کہ دین سے بہت دور ہوتے ہیں لیکن آپ سے بات ایسے کرتے ہیں کہ جیسے ان سے.بڑا کوئی عالم دنیا میں نہ ہوگا؟

یہ بات تو سچ ہے کہ اسلام پوری انسانیت کے لیے ہے مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم اس کی ان تعلیمات پر عمل کرتے ہیں جو کہ ہمارے دل کو بھا جائیں جبکہ اسلام اس کے .برعکس ہمیں درس دیتا ہے۔یہ ہمارے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے کہ ہم فرقوں میں بٹ کر کسی کو انسان تک سمجھنے کے قائل نہیں ہیں، کہ کسی کا کافر قرار دے کر جان سے مار دینا کہاں کا انصاف ہے؟کیا اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ محض اختلاف پر کسی کو قتل کر دیا جائے؟بات کو سوچیے گا کہ اسلام ہمیں کیا کہتا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں کیا ہم بہت سی باتوں کو سچ یا جھوٹ ثابت کرنے کے لئے روز محشر تک چھوڑ کر اپنے کو ٹھیک نہیں کر سکتے ہیں؟

انقلاب آچکا۔ تبدیلی کا فیصلہ کیجئے

نتیجہ پھر وہی ہو گا سنا ہے چال بدلیں گے
پرندے وہی ہونگے بس شکاری جال بدلیں گے
بدلنا ہے تو دن بدلو، بدلتے کیوں ہو ہندسوں کو
مہینے پھر وہی ہونگے سنا ہے سال بدلیں گے
چلو ہم مان لیتے ہیں مہینہ ساٹھ سالوں کا
بتاؤ کتنے سالوں میں ہمارے حالات بدلو گے؟

پینسٹھ سالوں سے پاکستانی قوم بے شمار مسائل کا شکار ہے اور ابھی تک کسی نے بھی انکے حل کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی ہے۔جب کہ اس کی طرف نشاندہی کر کے ڈاکٹر طاہرالقادری نے عوام کو اپنے حقوق کے حصول کی ایک نئی راہ اور سیاست دانوں کا کسی حد تک اصلی چہرہ بے نقاب کر کے ایک ہلچل مچا دی ہے کہ وہ اپنے حق کی خاطر اٹھ کھڑے ہوں اور پاکستان کو قائدِ اعظم کے خواب کی تعبیر کے قریب تر لائیں۔ اتنے برسوں کے سفر میں ماسوائے ایٹمی قوت کے حصول کے.

کوئی بھی قابل ذکر تبدیلی ماسوائے چند شعبوں میں نہ تو ہمارے سیاست دانوں اور نہ ہی فوجی حکمران لا سکے۔ وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ سماجی قدروں میں بھی بہت حد تک تبدیلی آچکی ہے۔ لوگ محض دال روٹی کے چکر میں پھنس کر ہی رہ گئے ہیں ۔ اپنے مفاد کے حصول کے لئے کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہو چکے ہیں؟ ہمارے جمہوریت کے دعوی دار سیاسی کھلاڑیوں کا نامہ اعمال تو قرضے معاف کرنے والوں اور این آر او سے مستفید ہونے والوں کی فہرستیں دیکھ کر اور رنیٹل پاور کیس، حج کرپشن کیس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارے یہ قوم کی رہنما کس حد تک قوم کی خوشحالی کی بجائے روپے پیسے کے پجاری بن چکے ہیں۔ دولت کے حصول کی خاطر جعلی ڈگری تک لے سکتے ہیں اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ڈگری ڈگری ہوتی ہے اصلی ہو یا جعلی ہو؟

صرف اپنے ذاتی مفاد اور اپنے بچوں کے مستقبل کی خاطر قوم کو ذلت و رسوائی کی دلدل میں زندگی گذارنے پر مجبور کرنا انکا متاع نظر بن چکا ہے؟ لیکن ہم ہیں کہ ہر وقت ان کو ہی آزماتے رہتے ہیں کبھی نئے آنے والے اچھے اور مخلص سیاست دانوں کی قدر نہیں کرتے ہیں ؟کیا ہمارے مقدر میں بدکردار اور بددیانت لوگ ہی رہنمائی کے قابل رہ گئے ہیں؟ڈاکٹر طاہر القادری اور عمران خان جیسے لوگ ابھی پاکستان میں موجود ہیں جو حق اور سچ پر مبنی بات کرتے ہیں اور ملک و قوم سے وفاداری پر کسی کو شک وشبہ نہیں ہے مگر بات صرف انکو سامنے لانے

اور قیمتی ووٹ سے اسمبلی میں لانا ہے تاکہ خاندانی سیاست کا اثرو رسوخ کا خاتمہ ہوسکے اورہمیں مخلص قائد مل سکیں۔ہمارے سیاستدان اس ملک اور عوام کے ساتھ کتنے مخلص ہیں اس بات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ محض نا اہلی سے بچنے کے لئے ہائر ایجوکیشن کمیشن اورالیکشن کمیشن کونشانے پر لے رکھا ہے کہ نہ انکی قابلیت اورنہ الیکشن لڑنے کی اہلیت پر کوئی اعتراض کیا جائے جبکہ آئین پاکستان صاف ستھرے نمائندوں کو ہی الیکشن لڑکراسمبلیوں میں پہنچنے کی بات کرتاہے۔اوراس معاملے کواجاگرکرنا بھی ڈاکٹر طاہر القادری کا ایک کارنامہ ہے وگرنہ کوئی بھی اسطرح کی بات کرکے اپنے پاؤں پر کلہاڑی نہیں مارگے ؟

مگرافسوس کی بات ہے کہ یہاں سب کرپشن کے ساتھ ہی اقتدار میں آنا چاہتے ہیں اور عوام کے پیسے سے ووٹ خرید کر اپنی دوکانداری چلانے کا سوچتے ہیں۔ڈاکٹر طاہر القادری کی یہاں میں اس لیے بات کرنا چاہوں گا کہ انہوں نے حمام میں ننگے سیاستدانوں کے کرتوں کو بے نقاب کردیا ہے کہ وہ کس طرح سے اس ملک کی سادہ لوح عوام کے جذبات سے محض اپنے مفادات حاصل کرنے کے لئے کھیل رہے ہیں۔ڈاکٹر طاہرالقادری کے لانگ مارچ کو ناکام کہنے والے یادرکھیں کہ آئین کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کی باتیں اب ایک ریڑھی والے سے ایک پڑھا لکھا شخص تک اپنی روزمرہ گفتگو میں کرنے لگ گیا ہے یہ بات بھی کسی انقلاب سے کم نہیں

ہے؟ مزید براں اپنے حقوق کے حوالے سے لانگ مارچ اب محرومیوں کا شکار عوام جہاں موقعہ ملا کرے گی۔ بلوچستان ، کراچی اور ملک بھر میں امن و امن و بے روزگاری کی شرح سب پر عیاں ہو چکی ہے ۔اور یہ حقائق جو ذیل میں بیان کئے جا رہے ہیں ہم سب کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے اگر اس بار بھی ہم نے ووٹ غلط شخص کو دینے کی غلطی کر لی تو شاید اس کا کفارہ ادا نہ ہو سکے۔

پاکستان اقتصادی لحاظ سے بین الاقوامی برادری میں کرپشن میں 117 واں نمبر پر ہے۔ جبکہ بھوٹان جو کہ سارک کا سب سے چھوٹا ملک شمار ہوتا ہے وہ کرپشن می 29 نمبر پر ہے۔ جب کہ ہمارا ہمسایہ بھارت کرپشن میں 70 ویں نمبر پر، سری لنکا 74 ویں اور منگولیا جیسا ملک 92 نمبر پر ہے۔ بنگلہ دیش ،زمبابوے، نائیجیر کا کرپشن میں 108 واں نمبر ہے ۔ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل کی حالیہ رپورٹ کے مطابق 8ہزار500 روپے بدعنوانی، ٹیکس چوری اور خراب طرز حکمرانی کی نظر ہوئے۔ پی آئی اے، پی ایس او، پاکستان اسٹیل ، پاکستان ریلوئے اور سوئی گیس جیسے منافع بخش ادارے سالانہ 150 سے 300 ارب روپے خسارہ میں ہیں۔ جبکہ اسٹیٹ بنک آف پاکستان کی تازہ رپورٹ کے مطابق پاکستان کے کل قرضہ جات 14561 ارب روپے سے تجاوز ہو چکے ہیں جو کہ 2008 سے اب تک تقریبا ایک سو فیصد زائد ہیں۔

دوسری طرف اگر بیروزگاری کی طرف دیکھا جائے تو اس وقت ہمارے ملک میں اس کی

شرح تقریباً15.4 فیصد ہو چکی ہے۔اس کے مقابلے میں بنگلہ دیش میں 5.1، سری لنکا میں 4،نیپال میں 4.6، گھانا میں 11 فیصد ہے۔ صحت کے معاملات پر بھی کچھ بات کر لیتے ہیں کہ صحت پر ہمارا خرچ GNPکا 0.84 فیصد اور GDPکا 2.6 فیصد ہے۔یہی وجہ ہے کہ لوگ صحت محروم ہیں اور مر رہے ہیں۔دوسری طرف دیکھا جائے تو ہم سے الگ ہونے والے بنگلہ دیش کا health budgetہم سے زیادہ ہے یعنی نیپال کا 6، بھوٹان کا5.5، سری لنکا کا 4،مالدیپ کا 5.6، گھانا کا 10.6اور، 4.3 اتھوپیا وحبشہ کا 3.6 ہے۔ورلڈ بنک کی ایک رپورٹ کے مطابق ایک سال کے بچوں کی شرح اموات 82فی ہزار ہے۔ جبکہ یہ شرح سری لنکا میں 16فی ہزار، چین میں 30 فی ہزاراور ملائیشیا میں صرف 8فی ہزار ہے۔ جبکہ پاکستان میں ہیروئین کے عادی افراد کی تعداد لگ بھگ 5لاکھ ہے۔ورلڈ بنک کی ہی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان کی غربت کا تناسب 58 فیصد ہے۔ جبکہ یہ شرح سری لنکا میں 9، قازقستان میں 8اور ملائیشیا میں صرف 4 فیصد ہے۔ان اعدادوشمار کو آپ کتنا ہی غلط کہہ لیجئے مگر آس پاس نظر دوڑائیں تو ان میں کسی قدر سچائی نظر آجائے گی۔

جمہوریت اس نظام کو کہتے ہیں جس میں محکوم اپنے حکمرانوں کو اور ووٹر اپنے نمائندوں کو کنٹرول کر سکیں۔یہ اہم سوال ہے کہ حقیقی جمہوریت کیا ہے؟ حقیقی جمہوریت وہ ہوتی ہے جس میں ووٹر کا اختیار نمائندگان کے اوپر ہو؟ ذرا سوچے

کیا ایسا ہمارے ہاں ہو رہا ہے؟ یہاں تو کوئی الیکشن میں جیت جانے کے بعد ووٹرز کو اپنی شکل تک نہیں دکھاتا ہے ووٹرز کا اختیار ہونا تو بہت دور کی بات ہے جناب! ہمیں اب اس بات کا خود فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہمیں کس انداز حکمرانی کرنے والے لوگوں کی ضرورت ہے جس سے نہ صرف ہماری آنے والی نسلیں بلکہ ہمارے ملک کو بھی خوشحالی اور استحکام مل سکے۔ ہمیں مل کر اپنی اور اپنے ملک کی تقدیر بدلنی ہوگی بات صرف تعاون اور فیصلہ کرنے کی ہے؟ سوچیئے اور فیصلہ کیجئے ایسا نہ ہو کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے۔

ڈاکٹروں کی بے حسی سے عوام کی لاچارگی تک

قارئین کرام !

پاکستانی عوام بے شمار مسائل کا شکار ہے اور ابھی تک کسی نے بھی انکے حل کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی ہے۔ دیگر اہم معاملات کی طرح صحت کا شعبہ بھی خاص طور پر تباہی کی جانب گامزن ہے خاص طور پر سرکاری ہسپتالوں میں بہت بد نظمی دیکھنے کو ملتی ہے مگر کوئی پرسان حال نہیں ہے اسی وجہ سے سوچا ہے کہ صحت کے معاملات پر بھی کچھ بات کر لیتے ہیں کہ صحت پر ہمارا خرچ GNP کا صرف 0.84 فیصد اور GDP کا 2.6 فیصد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ صحت محروم ہیں اور مر رہے ہیں ۔ دوسری طرف دیکھا جائے تو ہم سے الگ ہونے والے بنگلہ دیش کا health budget ہم سے زیادہ ہے یعنی 4.3، نیپال کا 6، بھوٹان کا 5.5، سری لنکا کا 4، مالدیپ کا 5.6، گھانا کا 10.6 اور اتھوپیا وحبشہ کا 3.6 ہے۔ ورلڈ بنک کی ایک رپورٹ کے مطابق ایک سال کے بچوں کی شرح اموات 82 فی ہزار ہے۔ جبکہ یہ شرح سری لنکا میں 16 فی ہزار، چین میں 30 فی ہزار اور ملائیشیا میں صرف 8 فی ہزار ہے۔

ہمارے ہاں سرکاری ہسپتالوں میں جس طرح کا رویہ ہمارے قابل ڈاکٹر حضرات مریضوں کے ساتھ رکھتے ہیں اس کی ایک چشم کشا روداد پیش کرنے کی جسارت کر

رہا ہوں کہ شاید کسی ایسے رحم دل خداترس محکمہ صحت کے فرد سے گذر جائے جس سے حالات میں بہتری ہوسکے۔ ہمارے سرکاری ہسپتالوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہے جہاں آئے دن ڈاکٹروں کی غفلت کی وجہ سے مریض اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں یا عملے کے مناسب رویہ نہ ہونے کی وجہ سے لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہوئی فیملی ہسپتال کی مثال دونگا کہ وہاں پر اکثر وبیشتر ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں جو بعض اوقات اخبارات کی زینت بھی بنتے ہیں مگر پھر بھی حال میں تبدیلی نمایاں دیکھنے میں نہیں آئی ہے۔ جبکہ ڈاکٹر حضرات بھی بعض اوقات اپنے فرائض درست طور پر سرانجام نہیں دیتے ہیں جس کی وجہ سے بہت سے مسائل مریض کے لئے پیدا ہو جاتے ہیں ۔دوسری طرف وہ اپنے حقوق کے لئے بھوک ہڑتال وغیرہ تو کرتے ہیں مگر بدلے میں عوام کو کچھ نہیں ملتا ہے اگر ایسی بات نہ ہوتی تو غربت وبے روزگاری کا شکار عوام قرض لے کر اپنے خاندان والوں کا علاج معالجے پر مجبور نہ ہوتی؟

میں کچھ عرصہ قبل بھی مجھے مسائل کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر PIMS خدا کی قدرت دیکھئے ایک بار پھر میں اسی ہسپتال میں 20 مارچ کو ایک معمولی سے آپریشن کے لئے پمز کے یورولوجی وارڈ میں داخل ہوا، اور وہاں بیڈ کا حصول بھی کسی کے کہنے پر ہوا تھا اور اس کے لئے بھی ایک طویل عرصہ انتظار کرنا پڑا تھا کہ پانچ ماہ تک بیڈ خالی نہ تھا۔ بہر حال داخلے کے بعد مختلف ضروری ٹیسٹ وغیرہ

آپریشن سے قبل جانچ پڑتال کے لئے کئے گئے کہ جسمانی صحت کس حد تک اس آپریشن کے قابل ہے۔ تمام تر ضروری ٹیسٹوں کی رپورٹ کے مل جانے کے بعد مجھے آپریشن کے کا مرحلہ شروع ہواAnaesthesia لئے کلیرنس دی گئی اور آپریشن تھیٹر جا پہنچے ابھی چاہتا ہی تھا کہ مجھے وہاں سے اس بنا پر واپس وارڈ میں بھیج دیا گیا کہ میری جسمانی صحت اس آپریشن کی محتمل نہیں تھی اور اگلے روز یعنی 03 مارچ کو مجھے ڈسچارج کر دیا گیا کہ میرا وہاں مزید رہنا فائدہ مند نہیں تھا، یقیناً یہ عمل بہت اچھا تھا مگر افسوس اور غور طلب بات یہ تھی کہ جس رپورٹ کی تفصیلات کی بنا پر مجھے آپریشن سے روکا گیا تھا وہ 20 مارچ کو بھی تقریباً انہی معلومات پر مبنی تھی تو مجھے پہلے ہی یہ بات آگاہ کر دی جاتی تو میرا وہاں قیام کا دورانیہ کم ہو سکتا تھا اور جس ذہنی اذیت سے گذرا وہ بھی نہ ملتی، مگر جناب ڈاکٹروں کی بے حسی و لاپروائی نے صحت یابی کے طلب گار شخص کو مزید پریشان کر ڈالا ہے، کہ زندگی کے اتنے دن دوسروں کی کوتاہی کے سبب ضائع ہو گئے اور وہاں قیام پذیر رہنے پر جو اخراجات آئے وہ الگ ہیں۔ مجھ جیسے کئی لوگ ان ہسپتالوں سے علاج کرواتے ہیں جہاں بہترین سہولیات بھی فراہم کی جاتی ہیں مگر وہاں بھی بلاوجہ ٹیسٹ کروائے جاتے ہیں، جو ہسپتال سے بآسانی ہو سکتے ہیں وہ بھی نجی لیب سے کروانے کی خواہش کا اظہار کیا جاتا ہے؟ میری محکمہ صحت کے اعلی افسران سے گذارش ہے کہ سرکاری ہسپتالوں میں لیب کی شفٹس کو رات گئے تک کھلا رکھا جائے اور وہاں عملے کی تعداد میں بھی

اضافہ کیا جائے تاکہ وہاں داخل مریض کو جلد از جلد رپورٹس مل سکیں اور محض رپورٹ کی تاخیر مریض کے علاج معالجے میں تاخیر کا سبب نہ بنے۔داخلے کے عرصہ میں میرے مشاہدے میں یہ بات بھی آئی کہ اس وارڈ میں جہاں میں داخلہ تھا وہاں ادویات فروش سٹورز کے مختلف نمائندوں کا آنا جانا بھی بہت تھا اس لئے یہاں PIMS کے اعلیٰ عہدیداران سے گذارش کروں گا کہ مختلف میڈیکل سٹور کے ایجنٹوں کے داخلے کو سختی سے روکا جائے وہ مریضوں کے لواحقین سے باہر سے منگوائی جانے والے دوائیں خود لے آنے کی کم داموں پر پیشکش کرتے ہیں اس پر وہ کافی منافع کماتے ہیں کہ میرے ذاتی تجربے کے مطابق اس میں کافی نفع ایجنٹ حضرات کا شامل ہے۔اور اس طرح کے فعل میں یقیناً گھر کے بھیدی بھی ملوث ہونگے؟ اگر ممکن ہوسکے تو وارڈز میں داخل مریضیوں کے ساتھ کچھ رعایت بالخصوص رپورٹس کے حوالے سے دی جائے کہ انکو کم از کم وقت میں فراہم کی جائے تاکہ غیر ضروری طور پر وقت ضائع نہ ہو اور کم از کم وقت میں مریض کا علاج معالجہ ممکن ہوسکے۔جہاں وی آئی پی حضرات کو سب جلدی سے فراہم ہو جاتا ہے تو بچاری عوام جو اتنے ٹیکس ادا کرتی ہے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیوں نہیں کیا جاسکتا ہے۔ صحت میں پاکستان ویسے بھی باہر کے ممالک سے کافی پیچھے ہے اگر علاج نجی ہسپتالوں سے ہی عوام نے ٹیکس ادا کرکے کروانا ہے تو پھر سرکاری ہسپتالوں کا اللہ ہی حافظ ہے۔

نتیجہ پھر وہی ہوگا سنا ہے چال بدلیں گے

پرندے وہی ہونگے بس شکاری جال بدلیں گے
بدلنا ہے تو دن بدلو، بدلتے کیوں ہو ہندسوں کو
مہینے پھر وہی ہونگے سنا ہے سال بدلیں گے
چلو ہم مان لیتے ہیں مہینہ ساٹھ سالوں کا
بتاؤ کتنے سالوں میں ہمارے حالات بدلو گے؟

یہ سوال سوال ہی شاید رہے گا کہ ہمارے لیڈران کے پاس اسکا کوئی جواب نہیں ہے اور شاید ہم خود بدلنا بھی نہیں چاہتے ہیں اسی وجہ سے حالات بدل نہیں پا رہے ہیں؟آخر میں ڈاکٹر صاحبان سے مودبانہ گذارش کروں گا کہ وہ اپنے فرض کو ہر ممکن حد تک ایمانداری سے ادا کرنے کی کوشش کریں، اگر آپ خدمت کی بجائے پیسہ کمانے اس شعبے آرہے تو تو خدارا کوئی دوسرا کاروبار شروع کرلیں، عوام کی کھال اتارنے سے گریز کریں۔

نیا پاکستان

عمران خان کے نئے پاکستان کے نعرے نے طول و عرض میں مقبولیت تو حاصل کر لی ہے مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ ہماری عوام جو کہ برادری اور اپنے مفادات کے حصول کی خاطر ووٹ دیتی چلی آئی ہے اس بار تبدیلی کے نعرے کو حقیقت کا روپ دیتی ہے یا پھر وہی ہوتا ہے جو کہ اکثر ہوتا آیا ہے کہ عوام جلسے جلوسوں میں تو بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہے مگر ووٹ اسی کو دیتی ہے جہاں سے کچھ حاصل وصول ہونے کی توقع ہوتی ہے ؟

عمران خان کا تبدیلی کا نعرہ نئے نوجوان نسل میں بے حد مقبول ہو چکا ہے اور وہ اس بار ملک کے حالات کا دھار بدلنے کو سوچ رہے ہیں اور اسی وجہ سے عمران خان کی جماعت کے جلسوں میں خوب حاصل لے رہے ہیں ۔عمران خان کی شخصیت کو اگر دیکھا جائے تو دیگر سیاست دانوں سے ہٹ کر الگ ایک خاص اہمیت رکھتی ہے کہ وہ بے داغ ہیں اگر چہ ان پر انکے ماضی کے حوالے سے متنازعہ باتیں کی جاتی ہیں جن کا کوئی واضح سر پیر نظر نہیں آتا ہے مگر ایک بات تو سامنے کی ہے کہ ان جیسی کرشماتی شخصیت فی الحال موجود سیاست دانوں کی کھیپ میں موجود نہیں ہے۔اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ ابھی تک اقتدار میں نہیں آئے ہیں تو اس حوالے

سے ان سے مثبت امیدیں رکھی جا رہی ہیں۔ یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ تحریک انصاف ملک کی ایک بڑی جماعت ابھر کر سامنے آ رہی ہے اور اگر اس کو عوام تبدیلی کی خاطر ہی ووٹ دے دیں گے تو ملک میں خوش آئند تبدیلی آ بھی سکتی ہے۔

بہت سے لوگ نئے پاکستان کے حوالے سے طنزیہ ایس ایم ایس اور دیگر جملے بھی کہتے ہیں مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر جس طرح کے حالات اس وقت پاکستان اور عوام کو درپیش ہیں اگر ان سے چھٹکارہ حاصل کر لیا جائے تو ایک نئے پاکستان کی بنیاد پھر سے رکھی جا سکتی ہے مگر عقل کے اندھوں کو یہ بات کون سمجھائے گا کہ ایک سوراخ سے دو دو بار ڈسنے والے اس ملک میں کیا خاص تبدیلی اب لائیں گے؟ دیگر دو بڑی جماعتوں نے اگرچہ کچھ اچھے کام کئے ہیں مگر کرپشن اور لوٹ مارٹ کے بھی نئے ریکارڈ قائم کئے ہیں انکا احتساب کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس بار ملک کی خدمت کرنے کا موقعہ ایک نئی جماعت کو بھی دیا جائے تاکہ انکا حساب کیا جا سکے۔

۱۱ مئی ایک نئی تاریخ رقم کر سکتا ہے اگر ہم حقدار کو ووٹ دیں اور اپنے ضمیر کی آواز سن کر اس ملک کو بس ایک اچھا لیڈر فراہم کر سکیں تو ہماری کئی نسلیں سکون و خوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں گی۔ اگر ہمیں نیا پاکستان بنانا ہے تو یہ کڑوا گھونٹ پینا ہوگا۔ آپ عمران خان کو ووٹ نہ بھی دینا چاہیں تو

کوئی بات نہیں ہے آپ اسے ووٹ دیں جو آپ کے حلقے میں کھڑے ہونے والے امیدواروں میں سب سے مخلص اور ایماندار شخص ہو اور کچھ کر دکھانے کا متلاشی ہو تو نیا پاکستان خود ہی بن سکتا ہے وگرنہ آپ نئے لوگوں کو آزمانے کی خاطر ہی سہی ایک بار انہیں ووٹ دیں چاہیے وہ عمران خان کے منتخب امیدوار ہی کیوں نہ ہوں۔ایک قدم اُٹھائیں اور ایک نئے پاکستان بنانے کی بنیاد رکھیں۔

پھر ہاتھ ہوگیا

11 مئی 2013 کو ہونے والے عام انتخابات میں ایک بار پھر عوام کے ساتھ ہاتھ ہوگیا ہے جس کی نشاندہی چوہدری شجاعت صاحب نے بھی کر دی کہ عوام نے بڑی تعداد میں گھروں سے نکل کر تبدیلی لانے کی کوشش کی مگر جیت کسی اور کی ہی ہو گئی ہے۔پاکستان میں ہونے والے انتخابات کبھی بھی صاف شفاف نہیں رہے ہیں ،ہمیشہ سے ہی ہاتھ عوام کو کسی نے کسی قوت نے دکھایا ہے۔مگر اس بار عوام نے بھی بھر پور طور پر شرکت کرکے کارکردگی نہ دکھانے والوں کو ووٹ نہ دے کر" ووٹ بہترین انتقام ہے" ثابت کر دیا ہے۔بہت سے سیاسی لیڈران کا عوام نے چراغ ہی گل کر دیا ہے اور اس بات کااب امکان کم ہی ہے کہ وہ اگلے الیکشنز میں عوام کے در پر جا کر ووٹ مانگنے کی گستاخی کریں گے۔ اور اقتدار میں آنے کا سوچیں گے جبکہ دوسری طرف کئی جماعتوں کے امیدواروں کے سامنے کھڑے ہو کر آزادانہ حیثیت میں لڑنے والوں نے جیت کر اپنی ساکھ کو مضبوط کر لیا ہے اور عوامی خدمت کے جذبے سے سرشار اسمبلی میں آنے والے یہ نئے فرد کیا گل کھلاتے ہیں یہ تو آنے والا وقت ہی بہتر ثابت کر سکتا ہے۔

اگرچہ اس بار بھی اقربا پروری کی وجہ سے بہت سی جماعتیں ووٹ لے گئی ہیں ۔

جو کہ ایک لمحہ فکریہ ہیں کہ کسی کی حب وطنی ، کارکردگی سے زیادہ لوگ برادری کی وجہ سے ووٹ دے کر جیتوانے کی کوشش کرتے ہیں چاہے اس نے خاطر خواہ علاقے کی ترقی وخوشحالی کے لئے کام نہ کئے ہوں۔اس روایت کا خاتمہ ہونا چاہیے کسی بھی حلقے میں کھڑے ہو کر الیکشن لڑنے والے کو محض اسکی اپنی ذاتی صلاحیتوں یا خدمات کے سلسلے میں ووٹ دیئے جانے چاہیں تاکہ وہ عوام کی فلاح و بہبود کے لئے بہترین خدمات سرانجام دے سکیں ،اسی طرح سے جماعتوں کے نام کی وجہ سے جان بوجھ کر کرپٹ افراد کو ووٹ دے کر انہیں اسمبلی میں لانے سے گریز کرنا چاہیے ۔ہم جب خود ایسے عناصر کو اسمبلی میں لاتے ہیں جب وہ ہمارے کام کاج نہیں کرتے ہیں تو ہم ہی انکو گالیوں سے نوازتے ہیں ؟

اس بار عمران خان کی تحریک انصاف نے اپنا ووٹ بنک ظاہر کر دیا ہے اور عوام نے اس جماعت پر اپنے بھرپور اعتماد کا اظہار کیا ہے اوراس بات کی قوی امید ہے کہ اس بار مسلم لیگ ن نے اگرچھ خاص کارنامہ سرانجام نہ دیا تو پھر اسکی حالت بھی پی پی کی طرح ہوگی جو کہ بمشکل سندھ میں اپنی حکمرانی کو قائم رکھ سکی ہے جبکہ ایم کیو ایم کو بھی اس بار پاکستان تحریک انصاف نے مشکل میں ڈالا ہے کہ وہ اگرجیت نہیں سکی تو بھی وہ ایم کیو ایم کے بعد پوزیشن لے گئی ہے جو کہ خوش آئند بات ہے کہ اگلی بار اچھی کارکردگی کی بدولت سیٹ لے سکتی ہے ۔ابھی بھی اگر دھاندلی کے الزامات کا جائزہ لیا جائے تو

تقریبا 43 حلقوں میں دھاندلی کی شکایات ملی ہیں جبکہ کراچی میں بھی ایم کیوایم کے چاہنے والوں نے بھی رجسٹرڈ ووٹوں سے زیادہ ووٹ دے کر دھاندلی کا ثبوت دیا ہے۔دھاندلی ہونے کی بڑی وجہ اگرچہ الیکشن کمیشن کے ناقص انتظامات ہیں مگر دھاندلی جن لوگوں نے کروا کے اپنے اقتدار میں آنے کی کوشش کو کامیاب کیا ہے کیا وہ خوف خدا سے عاری ہیں؟الیکشن کمیشن کو جہاں دھاندلی کی تصدیق ہو جائے وہاں لازمی دوبارہ پولنگ کروانی چاہیے ایسا کرکے ہی ان کرپٹ عناصر کو شکست دی جا سکتی ہے جو کہ غیر اخلاقی ہتھکنڈوں سے جیت کر اسمبلی میں پہنچنے کی خواہش رکھتے ہیں جبکہ اگر کوئی امیدوار اس میں ملوث پایا جائے تو اسے بھی ہمیشہ کے لئے یا پھر چند سال تک کے لئے الیکشن لڑنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔دھاندلی کرکے اس بار جو بھی جماعت برسر اقتدار آجائے وہ عوام میں زیادہ دیر مقبولیت نہیں رکھے گی اور بالآخر عوام اسکے خلاف اُٹھ کھڑی ہوگی فی الحال دھاندلی کے خلاف آواز حق بلند کرنے والے یہ بات ظاہر کر رہے ہیں۔

عوام کو اگلی بار دھاندلی کرنے والوں کو موقعہ پر پکڑ کر سزا دینی چاہیے تاکہ ملک سے ایسی لعنت کا خاتمہ ممکن ہو سکے۔الیکشن کمیشن کو پولنگ اسٹیشن پر کیمرے لگوانے چاہیے اور سٹاف کی وقت سے قبل اور اچھی طرح سے انکا ریکارڈ دیکھ کر تعیناتی کرنی چاہیے تاکہ وہ کسی طور پر دھاندلی میں ملوث نہ ہو سکیں

۔دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایسی جماعتیں جو دھاندلی میں ملوث ہوں تو ثابت ہوئے تو عوام خود ایسے کرپٹ عناصر پر مشتمل جماعت کو ووٹ نہ دیں جو ایسا کرکے اقتدار میں آئیں گی وہ ایسے ہی گھناؤنے فعل بھی سرانجام دیں گی۔جب تک غلط طرز عمل اور بے ایمانی کا خاتمہ نہیں ہوگا عوام کے قیمتی ووٹ کے ساتھ ایسا ہاتھ ہوتا رہے گا۔

چور مچائے شور

یہ اور بات عدالت ہے بے خبر ورنہ
تمام شہر میں چرچا مرے بیان کا ہے

جناب ڈاکٹر طاہر القادری کی ایک ایک بات حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی جو کہ انہوں نے حالیہ عام انتخابات سے قبل کہی تھیں اسوقت اگرچہ تمام نامی گرامی سیاستدانوں نے انکے الیکشن سے قبل دھرنے دے کر نظام بدلنے کی بات کو اگر پوری طرح رد نہیں کیا ہوتا ہے تو وہی پرانے چہرے اقتدار میں پھر سے ہمیں.براجمان دکھائی نہ دیتے اور نہ ہی سڑکوں پر عوام الیکشن میں دھاندلی کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوتی۔طاہر القادری نے بے مثال دھرنا اسلام میں دے کر اپنے جانب سے نظام کے خلاف لڑنے کی کوشش کی مگر بہت سے حلقوں میں خوف وہراس کی کیفیت پیدا ہو گئ تھی کہ اگر اس بار الیکشن ملتوی ہوئے یا آئین کے تحت شفاف الیکشن ہو گئے تو پھر دوبارہ اقتدار کے دن رات خواب دکھانے والوں کی نیندیں خراب ہو جائیں گی اور لوٹ مار کا ایک سنہری موقعہ گنوایا جا سکتا ہے۔اسی لئے تمام تر معتبر اداروں کی جانب سے الیکشن کے انعقاد پر زور دیا گیا مگر دوسری جانب اس بات کی بھی بھرپور کوشش کی گئی کہ تبدیلی کا نعرہ لگانے

والوں کو کسی طور پر کامیاب نہ ہونے دیا جائے۔ حالانکہ لوگ تبدیلی کے لئے بڑی تعداد میں گھروں سے نکلے تبدیلی کے لئے ووٹ بھی دیئے مگر افسوس ناک صورتحال اس وقت سامنے آئی جب نتائج سامنے آنا شروع ہوئے تو چہ مگوئیوں کے عین مطابق پرانے شکاری ہی اس بار پھر عوام کو الو بنا کر اقتدار پر قابض ہوئے۔اور کافی سالوں بعد ساٹھ فی صد کے لگ بھگ ووٹ دینے والوں کی شرح ہونے کے باوجود بھی کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی ہے ماسوائے خیبر پختونخوا کے سوا جہاں لوگوں نے اس قدر پاکستان تحریک انصاف کو ووٹ دے دیئے کہ دھاندلی کرنے والوں کی سازش ہی کامیاب نہ ہو سکی۔ دوسری طرف جناب طاہر القادری نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ الیکشن کی شام کو یا اگلے روز ہی تبدیلی کے وکیل دھاندلی کا رونا رو رہے ہونگے اور انکی یہ بات بھی حرف بہ حرف ثابت ہوئی کہ پہلی بار ایسا ہوا کہ جیتنے والی پارٹیوں کے ساتھ ساتھ ہارنے والی پارٹی نے بھی دھاندلی ہونے کے الزامات لگائے ہیں اب یہاں یہ مقولہ سچ ثابت ہوتا دکھائی دیتا ہے کہ چور مچائے شور۔اب کوئی ان سے پوچھے بھئی آپ کی پارٹی کے امیدوار اگر جیت گئے ہیں تو کیسے جیتے ہیں اور ہارے ہیں تو کیوں ہار گئے ہیں؟ مسلم لیگ نون کے چوہدری نثار جس طرح سے اپنی ایک سیٹ ہار بیٹھے ہیں اور وہ بھی جیتی ہوئی تو صاف دکھائی دے رہا ہے کہ کہیں نہ کہیں کوئی خرابی ضرور ہے۔ اور اس بار عوام کو بڑے خوب صورت

انداز میں الو بنا کر اپنا الو سیدھا کر لیا گیا ہے۔
مگر جناب جہاں ووٹ چوری کر کے جیتا گیا ہے وہاں ایک اچھی بات یہ ہوئی ہے کہ پہلی بار عوام نے کارکردگی کی بنیاد پر بھی بہت سے سیاستدانوں کا بستر ہی گول کر دیا ہے اور کراچی میں ایک حلقے میں دھاندلی کے الزامات پر دوبارہ پولنگ جب این اے ۲۵۰ میں ہوئی تو پاکستان تحریک انصاف کے ڈاکٹر عارف علوی نے میدان مار لیا جو کہ ایک تاریخی کامیابی ہے اور یہاں پر ایم کیوایم اور پی پی پی نے دوبارہ پولنگ میں حصہ لینے سے گریز کیا یا یوں کہیے کہ میدان چھوڑ دیا کہ ہار ہو گئی تو رہی سہی ساکھ بھی ختم کر لیں گے لیکن پھر بھی دونوں جماعتیں عوام کے جذبات کے برعکس اپنے بیانات اس حوالے سے جاری کر رہی ہیں جو کہ ایک غلط طرز عمل ہے کہ اقتدار میں آنا سب کا حق ہے کوئی ایک جماعت کسی بھی شہر پر ہمیشہ کے لئے اپنا تسلط قائم نہ رکھ سکتی ہے ہر کسی کو اپنے شہر کے لئے بہتر کرنے کا حق حاصل ہونا چاہیے۔
سوچنے کی بات یہ ہے کہ الکیشن کمیشن نے کیا اپنی ذمہ داریاں ٹھیک طور پر سرانجام دی ہیں؟ اگر جواب ہاں تو پھر ہر جانب سے شور کیوں مچایا جا رہا ہے جبکہ دوسری طرف طاہر القادری صاحب نے یہ فرما دیا ہے الیکشن کمیشن نے خود ہی اپنے آپ کو مبارک بھی دے دی کہ ہم نے صاف شفاف انتخابات کروائے ہیں۔

۔باقی کسی نے اُن کو شفاف نہیں کہا۔

دوسری طرف الیکشن کے بعد کے دھرنوں کے حوالے سے بھی انہوں نے یہ فرمایا انتخابات کے بعد (جو لوگ) دھرنا دے رہے ہیں میں بتانا چاہتا ہوں کہ ان دھرنوں سے (اب) کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ زخموں پر "جزوی" مرحم پٹی کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

اب فیصلہ عوام کے اوپر ہے کہ وہ ان چوروں سے جو شور مچا کر دھاندلی کے الزامات لگا رہے ہیں انکی سچائی کو پرکھ لے اگر وہ حق پر انکا ساتھ دے ورنہ پہلے کی طرح چپ ہو جائے یا پھر سڑکوں پر آ کر اپنے حق کی جنگ لڑے لے اگرچہ اس میں کچھ مشکلات ہونگی مگر مشکل کے بعد آسانی بھی پیدا ہو ہی جاتی ہے ہمیں اپنی آئندہ نسلوں کے بارے میں بھی سوچنا پڑے گا کہ وہ بہتر حالات میں رہ سکے۔ عوام کے حق میں طاہر القادری یا عمران خان میں سے کسی ایک کا فیصلہ عوام نے کرنا ہے کون ایسا ہے جو انکی جنگ بہتر لڑ سکتا ہے مگر اتنا یاد رکھئے گا کہ تبدیلی چہروں کے بدلنے سے نہی کرپٹ نظام کے خاتمے کے بعد ہی رونما ہو سکے گی اور وقت یہ بات عنقریب ثابت کر دے گا۔

تسخیر دیوار چین کے متلاشی پاکستانی

".If not been on the great wall, not a great man"

A Chinese Proverb

دیوار چین جس کا شمار دنیاکے سات عجائب میں ہوتا ہے کی تعمیر تقریباسوا دو ہزار سال قبل ہوئی تھی ،جبکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی تعمیر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش سے دو سو سال قبل ہوئی ۔چین کے بادشاہ شی ہوانگ تی نے دشمنوں کے حملوں سے ملک کو بچانے کے لئے شمالی سرحد پراس دیوار کی تعمیر کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔اس زمانے میں چین کے دشمن ہن اور تاتار تھے جو کہ وسط ایشیا میں کافی مضبوط سمجھے جاتے تھے۔یہ دیوار خلیج لیاوتنگ سے منگولیااور تبت کے سرحدی علاقوں تک پھیلی ہوئی ہے۔اس کی لمبائی تقریباپندرہ سو میل ہے اور یہ بیس سے تیس فٹ تک اونچی ہے ،چوڑائی نیچے سے پچیس فٹ اور اوپر سے بارہ فٹ کے قریب ہے۔ہر دو سو گزکے فاصلے پر پہریدارو ںکے لئے مضبوط پناہ گاہیں بنی ہوئی ہیں۔دیوار چین دنیا میں انسانی ہاتھوں سے بنایا جانے والاسب سے بڑا تعمیراتی کام ہے۔دیوار چین کی ایک خاصیت اور انفرادیت یہ بھی ہے کہ اسے چاند سے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔1987 میں دیوار چین کو عالمی

ثقافتی ورثہ کے طور پر بھی یونیسکو میں درج کیا گیا تھا۔

چین ہمارا سب سے مخلص اور ہر مشکل گھڑی میں ساتھ دینے والا دوست ملک ہے۔ چین سے پاکستان کے گہرے تعلقات قیام پاکستان سے ہی شروع ہو گئے تھے جو کہ رفتہ رفتہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ مضبوط تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی دوستی کو مزید گہرا کرنے کے لئے چند پاکستانیوں نے جن کے سربراہ ندیم احمد ظفر ہونگے نے اپنی ٹیم کے ہمراہ دیوار چین کو عبور کرنے کی ٹھانی ہے اور مہم جوئی کو سلام نی ہاؤ کا نام دیا ہے

ندیم احمد ظفر خود سرکاری ادارہ میں اعلیٰ عہدہ پر فائز ہیں اور ہنس مکھ و ملنسار طبیعت کی، مالک شخصیت ہیں،اس سے قبل بھی ہائیکنگ کر چکے ہیں۔ جبکہ عمران ملک بھی اسی قسم کی مہم جوئی کرتے رہے ہیں، اسکے علاوہ انکا شاعری کی صنف میں بھی کافی رحجان ہے۔

شامل ہیں جبکہ دیگر افراد میں شاہد محمود، عزیزTrekker عمران ملک بطور جمالی، عرفان شہزاد اور چوہدری نعیم اقبال کا تعاون بھی حاصل ہوگا۔ یہ ٹیم منگ بادشاہت کے دور (14ویں عیسوی میں تعمیر کردہ حصہ (کی دیوار جس کی لمبائی 8852 کلومیٹر ہے کو عبور کرنے کی مہم پر روانہ ہوگی۔ اس پر موسمی حالات نے اگر زیادہ اثرات نہ دکھائے تو تقریباً14 سے 16 ماہ کے اندر یہ مہم اپنی منطقی انجام کو پہنچ جائے گی سے شروع ہوگی اور جیاؤ پاس سے گذرتے (Ghansu) میں گھانسوWest جو کہ سے ہوتی ہوئی بالآخر بیجنگ پر اختتامShanxi,Tiamjin,Hebei,Ningxia ہوئے پذیر

ہو گی۔ اس دوران مہم جو ممبران کا 10 صوبوں اور 156 قصبوں سے بھی گذر ہو گا جس میں کٹھن راستے، دریا، پہاڑ اور جنگلی علاقہ بھی شامل ہے۔ اس کے لئے تقریباً 20 سے کلومیٹر کا سفر فی دن کے لحاظ سے مقرر کیا گیا ہے جو کہ موسمی حالات کو مد نظر رکھتے 25 ہوئے کم یا زیادہ ہو سکتا ہے۔ جبکہ اس کے لئے تمام تر حفاظتی اقدامات ہر لحاظ سے بھی کئے جا رہے ہیں تاکہ دوران سفر کسی بھی قسم کی صورتحال سے بروقت نمٹا جا سکے۔ چونکہ اس تاریخی سفر پر خطیر رقم خرچ ہونی ہے تو اس کے لئے باقاعدہ سپانسر شپ کا بندوبست بھی کیا جا رہا ہے اور تمام تر وسائل کو بروئے کار لایا جا رہا ہے جس سے اس مہم کا آغاز جلد ہونے کی توقع ہے۔ اگرچہ اس راہ میں کئی مشکلات بھی حائل ہونگی مگر جب عزم جواں ہو تو پھر کوئی طاقت منزل تک رسائی ناممکن نہیں بنا پاتی ہے بقول شاعر

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پہ کہ آسان ہو گئیں

اس سفر کے دوران جہاں مہم جو ٹیم کو چین کی ثقافت کو قریب سے دیکھنے اور مقامی افراد سے میل ملاپ کا موقعہ ملے گا وہاں پر قدرتی مناظر سے بھرپور انداز میں لطف واندوز ہونے کا سنہری موقعہ بھی مل پائے گا۔ سلام نی ہاؤ ٹیم کے پاس جدید ترین سہولیات بھی میسر ہونگی جس سے وہ دنیا بھر کے لوگوں کو اپنی اس مہم کے حوالے سے آگاہ کرتے رہیں گے، انٹرنیٹ اور سٹیلائٹ فون جیسی سہولت اس کا اہم حصہ ہیں۔ جبکہ دوران سفر موسیقی سے لطف واندوز ہونے کے لئے

موسیقی سے بھی بھرپور لطف واندوز ہوا جائے گا۔ جبکہ ٹیم Chinese گٹار بھی ہوگا اور
زبان سیکھنے کی بھی Chinese کے سرکردہ ٹریکر ندیم احمد ظفر اس مہم کے دوران
بھرپور کوشش کریں گے کیونکہ اس مہم کے دوران مقامی افراد بھی اس مہم میں انکے
ساتھ ساتھ ہونگے جو کہ بطور ترجمان، گائیڈ اور پورٹرز کے فرائض بھی ادا کریں گے نیز
مقامی طالب علموں سے بھی پاک چین دوستی اور ثقافت کے متعلق بھی تبادلہ خیال
ہوگا۔ جبکہ مہم جوئی کے دوران ناساعد موسمی حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے 3
Seasons Tacking Kit ہمراہ ہوگی جو کہ موسمی شدت میں کمی لانے کا سبب بنے گی
دوسری طرف لاجسٹک سپورٹ بھی ہوگی اور مقامی آبادی سے بھی رابطہ استوار کیا
جائے گا۔ تمام ترممبران بنیادی طبّی امداد میں تربیت یافتہ ہونگے جبکہ طبّی عملہ بشمول
ڈاکٹر اس مہم کے دوران اپنی خدمات ناگہانی صورتحال میں سرانجام دینے کے لئے ہمہ
اور دیگر ادویات بھی ٹیم کے ہمراہ ہونگی۔ جبکہ ہیلی Snake Bite، وقت تیار رہیں گے
کوپٹر، ایمبولینس کا تعاون بھی چینی حکومت کی جانب سے فراہم کیا جائے گا جبکہ طبّی
انشورنس کا تحفظ بھی حاصل ہوگا۔ تمام ترممبران ٹریکنگ کے سامان سے لیس اور فرسٹ
ایڈ سے بخوبی واقف ہونگے۔ تمام ممبران کے اہلخانہ نے بھرپور ستائش اور تعاون کیا
ہوا ہے تاکہ پاک چین دوستی کی یہ مہم کامیابی سے ہمکنار ہو۔
دوسری طرف یہ بات بھی کم اہمیت کی حامل نہیں ہے کہ ندیم احمد ظفر اور انکی

ٹیم کی دیوار چین کو تسخیر کرنے کی کوشش پاکستان کی طرف سے کی جانے والی اولین کوشش ہوگی اور اگر وہ اس معرکے کو سر کر لیتے ہیں تو وہ تاریخ میں ہمیشہ کے لئے امر ہو جائیں گے کہ اس سے قبل اسطرح کی مہم جوئی فی الوقت کسی کے نام نہیں ہے۔ جبکہ راقم سطور کی تحقیق کی مطابق بہت کم لوگ ہی اس حصہ کو جو کہ مہم جوئی کے منتخب کیا گیا ہے پر اس سے قبل اس طرح کی کوئی کوشش کی گئی ہے اور یہ پاکستان کے لئے ایک اعزاز ہوگا نیز اس سلسلے میں گینز ورلڈ بک آف ریکارڈز سے بھی رابطہ کیا جائے گا تاکہ اس مہم کا اندراج اس میں کیا جائے۔ بقول ندیم احمد ظفر " تسخیر دیوار چین پاکستان کی طرف سے چین کی لازوال دوستی پر چینی عوام کے لئے ایک تحفہ ہوگا" ہماری چین اور پاکستان کی عوام سے یہی گذارش ہے کہ ایسے پروجیکٹس کئے جائیں جس سے دونوں ممالک کی دوستی کو مزید مضبوط کیا جائے اور دونوں ملکوں کی ثقافت کو ہر سطح پر اُجاگر کیا جائے۔ بہت عرصہ قبل ابن انشاء نے " چلتے ہو تو چین کو چلئے" لکھا تھا جس میں بہت لطیف انداز میں چینی عوام کے بارے میں بتایا گیا تھا اب کی بار پاکستانی مہم جو چین چلنے کو تیار ہیں اور یہ دنیا کو بتانے چلے ہیں کہ پاکستان کا واقعی بہترین دوست چین ہی ہے اور ہماری دوستی تا قیامت یوں ہی مضبوط رہے گی اور پاکستان عوام بھی اسکی دوستی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں" تسخیر دیوار چین "پاک چین دوستی کی لازوال نشانی ثابت ہوگا۔ جو لوگ اعزازی طور پر اس مہم کے سلسلے میں مدد کرنا چاہیں یا تعاون کرنا چاہیں وہ

salaamnihao@gmail.com اس ای میل پر براہ راست رابطہ کر سکتے ہیں۔
جو نیک تمنائیں دینا چاہیں وہ بھی دے سکتے ہیں جبکہ فیس بک پر اس ایڈریس پر بھی، رابطہ کی سہولت موجود ہے۔

www.facebook.com/SalamNiHao

اس کے ساتھ ساتھ پاکستان اور چین کی حکومتوں سے یہ بھی گذارش سلام نی ہاؤ ٹیم کی جانب سے ہے کہ اس پروجیکٹ کو سرکاری سطح پر Patronize کیا جائے اور اس مہم کے لئے وسائل کی فراہمی کو ممکن بنایا جائے تاکہ پاک چین دوستی کو خراج تحسین پیش کیا جائے اور دونوں ممالک کی ثقافت کی بھرپور عکاسی کے ذریعے دوستی کے رشتے کو مضبوط تر کرنے کے ساتھ ساتھ اس مہم کو تاریخ میں سنہری حروف سے رقم کیا جائے۔

تھاما تھا اس وقت ہاتھ ہمارا
جب نہ تھا کوئی دوست مخلص ہمارا
اک چین ایسا ہے دوست ہمارا
جس نے دیا ہمیں ہر میدان میں سہارا
دیں گے اک تحفہ دوست کو ہم
جو کرے گا رشتہ مضبوط ہمارا

دیوار چین کو کرکے تسخیر

یادگار ہوگی چین دوستی ہماری

خدا قیامت تک قائم رکھے

یہ پاک چین دوستی ہماری

سلام نی ہاؤ ٹیم اس سال کے آخر تک یا نئے سال کے آغاز پر چین کی جانب رخت سفر باندھے گی۔ ویسے بھی ایک حدیث تو چین کے حوالے سے آپ نے بھی سن رکھی ہوگی کہ "علم حاصل کرو، خواہ تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔" چلتے چلتے قارئین کو آگاہ کرتا چلوں کہ راقم السطور ہماری ویب کے ذریعے سلام نی ہاؤ ٹیم کو متعارف کروا رہا ہے اس کے بارے میں فی الوقت ذرائع ابلاغ کے کسی بھی میڈیم پر کوئی خبر شائع یا نشر نہیں کی گئی ہے تاہم 03 جون 2013 کو اسلام آباد ٹریفک پولیس اسلام آباد کے ایف۔ایم 92.4 پر اس حوالے سے ایک تفصیلی انٹرویو بہرحال ضرور نشر ہوا ہے۔

ہم کسی سے کم نہیں

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں جو بھی ملک تعمیر و ترقی کا خواہاں ہے وہ اپنی اس ترقی کے سفر میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کی شمولیت کا بھی متلاشی ہے کیونکہ کسی بھی ملک کی معاشی خوشحالی میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کا کردار بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے اور خواتین جو اس سلسلہ میں اپنا کردار سرانجام دے رہیں ہیں اس کی اہمیت سے قطعی طور پر انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ خواتین بھی مردوں کی طرح مختلف شعبہ ہائے زندگی میں خدمات سرانجام دے کر ملک و قوم کی خدمت کر رہی ہیں۔ اور ان کے شانہ بشانہ کام کر رہی ہے۔ اور صرف اس وجہ سے ممکن ہوا ہے کہ وہ تعلیم کے زیور سے بھی آراستہ ہیں ۔ تعلیم ہی انسان کے اندر اتنی خوداعتمادی پیدا کرتی ہے کہ وہ تن تنہا ستاروں پر کمند ڈالنے کا سوچتا ہے۔ آج ایسی ہی باہمت نوجوان لڑکیوں کے بارے میں آپ کو بتانے چلا ہوں جو کہ تعلیم یافتہ بھی ہیں اور باہمت بھی، جنھوں نے اپنی خوداعتمادی سے ثابت کیا ہے کہ وہ کسی طور پر مرد سے کم نہیں ہیں۔

جانے کا اتفاق اپنے دوست جرار عباس کے وساطت سے ہوا جب ہم R-Caffee مجھے
میں گئے تو وہاں اس کو دیکھا۔جہاں دو نوجوان Islamabad Stock Exchange
باہمت لڑکیوں کو یہ کیفے کو چلاتے ہوئے پایا تو بے حد مسرت ہوئی کہ ہمارے معاشرے
میں خواتین وہ کام بھی خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہی ہیں جو کہ عموماً مردوں سے
منسوب کیے جاتے ہیں۔یہاں بہت سے لوگ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام آباد جیسے شہر میں
اس طرح کا عمل کوئی نئی بات نہیں ہے یا یہاں پر خواتین کو کام کاج کے حوالے سے
مساوی مواقع مل سکتے ہیں۔دیگر علاقوں کی خواتین کی اس قدر حوصلہ افزائی نہیں کی
جاتی ہے کہ وہ یوں کھلے عام کاروبار کرکے اپنا گذر بسر کر سکیں مگر میرے نزدیک بات
حوصلے اور ہمت کی ہے جو خواتین کو گھر میں رہ کر یا باہر نکل کر مردانہ وار اپنا آپ
منوانے کی ہے جہاں خواتین کی سوچ وسعت اختیار کرتی ہیں وہ مردوں پر حاوی ہوتی
نظر آتی ہیں اس کی ایک مثال آپ تعلیم کے شعبے میں لے لیجئے جہاں ہمیں لڑکیاں اکثر
لڑکوں پر سبقت لیتی نظر آتی ہیں۔

خیر جناب بات ہو رہی تھی R-Caffee کی تو اس سلسلے میں وہاں کی روح رواں محترمہ
سے کچھ بات چیت ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ Huma صاحبہ اور انکی بہن Ramma
عرصہ لگ بھگ تین سال سے وہ اس کیفے کو اپنی والدہ کے ہمراہ چلا رہی ہیں

جس میں اگرچہ کافی مسائل کا سامنا بھی کرناپڑا مگر انھوں نے حالات کا مقابلہ کر کے اپنے آپ کو کافی منوالیا ہے اور سستے داموں گھر جیسی کھانے پینے کے مخصوص لوازمات فراہم کر رہی ہیں۔اور ساتھ ساتھ میں اپنی تعلیم بھی جاری رکھی ہوئی ہے۔شروع شروع میں ان کی والدہ نے اس سلسلے میں انکی رہنمائی کی جو کہ آج کل خرابی صحت کی وجہ سے کم وقت دے پارہی ہیں مگر دونوں بہنوں نے کیفے اور والدہ کی خدمت کرنے میں اپنی جانب سے کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے اور دوسروں کے لئے ایک مثال بنادی ہے کہ حالات کیسے ہی کیوں نہ ہو اگر ہمت حوصلہ ہو تو دنیا میں کسی بھی میدان میں کامیابی حاصل کرنا ناممکن نہیں ہیں۔ مستقبل کے حوالے سے بات چیت کرتے ہوئے نے بتایا کہ انکا ارادہ اسکو وسیع پیانے پر پھیلانا ہے جس کے لئےRamma محترمہ منصوبہ بندی سوچی جارہی ہے جبکہ وسائل کی فراہمی کے بندوبست پر لائحہ عمل تیار کیا جا نے بتایا کہ انکو پنسل اسکیچ کا بے پناہ شوقRamma رہاہے، جبکہ مشاغل کے حوالے سے اپنے سوچ اوردل کی آواز عوام تک پہنچانے کیRJ ہے اس کے حوالے ریڈیو پر بطور خواہش ہے۔جبکہ خاموش طبع ہمانے کوکنگ میں بے پناہ دلچسپی کا اظہار کیا۔

مختصراً گفتگو میں دونوں بہنیں اس دوران اپنے فرائض میں بھی مصروف عمل رہیں ۔واپسی کے سفر کے دوران مجھے یہ بات بار بار ستارہی تھی کہ پتانہیں

کیوں ہم مرد ذات عورتوں کو آگے بڑھنے سے کچھ کر دکھانے سے روکتے ہیں جبکہ اسلام بھی ایک حد میں انکو زندگی گزارنے کا حکم دیتا ہے ؟کاش ہم سب کو یہ بات سمجھ آجائے کہ عورت کا شمار بھی مرد کی طرح اشرف المخلوقات میں ہوتا ہے اور وہ بھی مرد کی طرح احساسات وجذبات رکھتی اور کچھ کر دکھانے کی متمنی ہوتی ہے؟

میری کہانی، میرے ادھورے خواب

آج ایک سچی داستان سنانا چاہ رہاہوں،اس کہانی کے مرکزی کردار سے ملاقات کے بعد اس نے اپنی کہانی شائع کروانے کی خواہش کا اظہار کیا تو میں نے فوراً حامی بھر لی کہ شاید اس سے ہم ناعاقبت اندیش لوگ کچھ سیکھ سکیں۔اس مرکزی کردار کا نام فضا (فرضی نام) ہے۔اسکی زبانی کہانی سنیئے:

میں اپنی زندگی کی کہانی وہاں سے شروع کرتی ہوں جب میں تیسری جماعت میں پڑھا کرتی تھی،انہی دنوں میرے پپا ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔اور مجھے انکی کمی بے حد محسوس ہوئی ،ساتھ ساتھ ہی ہمارے گھرکے حالات بھی بہت خراب ہوگئے تھے۔ان دنوں میری خالہ یو۔کے جارہی تھی لیکن انکی نوزائیدہ بچی کا ساتھ جانا ممکن نہیں ہوپارہا تھا توانھوں نے اس کو میری والدہ کے سپرد کردیا اور میری والدہ اس کی دیکھ بھال میں مصروف ہوگئیں جبکہ ان دنوں ہمیں انکے پیار اور توجہ کی ضرورت تھی بالخصوص مجھے یہ بات بہت اندر ہی اندر دکھی کرتی تھی مگر میں ان دنوں اپنے احساسات وجذبات کو دوسروں پرظاہر کرنا نہیں جانتی تھی یا اتنی ہمت نہ تھی کہ میں ایسا کرپاتی۔بہرحال خالہ نے یو۔کے جانے کے بعد وہاں سے پیسے بھجوانے شروع کئے تو ہمارے گھر کا نظام کچھ بہتر

انداز میں چلنے لگا۔دوسری طرف والدہ صاحبہ خالہ کی بیٹی میں گم ہوئی تھیں ان کو اس بات کی خبر نہ تھی کہ میں کیا کرتی ہوں، کیا پڑھتی ہوں، کیا محسوس کرتی ہوں۔وہ نہ مجھے وقت دیتی تھیں اور نہ ہی توجہ دیتی تھی سارا کا سارا وقت اسی کی خدمت میں ہی گذر جاتا تھا۔

جب خالہ کی بیٹی دو سال کی ہوئی تو وہ یو۔کے چلی گئی۔اور میری والدہ صاحبہ اس کی یاد میں بیمار ہو گئیں۔ایک بار پھر میں ان کی توجہ سے محروم ہو گئی۔آخر کار اچھا وقت بھی آیا جب میں پانچویں جماعت میں گئی۔انہی دنوں میں پھر ایک طوفان میری زندگی میں آیا جب میرا بہنوئی ہمارے گھر رہنے کو آئے۔ان کے آنے کی دیر تھی کہ میری روز شامت ،پٹائی کبھی کبھار انکی وجہ سے ہونے لگی کہ وہ بات بے بات میری امی سے شکایات کرتے تھے۔وہ ایک ایسے شخص ہیں جن سے مجھے آج بھی شدید نفرت ہے۔بہر حال وقت گذرتا گیا اور میں چھٹی جماعت میں چلی گئی اور میں آئے دن کی پریشانیوں کی وجہ سے فالج کا شکار ہو گئی،مگر پھر بھی کوئی اس کی وجہ نہ جان پایا بہر حال میں ایک سال کے اندر اندر ٹھیک ٹھاک ہو گئی اور ساتویں جماعت میں آئی تو مجھے میں بہت ہمت اور حوصلہ آیا۔اس کے ساتھ ساتھ میں نے اپنے آپ کو خود کسی حد تک سمجھ لیا کہ میں آخر کیا ہوں؟

ساتویں جماعت میں آ کر میں نے پانچ سو طلبہ کو درس دینا شروع کیا تو میرے اندر خود اعتمادی اور ہمت زیادہ پیدا ہونا شروع ہوئی اور میں نے حالات سے کسی طور مقابلہ کرنا شروع کر دیا۔سب لوگ میری تعریف کرتے کہ تمہارے اندر صلاحیتیں ہیں اور تم یہ کام بہتر طور پر سرانجام دے سکتی ہو تو میں وہ ان کو کر کے دکھاتی تھی۔مگر افسوس ناک بات یہ تھی میری ذات سے کسی کو دلچسپی نہ تھی اور کوئی مجھے سمجھنے والا نہ تھا میرے گھر میں میری والدہ اور بہنیں بھی مجھے سمجھنے سے قاصر تھیں کہ میری زندگی پر، حالات کیا اثرات مرتب کر رہے ہیں لیکن میں نے صبر کیا اور اپنے اچھے وقت کا انتظار کیا۔

میرے گھر والے سب مجھے وہ کرنے سے روکتے تھے جو میں کرنا چاہتی تھی، میری کزنیں بہنیں سب مجھ سے نہ جانے کیوں جلتے تھے؟ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میں سب کام، کاج اچھا کر لیتی تھی اور باہمت و حوصلہ رکھنے والی تھی۔جب سب ساتھ چھوڑ گئے تھے تو میرے خالو سجاد نے میرا بھرپور ساتھ دیا تھا اور میری ہمت بندھوائی تھی میں انکا احسان کبھی نہیں بھول سکتی ہو۔

ایک دن میری خالہ کی بیٹی نے اپنی استاد کے بھائی کا نمبر میرے موبائل فون میں ڈال کر مجھے رسوا کرنے کی کوشش کی۔مجھے سب خالوں نے گھر آ کر خوب بے عزت کیا اور میں اس انسان کی وجہ سے جس کو جانتی تک نہیں تھی کی وجہ سے ایک

بار پھر سب کے ظلم وستم کا نشانہ بن گئی۔ میری والدہ نے بھی مجھے خوب طعنے دیئے ۔مگر میں خاموش رہی اور خود کو اور مضبوط کر لیا اور اپنی ذات کے اندر گم ہو کر رہ گئی۔خدا جانتا ہے کہ میں ایک ایسی باہمت لڑکی ہوں جس کو اگر حوصلہ اور توجہ دی جائے ، بھرپور ساتھ دیا جائے تو اپنے خوابوں کی تعمیر کو پا سکتی ہوں۔مگر یہاں سب اپنے حال میں گم ہیں کسی کو میری پرواہ نہیں ہے۔میری پنسل اسکیچ اور کوکنگ بھی بہت اچھی ہے ۔آٹھویں جماعت سے اپنی والدہ کا انکے کام کاج میں بھرپور ہاتھ بھی بٹا رہی ہوں،قرآن کی تعلیم بھی حاصل کی ہوئی ہے۔اور ساتھ ہی ساتھ گھر کو بھی سنبھالا ہوا ہے۔اپنے آپ کو دوسروں سے محفوظ بھی رکھا ہوا ہے مگر کوئی مجھے سمجھنے والا نہیں ہے اور نہ کوئی سمجھانے والا ہے۔کوئی بھی تو میرے خوابوں کو پورا نہیں ہونے دیتا ہے۔اب آپ ہی بتائیں کہ میں کیا کروں کس راستے پر چلوں؟؟

محبت جرم ٹھہری

محبت سے بڑھ کر نہیں دنیا میں کوئی روشنی
پی گئے یہ روشنی تو آئینہ ہو جاؤ گے

آج پھر میں آپ کو محبت کی ایک سچی داستان' مرکزی کردار' ZEE کی زبانی سنانے کی جسارت کر رہا ہوں ۔ محبت کیا ہے ؟ محبت کیوں اور کب ،کیسے ہوتی ہے ؟میں نے اس پر آپ لوگوں کو کوئی لیکچر نہیں دینا ہے بہرحال اتنا ضرور بیان کروں گا کہ محبت کا ہماری زندگیوں پر بہت گہرا اثر ہے ۔ اس کے بغیر ہمارا کوئی رشتہ تادیر قائم نہیں رہ سکتا ہے۔ سچی محبت اگر دلوں میں ہو تو وہ ضرور ملتی ہے لیکن آج کل محض وقت گذاری کی خاطر اس انمول جذبے کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ محبت کے بغیر زندگی بیکار ہے۔ جیسے مچھلی کا پانی کے بغیر گذارہ نہیں ہو سکتا ہے اسی طرح سے محبت کے بغیر انسان زندگی نہیں گذار سکتا ہے ،چاہیے یہ محبت انسانوں سے ہو یا اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ سے ،ہماری زندگیوں کا لازمی جز محبت بن چکی ہے۔ ہماری زندگیوں کے صحرا میں جب محبت کی بارش برستی ہے تو ہماری زندگیوں میں بہار سی آ جاتی ہے۔ محبت ایسا جذبہ ہے جو مرتے ہوئے شخص کو بھی زندگی کی طرف لا سکتا ہے۔ محبت کا کردار ہماری زندگیوں میں روشنی کی مانند ہے جو ہماری زندگی کو اندھیرے سے روشنی کی جانب لاتی ہے۔ یہ محبت ہی ہے جو

ہمیں زندگی ہیں بہت کچھ کرکے دکھانے پر مجبور کرتی ہے۔یہ جو محبت کا جذبہ ہے نا ہمیں اس راہ پر لے جاتی ہے جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں اور وہ کچھ بعض اوقات، کرواتی ہے جس کے بارے میں خواب وخیال میں بھی ہم نے سوچا نہیں ہوتا ہے۔ہماری زندگیوں میں سچی اور بے غرض محبت کی بڑی اہمیت ہے یہ علم کی مانند وہ دولت ہے جس کو ہم سے کوئی چرا نہیں سکتا ہے۔اور یہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ شدید سے شدید تر ہوتی چلی جاتی ہے اوا کثر نفرت کا روپ دھار لیتی ہے۔

اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں

فیضان محبت عام سہی، عرفان محبت عام نہیں

یہ نام مجھے منتہا نے دیا تھا)سب سے پہلے اپنے بارے آپ لوگوں کو یہ بتانا)ZEE میں چاہوں گا کہ میرا تعلق ایک متوسط گھرانے سے ہے اور میں نے گریجویشن کے بعد ایک پرائیوٹ ادارے میں کچھ عرصہ نوکری کرنے کے بعد ایک نیم سرکاری ادارے میں اپنی من پسند ملازمت حاصل کر لی ،شب وروز مزے میں گذر رہے تھے ۔اپنے دوستوں اور فلموں ، ڈراموں سے محبت کے بارے میں آگاہی ہوتی رہتی تھی کہ کیسے لوگ اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر بھی خوشی حاصل کرتے تھے۔بہت بار دوستوں سے اور فیس بک پرچیٹنگ کے دوران بحث ہوتی کہ جسے ہم محبت سمجھتے ہیں وہ محبت نہیں ہوتی ہے وہ وقت گذاری کا عمل ہے مگر جیسا کہ عموما ہوتا ہے

بحث سے کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے میں موضوع بدل دیتا کہ ایسے لوگوں سے ایسی باتیں کرنا زیب نہیں دیتیں جو حقائق سے منہ چراتے ہیں۔ مگر مجھے علم نہ تھا کہ آنے والے دن میری زندگی کو ہی بدل کر ہی رکھ دیں گے اور دل کا سارا سکون غارت ہو جائے گا اور مجھے ہر لمحہ تڑپنا ہوگا کہ جو مجھ سے محبت کرنے والی ہے وہ یوں میرے ساتھ اتنا سخت امتحان سے گذرنے کی بات کرے گی ،زندگی میں اکثر ویسا نہیں ہوتا ہے جیسا کہ انسان سوچا کرتا ہے۔

میرے دل کو کراچی سمجھ رکھا ہے تم نے

آتے ہو،جلاتے ہو،چلے جاتے ہو

امسال مجھے فیس بک پر ایک اتفاقی حادثے نے منتہا (فرضی نام) سے ملا دیا ۔ فطرتاً شرمیلا ہونے کے باوجود اعتماد سے اس سے بات چیت ہوئی بہت سے چیزیں ہماری مشترکہ تھیں ۔ اگرچہ ہمارا پہلا رابطہ ایک حسن اتفاق تھا مگر وہ پہلا پتھر جو پانی میں گرا تھا اس نے جو ہلچل مچائی تھی اس نے دوبارہ رابطہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ اور اسکے بعد ہمارا Facebook Chatting کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ جب بھی ہم اپنی اپنی مصروفیات سے فارغ ہوتے ہماری بات چیت موبائل فون پر ایس ایم ایس یا کال اور فیس بک چیٹ کے ذریعے سے ہوتی اور ہم روز بروز ایک دوسرے کے قریب سے قریب تر ہونے لگے۔ پتا نہیں ہمیں اس کیا ہوا تھا کہ اک پل کی دوری بھی عذاب لگ رہی ہوتی تھی۔ میرے انداز گفتگو اور کردار سے وہ متاثر

ہوئی تھی اور اسکی زندگی میں کچھ ایسے طوفان آئے ہوئے تھے کہ وہ خود بھی اپنے آپ پر قابو نہ رکھ پائی تھی اور ایک سہارا جب اسے ملا تو اس نے اپنا سب کچھ مجھے مان لیا حالانکہ بقول منتہا کہ شادی اس کی ہونے والی تھی اور اس کی منگنی اس کی پسند سے ہوئی تھی مگر زندگی نے اس کو اس موڑ پر لا کر کھڑا کر دیا تھا کہ جہاں اس کا منگیتر اور گھریلو مسائل اور والدین کی عدم توجہی نے اسے جہاں سکون اور پیار ملا اس نے اپنا سب کچھ اسی پر وار دینے کا سوچ لیا۔

یہاں ایک بات بتاتا چلوں میں نے سوچا ہوا تھا کہ کبھی کوئی لڑکی دل کو بھا گئی یا جس نے مجھ سے محبت کا دعویٰ کیا اور وہ اس قابل ہوئی کہ میں اس کے ساتھ خوش رہ سکتا ہوا، تو فوراً اس کو ہی شریک حیات بنا لوں گا اپنی تمام تر اصلیت ظاہر کر کے کہ اپنی زندگی کے سچ کبھی نہ کبھی کسی سے ظاہر کرنا ضروری ہوتا ہے کہ آئندہ مسائل پیدا نہ ہوں اسی وجہ سے میں نے ایک روز اظہار محبت بھی کر دیا اور جواب مثبت میں ملا کہ آگ، دونوں جانب لگی ہوئی تھی ابھی ہمارے تعلق کو قائم ہوئے زیادہ عرصہ بھی نہیں ہوا تھا۔ مگر ہم ایک دوسرے کو بہت حد تک جان چکے تھے بہت سے معاملات پر ہماری سوچ یکسر ہو چکی تھی۔ میں نے اسکی محبت اور اسکے جذبات کو مد نظر رکھ کر اس سے محبت کا اظہار کر لیا تھا کہ جب ہم کسی کو اگر پیار کر نہیں سکتے تو پیار مل رہا ہو تو اس

کا ہاتھ بھی پکڑنا چاہیے جو ہم سے محبت کرتا ہو، کہ کسی کو تو کسی کا پیار مل جانا چاہیے۔ مگر میرے اظہار کے بعد کچھ عرصہ جب میں نے اسکی تصویر کو جو منتہا نے مجھے فیس بک پر دکھائی تو اس کو پہلی بار دیکھتے ہی میری جو حالت ہوئی میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا ہوں۔ میرا دل بار بار اسے دیکھنے کا چاہ رہا تھا دل ایسا پاگل ہوا تھا کہ قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ بار بار ہر چیز میں اسکا ہی عکس نظر آ رہا تھا۔ اسکا سراپا آج بھی میری آنکھوں میں اسی طرح سے محفوظ ہے پتا نہیں کیوں اسطرح کے پل ہماری زندگیوں میں آ کے چلے جاتے ہیں رک کیوں جاتے ہیں؟ میں نے کبھی اپنے دل کی حالت اس پر ٹھیک سے عیاں نہیں کی تھی اور اسے ہر پل خوش رکھنے کی کوشش کرتا رہا۔

ایک دن خدا کا کرنا کیا ہوا کہ میرے دل میں آئی کہ میں اس سے کہہ دوں کہ منتہا جب تم مجھ سے پیار کرتی ہو، زندگی بھر ساتھ دینے، رہنے کی بات کرتی ہو تو پھر ہم کیوں نہ آپس میں شادی کر لیں تاکہ تاحیات ہم یونہی پیار کرتے رہیں۔ مگر شومئی قسمت جب میں نے یہ بات چھڑ دی تو ایک نئی مصیبت میرے سامنے آئی اور میں نے اس کی محبت کا ایک نیا روپ دیکھا، اس نے کہا کہ زی تم برداری کے نہیں ہو، پھر تمہارا مسلک بھی دوسرا ہے اور پھر میں تم سے شادی کے لئے منگنی کیسے تڑوا لوں اس میں تو بہت سے ایسے لوگ شامل تھے، اگر رشتہ ٹوٹ گیا تو پھر بدنامی بہت ہو گی۔ اسکے بعد ہم کچھ دن سکون میں رہے میں نے اپنی طرف

سے بحث کی کہ جب تم اپنے جیون ساتھی کو پسند نہیں کرتی ہو،اسکے ساتھ ذہنی ہم آہنگی نہیں ہے تو پھر ایک ہو جانے میں کیا حرج ہے؟مگر منتہا اسی بات پر بضد تھی کہ مجھ سے تم شادی کے بعد بھی رابطہ رکھو مگر میرا دل نہیں مانتا تھا کہ جب ہم پیار کرتے ہیں تو کیوں ایک نہ ہوں۔ بہر حال اس کے بعد جب دوبارہ ہماری آپس میں اسی معاملے پر تلخ کلامی ہوئی تو بات ایس ایم ایس پر کہاں سے کہاں نکل گئی اور اس کے منہ سے نکل گیا کہ میں کمزور لڑکی ہوں،والدین کی عزت کا خیال ہے،میں اتنا حوصلہ نہیں رکھتی ہوں کہ تمہیں پانے کے لئے سب کچھ داؤ پر لگا دو،اور وہ بھی اس صورت میں جبکہ میرا تم سے رابطہ محض چھ ماہ تک کا ہے،میں یہ سب نہیں کر سکتی ہوں۔جب میں نے یہ سنا اور اسکی تمام باتوں اور حقائق کو جو منتہا نے مجھے آگاہ کیے تھے اور محبت جس پر منتہا نے تاج محل قائم کر رکھا تھا کو میں نے اپنی باتوں سے ایک دم یوں ریت کا محل بنا دیا کہ وہ چپ سی ہو گئی ہے کہ میری باتوں میں کچھ سچائی بھی تھی کہ جب میں پیار کرتا ہوں تو کیوں اس کے ساتھ زندگی بھر جبکہ وہ کسی دوسری کی ہو جائے گی،خوامخواہ رابطہ رکھ کر اسے نہ ادھر کا رہنے دوں نہ اُدھر کا،تو میں نے اسی بنیاد پر اسے وہ سب سنا دیا جو کہ شاید وہ توقع نہیں کر رہی تھی۔میں غلط ہوں یا ٹھیک یہ تو آپ پڑھ کر میری رہنمائی کریں گے،میری اس کہانی کے لکھوانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ مجھے یا منتہا دونوں کو ذہنی اذیت سے سکون مل سکے جو ہمیں محبت میں گرفتار ہونے کے بعد جدائی کے بعد سے مل

رہی ہے۔ اگرچہ میں اس کے ساتھ مخلص تھا اور اسی بنا پر اسے خوش رکھنے کے لئے شادی کرنا چاہ رہا تھا مگر وہ اپنی بہت سے مجبوریوں کے سبب بے بس تھی مگر بے وفا نہیں ہے، وہ اپنی شادی کے بعد مجھ سے بطور دوست کے رابطے میں رہنے کی متمنی تھی جبکہ میں محبوب تھا اور اسی رتبے پر رہنے کا سوچ ہوا تھا جس نے ہمارے راستے جدا کر دیئے ہیں، ہماری لڑائی کے بعد سے ہماری بات چیت ختم ہو چکی ہے، شاید میرے رابطہ نہ رکھنے یا بار بار بات کبھی نہ کرنے اور میری شادی پر ضد نے اسے مزید کچھ کہنے سے باز رکھ ہوا ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ ہمارے حق میں دعا کیجئے گا کہ ہمیں ہمارا پیار مل جائے، کوئی سلسلہ اللہ تعالیٰ ہی بنا دیں کہ جوڑے تو آسمانوں پر ہی بنتے ہیں یا ہمارے حق میں جو بھی بہتر فیصلہ ہوا ہے اسے تسلیم کرلیں، میں جو محبت پر بیان بازی کا شوقین تھا آج خود ایک کہانی کا کردار بن چکا ہوں، اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دیں تاکہ ہم دین کی درست تعلیمات کے مطابق عمل کریں اور فرقہ بازی سے دور ہو سکیں (آمین)۔

جانے کون کسے مار دے کافر کہہ کر
شہر کا شہر مسلمان ہوا پھرتا ہے

محبت کچھ اس طرح سے

محبت میں توحید کے ہی طلب گار تھے ہم
دل ضدی تھا ورنہ تجھے شرک کی اجازت ہوتی

ذوالفقار:

قارئین کرام! یہ کہانی میرے بہت ہی قریبی عزیز ترین دوست کی سچی روداد ہے جو کہ بسلسلہ روزگار راولپنڈی میں مقیم ہے۔میں ان دنوں اسکے ساتھ ہی اپنی دفتری ذمہ داریاں سرانجام دیے رہا تھا،اگرچہ میں اس کہانی کا کوئی کردار تو نہ تھا مگر بہت کچھ آنکھوں سے دیکھنے کا موقعہ ملا تھا۔آیئے میں آپ کو اپنے اسی دوست عدنان بیگ کی زبانی یہ کہانی سنواتا ہوں۔

میرا نام تو آپ لوگ جان ہی چکے ہیں میرے والد صاحب کی وفات کے بعد مجھ پر گھر کی ذمہ داریاں پڑی تو مجھے حصول نوکری کے لئے کوشش کرنی پڑی اور یہ جہدوجہد جلد مجھے ایک نیم سرکاری میں ملازمت دلا گئی۔اور یوں میں اپنے گھر کی کفالت کرنے لگا اور ساتھ ساتھ اپنی تعلیم بھی مکمل کرنے لگا۔کچھ عرصے سے میرے مہینے ، میرے ہفتے اور میرے دن بہت تیزی سے گذر رہے تھے کب صبح

ہوتی،کب دن گزار اور کب شام ہو گئی کچھ بھی معلوم نہ تھا؟یہ میری پریکٹیکل لائف کا آغاز تھا ابھی میری تعلیم مکمل نہ ہوئی تھی کہ مجھے نوکری مل گئی اس وقت میں بہت خوش تھا کہ کتابوں سے جان چھوٹ گئی لیکن معلوم نہ تھا کہ ”آسمان سے گرا اور کھجور میں اٹکا“

میں جہاں پر نوکری کر رہا تھا دراصل وہاں پہلے سے ہی میری بڑی بہن ملازمت کر رہی تھی۔آفس میں شروع کے دنوں میں تو میں بہت خوش تھا لیکن جوں جوں دن گزرتے گئے میں کام چور بنتا گیا ہر ہفتے چھٹی کرنا میرا معمول سا بنا گیا تھا۔آفس کا ٹائم صبح نو سے شام پانچ بجے تک کا تھا اور میرا دل اس دوران بہت گھبراتا رہتا میرا سارا دن اسی انتظار میں گذر جاتا کہ جلدی جلدی پانچ بج جائیں اور میں گھر چلا جاؤں۔اسوقت دراصل مجھے کام سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا نہ کوئی ایسی وجہ تھی کہ میں دیر تک رکا رہتا۔ روز صبح 8:30 پر جب ہماری بس ہمیں لینے آتی تو مجھے دور سے یوں لگتا جیسے اڈیالہ جیل کی آرہی ہے اور ہم قیدیوں کو زبردستی چڑھا کر جیل (آفس) چھوڑ آئے گی،جب بس آکے پاس رکتی تو میرے ساری قیدی دوست معاف کیجئے گا میرے سارے دوست بس پر یوں ٹوٹ پڑتے جیسے انھیں آفس پہلے پہنچنے کا بہت زیادہ شوق ہو میں بالکل سب سے آخر میں بس پر چڑھتا۔ دوسرے سمجھتے شاید مجھے انکا بہت

خیال ہے اور انکی عزت کرتا ہوں اس لئے شاید آخر میں بس پر چڑھتا ہوں لیکن اصل بات کچھ اور تھی چونکہ آفس جانے کو تو میرا دل ہی نہیں کرتا تھا اس لئے سب سے آخر میں بس پر یہ سوچ کر چڑھتا آخر آفس جانا ہے کون سا کوئی شہر فتح کرنے جا رہا ہوں؟

ویسے تو ہر روز ہمارے آفس کے لوگ سٹاپ پر لیٹ آیا کرتے تھے لیکن ایک دن اپنا تمام آفس سٹاف بس سٹاپ پر دس منٹ پہلے ہی موجود تھا میں حیران رہ گیا دراصل ایک دن پہلے قائداعظم یونیورسٹی کی طالبات سٹاپ پر بس کا انتظار کر رہی تھیں شاید یہی وجہ تھی کہ ہمارا آفس سٹاف آج اسی نیت سے جلدی آگیا تھا کہ شاید آج بھی انتظار کر رہی ہوں گی۔ بہرحال اس کے بعد میں نے سٹاپ پر نہ تو کسی طالبہ کو بس کا انتظار کرتے ہوئے دیکھا اور نہ اپنے آفس سٹاف کے لوگوں کو جلدی آتے دیکھا۔ لیکن کچھ لوگوں کی جلدی بس سٹاپ پر آنے کی بے چینی پتا چل گئی تھی کہ وہ کیوں ہوتی تھی؟؟؟

آفس میں ہمیشہ میری بہن مجھ پر نظر رکھی ہوئی ہوتی تھی کہ آیا میں کیا کر رہا ہوں کس طریقے سے بول رہا ہوں اور کہیں سر پر زیادہ تیل تو لگا کر نہیں آیا ہوں۔ اور گھر واپسی پر وہ ڈانٹ ڈپٹ بھی کرتی یوں کرتے کرتے سات مہینے گذر گئے اور پھر بہن کی شادی ہو گئی اور وہ آفس چھوڑ گئی بہن کے جانے کے

بعد مجھے آفس بالکل خالی خالی محسوس ہونے لگا۔ میں اپنی بہن کی سیٹ کو دیکھتا کبھی وہ اس پر بیٹھا کرتی اور آج وہ خالی ہے۔ان کے جانے کے بعد میں بالکل بدل سا گیا ۔روزانہ صاف ستھرا ہو کر آفس جاتا۔ پہلے میرا لنچ بکس باجی لے کر جایا کرتی تھی ۔اب مجھے خود لے جانا پڑتا۔کچھ مہنیوں بعد میرا گریجویشن کا رزلٹ بھی آگیا میں سیکنڈ ڈویژن کے ساتھ پاس ہوا۔سب بہت خوش تھے۔لیکن مجھے آج بھی وہ دن وہ راتیں یاد ہیں جب میں پڑھتے پڑھتے سو جایا کرتا تو میری بہن آدھی رات کو جاگ کر مجھے کمرے میں دیکھنے آتی کہ کہیں میں سو تو نہیں گیا اور مجھے پڑھنے کیلئے جگاتی اسطرح گریجویشن میں کامیابی کی۔ پیچھے میری بہن کا ساتھ تھا جنہیں میں کبھی نہیں بھول پاؤں گا۔ یوں وقت گزرتا گیا اور میں ایک بار پھر سے کتابوں کی طرف آگیا۔کیونکہ میں جان گیا تھا کہ آگے بڑھنے کیلئے حالات کا مقابلہ کرنے کیلئے یہی بہترین سہارا ہے۔اب میری سوچ یکسر بدل سی گئی پہلے وہ آفس جہاں میں سارا دن بس چھٹی کا انتظار کرتا تھا۔ اب ہر روز کسی کو کسی طریقے سے فائدہ پہنچان کا سوچتا ہوں۔

اور پھر وہ وقت آیا کہ کوئی آفس میں اچھا لگنے لگا لیکن میں اس سے کبھی اس کا اظہار نہ کرسکا۔اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ مجھ سے اچھے عہدہ پر فائز تھی ،مگر اس کے حسن اخلاق اور خوبصورتی کا میں گرویدہ سا ہو گیا تھا۔ میرا اگرچہ اسے سے روز ہی واسطہ پڑتا رہتا تھا مگر میں اپنی پسندیدگی

کو اس سے چھپا نہ سکا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے میرے بارے میں شکایت میرے باس کو کر دی اور پھر مجھے اپنے آپ کو ایک حد میں رہ کر کام کاج کرنا پڑا۔ مگر مجھے افسوس اس بات کا رہا کہ میں کھلا کر اظہار نہ کر سکا اور محض میری پسندیدگی ہی میرا جرم محبت ٹھہرا جس کی مجھے اکثر خلش محسوس ہوتی ہے اور میں تنہائی میں اسے ہی یاد کر رہتا ہے اگرچہ اب میری زندگی میں کوئی اور آنے کو ہے مگر اس حسن پری کی یاد کا دیا ہمیشہ میرے دماغ میں روشن رہے گا۔ شاید زندگی اسی کا نام ہے۔ کہ بعض دفعہ ہم کسی کی چاہت ہوتے ہیں اور بعض دفعہ کوئی ہماری چاہت ہوتے ہیں لیکن ہم اکثر ان چاہتوں میں اتنا آگے نکل جاتے ہیں کہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ایک ایسی بھی ذات ہے جس کی چاہت نہ ہو تو کچھ بھی ممکن نہیں کیونکہ جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔ محبت صرف کسی کو پا لینے کا نام ہی نہیں ہے بلکہ کسی کے دل میں جگہ بنا لینا اصل محبت ہے۔

وہ فقط میرا ہے، تھا اور رہے گا بھی
گرفتارِ محبت میں کوئی ضمانت نہیں ہوتی

ذوالفقار

سسرالیوں نے بہو کو زندہ جلا دیا

لیجئے جناب

ایک اور حوا کی بیٹی اپنی جان دھو بیٹھی ہے۔پتا نہیں ہم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ ہم جان لینے میں ایک پل کے لئے بھی نہیں سوچتے ہیں کہ خدا کے ہاں اس کی جواب طلبی پر ہم کیا کہیں گے؟ یہاں نہ مرنے والے کو پتا ہے کہ وہ کیوں مر رہا ہے اور نہ مارنے والے کو پتا چلتا ہے کہ اس نے کس وجہ سے یہ قتل کیا ہے؟ بہت سے قتل وغارت محض جذبات میں ہوئے ہیں جو کہ اس طرف نشاندہی کر رہی ہے کہ ہمارے معاشرے میں صبر نام کی کوئی شے باقی نہیں رہی ہے۔ ہماری حکومت نے کوئی ایسے خاطر خواہ اقدامات نہیں کئے ہیں کہ عوام میں سکھ چین ہوتا اور زندگی سکون سے گذار سکتے۔ وہی لوگ جو بڑے پیار سے کسی کی بیٹی کو اپنے گھر لاتے ہیں وہی اسے ہمیشہ کے لئے واپس اپنے گھر بھیجنے کے اس کو جان سے مارنے کی سوچتے ہیں جو کہ ایک ہمارے لئے بڑا لمحہ فکریہ ہے۔ابھی کل کی ہی خبر ہے کہ علاقہ مکینوں کے مطابق شادی کے کچھ عرصے بعد ہی ملزم مختار اور اس کے گھر کا اپنی بہو صائمہ

کے ساتھ جھگڑا رہنے لگا تھا۔

علاقہ مکینوں نے بتایا کہ آج (منگل کو) اچانک چیخنے چلانے کی آواز آئی، جب موقع پر پہنچ کر دیکھا تو صائمہ شعلوں میں لپٹی ہوئی تھی اور وہ مکمل طور پر جھلس چکی تھی۔ واقعہ کے بعد پولیس نے صائمہ کے شوہر مختار کو حراست میں لے کر مقدمہ درج کرکے قانونی کارروائی شروع کردی ہے۔ ملزم مختار نے بیوی کو جلانے کے الزام کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ صائمہ کو کسی نے نہیں جلایا، وہ کچن میں گئی تھی جہاں اسے اچانک آگ لگ گئی۔ صائمہ کے رشتہ داروں کا کہنا ہے کہ ان کی عزیزہ امید سے تھی، انہوں نے حکومت سے ملزمان کے خلاف سخت کارروائی کا مطالبہ کیا ہے۔

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ اس طرح کے واقعات میں ملوث لوگ بااثر ہونے کی وجہ سے یا مک مکا کرکے اپنی جان بچا لیتے ہیں اگر ایسے لوگوں کو عدالت کڑی سزا دے اور اس پر عمل درآمد بھی ہو جائے تو پھر شاید کل کلاں کو کوئی ایسا کرنے کا نہ سوچے گا مگر یہاں قانون محض دکھاوے کا ہے اس پر عمل اس وقت ہی کیا جاتا ہے جب ہر طرف سے شور مچایا جاتا ہے۔ یہاں غریب عوام کی سنتا ہی کون ہے ؟ جب یہاں اقتدار ہی دھاندلی کے ساتھ حاصل کرنے کی روایت ہو تو پھر باقی معاملات کا تو خدا ہی حافظ ہے۔

جب تک ہمارے ملک میں قانون کی حکمرانی نہیں

ہو گی یوں ہی نجانے کتنی صائمہ اپنی جان کی بازی ہارتی رہیں گی۔
مجھے ایسے لوگ جو اس طرح کے گھناوئے عمل میں ملوث ہوتے ہیں سے محض اتنا کہنا ہے کہ جان سے مار کر آپ کو کیا حاصل ہوتا ہے جب آپ کسی کو برداشت نہیں کر سکتے تو اسے اس کے پیاروں سے ہمیشہ کے لئے دور مت کیجے، دوسرے کی بیٹی کے ساتھ ایسا کرتے وقت اپنی بیٹی کا بھی سوچ لیا کریں یہ اس کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔اللہ تعالی کی رسی ڈھیلی ہے جس دن اس کی گرفت ہو گی کوئی نہ بچ پائے گا۔
اگر آپ کسی کو اس قدر نہ پسند کرتے ہیں تو چاند سی بہو کو گھر میں لانے کی غلطی کسی کے کہنے پر مت کریں یہ اس سے بہتر ہو گا کہ آپ اسے زندہ در گور کر دیں۔اللہ تعالی ہمیں سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین

مسیحا درندہ بن گیا

قارئین کرام!

بات کہاں سے شروع کروں کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے ہر روز نت نئے تماشے ہمارے ملک میں دیکھنے کو مل رہے ہیں کہیں قیمتی جانیں ضائع ہو رہی ہیں اور کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہے، کہیں عوام مہنگائی سے بدحال ہو چکی ہے اور کوئی انکی فریاد سننے والا نہیں ہے۔ کہیں بڑھتی ہو کرپشن پورے ملک میں بدعنوانی کو فروغ دے رہی ہے۔اب تو معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ جن ڈاکٹرز نے اپنے حقوق کے لئے ہڑتالیں کی تھیں محض ذاتی مفاد کے لئے عوام کو تکلیف سے گذارا تھا اب ان ہی میں سے ایک نئے ایک نیا تکلیف دہ واقعے کو جنم دے دیا ہے۔

مجھے یہ خبر پڑھ کر جس کرب سے گذرنا پڑا ہے اس کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ لیکن معاملہ ایسا تھا کہ مجھے اپنے جذبات کو آپ تک پہچانے کے لئے قلم کو اُٹھانا ہی پڑا ہے۔

فیصل آباد: ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر اسپتال میں علاج کے لئے آنے والی مریضہ کو ڈاکٹر نے کیبن میں لے جا کر اپنی ہوس کا نشانہ بنا ڈالا۔

ڈاکٹر مسیحائی تو پہلے ہی بھول چکے تھے اب شاید انسانیت بھی بھولتے جارہے ہیں، فیصل آباد کے سول اسپتال میں مسیحا نے درندہ بن کے مریضہ کو زیادتی کا نشانہ بناڈالا، انیلہ اپنی ماں کے ساتھ سول اسپتال کے ایک وارڈ میں علاج کے لئے آئی تو ڈاکٹر ناصر بیگ اسے اکیلے کیبن میں لے گیا جبکہ انیلہ کی ماں بیٹی کا انتظار کرتی رہی اور ڈاکٹر نے اس کی بیٹی کو ہراساں کرکے زیادتی کا نشانہ بناڈالا، پولیس نے واقعے کا مقدمہ درج کرکے تفتیش شروع کر دی ہے۔

اب ہمارے ملک کے حالات اس قدر خراب ہو گئے ہیں کہ لوگ اس طرح کے واقعات سے گھبرا کر اپنے علاج معالجے سے بھی گریز کرنے لگ جائیں گے کہ کیا پتا کوئی مسیحا ہی درندہ بن کر عزت تار تار کرنے کا سبب نہ بن جائے۔اب ایسے کالی بھیڑیں بھی اس شعبے میں شامل ہو گئی ہیں جو کہ اس کی بدنامی کا سبب بن رہی ہیں۔اگرچہ اس طرح کا واقعات پہلے بھی ملک کے طول و عرض میں پیش آتے ہیں مگر مسیحا کے درندہ بن جانے کا یہ انوکھاترین واقعہ ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

ہمارے ملک میں ہر شعبے میں برے اور مفاد پرست لوگ موجود ہیں جو کہ مختلف شعبہ ہائے زندگی کی بدنامی کا سبب بن جاتے ہیں اب افسوس ناک بات یہ ہے کہ

مسیحائی جیسا مقدس پیشہ بھی اس طرح سے بدنام کیا جارہا ہے جو کہ ہمارے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ ہمارے ہاں ہر کسی کی پہلی توجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ ڈاکٹر بن کی لوگوں کی خدمت کرسکے،بہت سے نوجوان اگرچہ حقیقی خدمت بھی سرانجام دیتے ہیں مگر دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ کچھ ایسے ہی درندے مسیحا کا روپ دھار کر عوام کی کھال اتارنے میں بھی آج بھی مصروف عمل ہیں کہ آخر کو انھوں نے بہت کچھ لگایا ہوا ہے اس کی واپسی کا بھی تو بندوبست کرنا ہوتا ہے نا؟؟؟؟

خیر جہاں تک اس واقعے کا تعلق ہے ذمہ دار ڈاکٹر کو قرار واقعی سزا دینی چاہیے ہوسکے تو اس سے عوام کی مسیحائی کا ہی حق چھین لینا چاہیے تاکہ کل کلاں کو اس طرح کے واقعے کی موثر روک تھام ہوسکے اور دوسروں کو بھی عبرت دلائی جاسکے۔اگرچہ پولیس نے اس واقعے کی تفتیش شروع کر رکھی ہے اگر روایتی انداز میں کاروائی نہ ہوئی تو جلد انصاف کی توقع کی جاسکتی ہے مگر دیگر معاملات کی طرح یہ بھی وقت کی دھول کے ساتھ عوام کی نظروں سے غائب ہوکر واقعہ دب جائے گا اور متاثرفرد بھی انصاف انصاف پکارتے رہ جائیں گے۔

لڑکیو! ہوش کے ناخن لو

بات کہاں سے شروع کروں کچھ سمجھ نہیں آ رہی ہے ہمارے ہاں جب تک مسئلہ سر پر سوار نہ ہو جائے اس کو حل کرنے کی جانب توجہ نہیں دی جاتی ہے اور پانی سر سے گذرنے کے بعد ہی ہوش آتا ہے۔ ہمارے والدین شروع میں بچوں کی تعلیم و تربیت کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دیتے ہیں اور جب انکو معلوم ہوتا ہے کہ وہ برائی کی طرف مائل ہو چکے ہیں یا پھر گناہ کی دلدل میں پھنس چکے ہوتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں لڑکوں کی طرف اکثریت والدین بڑی توجہ دیتے ہیں کہ انکا آنا جانا گھر سے باہر زیادہ ہوتا ہے مگر لڑکیوں کی جانب یہ سوچ رکھ کر دل کو تسلی دے دیتے ہیں کہ انہوں نے کون سا باہر جانا ہے، گھر داری سیکھ لیں کچھ پڑھ لیں تو بس پھر انہوں نے انکو رخصت کرکے پرائے گھر روانہ کر دینا ہے۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ اسی طرح سے لڑکیوں کی بڑی تعداد بے راہ روی کا شکار ہو جاتی ہے اور بعد ازں والدین اور خاندان بھر کی بدنامی کا سبب بنتی ہیں، گھر سے باہر کا ماحول چاہیے وہ خواتین کے مختص اداروں میں ہی تعلیم حاصل کریں انکو خراب کرنے کا سبب بن سکتا ہے اگر گھر میں انکی اس طرح کی تربیت نہیں ہوئی ہے کہ اچھے اور برے انسان میں فرق کی تمیز کر سکیں۔ بہت سے

لوگ کہہ سکتے ہیں کہ انسان خود اچھا ہو تو سب ٹھیک رہتا ہے مگر جناب بسا اوقات انسان کی حد سے زیادہ خود اعتماد کسی بھی شخص پر بھروسہ کر کے اس کی عزت تار تار کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ یہ جو واقعہ پیش کرنے لگا ہوں اس میں بھی اسی طرح کی کچھ بات ہے کہ متاثر لڑکی نے اپنے ساتھ غلط ہونے کے بعد باوجود بھی ڈر و خوف کے مارے گھر والوں کو کچھ نہ بتایا اور جب بات تاوان تک پہنچی تو معاملہ تھانے تک پہنچ گیا ہے۔ اگرچہ اس واقعے کی بہت سے تفصیلات عدالت میں باقاعدہ کیس چلانے پر ہی سامنے آئیں گی مگر نادان لڑکیوں کو سمجھنے کے لئے اور تصویر کا دوسرا رخ پیش کرنے کے لئے میں اس کی تفصیلات آپ قارئین کے سامنے رکھ رہا ہوں جو کہ ایک مقامی اخبار سے حاصل کردہ ہیں۔

پنجاب کے ضلع لودھراں میں نویں جماعت کی طالبہ کو جنسی زیادتی کی ویڈیو بنا کر بلیک میل کرنے والے چار ملزمان کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔لودھراں کے علاقے دنیا پور میں ملزمان نے پہلے طالبہ کو ورغلایا کر ویڈیو بنائی اور پھر 6 ماہ تک بلیک میل کر کے جنسی زیادتی کا نشانہ بناتے رہے۔

ملزمان ویڈیو کے ذریعے طالبہ کے ساتھ ساتھ اس کے والد کو بلیک میل کر کے 3 لاکھ روپے طلب کیے، مطلوبہ رقم نہ ملنے پر ملزمان نے زیادتی کی ویڈیو انٹرنیٹ پر ڈال دی۔

بدقسمت طالبہ کے والد کی درخواست پر پولیس نے واقعے میں ملوث مرکزی ملزمان انضمام، احتشام، جہانگیر اور شیراز کو گرفتار کرکے ان کے قبضے سے لڑکی کی قابل اعتراض ویڈیو برآمد کرلی ہے۔ملزمان کے خلاف دفعہ 376 اور 292 کے تحت مقدمہ درج کرکے قانونی کارروائی شروع کردی گئی ہے۔

ہمارے معاشرے میں اس طرح کے واقعات تواتر سے پیش آرہے ہیں مگر فی الحال مجھے اس حوالے سے کوئی خاطر خواہ حکومتی اقدامات ہوتے دکھائی نہیں دیئے ہیں،اس پر جو بھی پیش رفت عدالت میں ہوگی وہ توسب کو پتا چل جائے گی۔ مجھے فی الوقت یہ بات اپنی بہنوں اور ان والدین سے کرنی ہے کہ خدارا ہوش کے ناخن لیں اور کسی انجان شخص پر بلا سوچے سمجھے اعتبار نہ کریں۔ جہاں کہیں غلط کام کرنے پر مجبور کیا جائے تو فورا سے والدین کی عزت کا سوچیں اور جذبات میں مت آئیں، اور گھر میں کسی قابل اعتبار فرد کو اپنی مشکل سے آگاہ کرکے اپنی اور والدین کی عزت کی بقا کا سوچیں۔جب آپ کمزور اپنے آپ کو محسوس کریں گی تو دوسروں نے آپ پر یقینا ظلم کے پہاڑ توڑ دینے ہیں۔

ایسے تمام افراد جو اس گناہ میں ملوث ہوتے ہیں وہ اللہ کے عذاب سے ڈریں اس دنیا کی عدالت سے چھوٹ کر بھی وہ اس کی عدالت میں یقینا اپنے منطقی انجام

کو پہنچ جائیں گے۔

توہین

زندگی میں بسا اوقات ہمیں ایسے حالات سے واسطہ پڑ جاتا ہے جس میں ہمیں حقائق کو دیکھتے ہوئے فورا سے فیصلہ کرنا پڑتا ہے اور تب ہی ہمیں باتوں کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے جو ہمارے سامنے وقوع پذیر ہو رہی ہوتی ہیں۔آج آپ کو ایک ایسے ہی واقعے کی بابت بتانا چاہوں گا واقعے کو پڑھ کر آپ میں سے اکثریت کو کچھ سوچنے کا موقعہ ملے گا،ذرا سوچئے گا کہ اس طرح کے کتنے واقعات ہمارے سامنے پیش آتے ہیں اور ہم کیا رد عمل ظاہر کرتے ہیں۔۔۔

وہ مکمل پردے میں قاضی کے سامنے کھڑی تھی۔اس نے اپنے شوہر کے خلاف مقدمہ دائر کیا تھا۔مقدمہ کی نوعیت.بڑی عجیب تھی کہ میرے خاوند کے ذمہ مہر کی رقم 500 دینار واجب الادا ہےاور وہ ادا نہیں کر رہا، لہٰذہ مجھے مہر کی رقم دلائی جائے۔قاضی نے خاوند سے پوچھا تو اس نے اس دعوے کا انکار کر دیا کہ اس کے ذمہ عورت کی کوئی رقم ہے۔عدالت نے گواہ طلب کیئے۔

خاتون نے چند گواہوں کو پیش کیا۔گواہوں نے کہا کہ ہم اس خاتون کو دیکھ کر ہی بتا سکتے ہیں کہ واقع ہی یہ وہی عورت ہے جس کی گواہی کے لیئے ہم یہاں

آئے ہیں، لہٰذا عورت سے کہا جائے کہ اپنے چہرے سے پردہ ہٹائے تاکہ ہم شناخت کر سکیں۔ عدالت نے عورت کو حکم دیا کے چہرے سے پردہ ہٹائے تاکہ شناخت ہو سکے۔ ادھر عورت تذبذب کا شکار تھی کہ گواہوں کے سامنے نقاب اتارے کے ناں اتارے اور ادھر گواہ اپنے موقف پر مصر تھے۔ اچانک اس کے خاوند نے غیرت میں آ کر کہا مجھے قطعاً یہ گوارہ نہیں کہ کوئی نا محرم شخص میری بیوی کا چہرا دیکھے لہٰذا گواہوں کو اس کا چہرا دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا مہر واقع ہی میرے ذمے ہے۔

: عدالت ابھی فیصلہ دینے ہی والی تھی کہ عورت بول اٹھی

محترم ! اگر میرا شوہر کسی کو میرا چہرا دیکھانا برداشت نہیں کرتا تو میں بھی اس کی توہین برداشت نہیں کر سکتی لہٰذا مقدمہ کو خارج کیا جائے۔

میں نے اس کو اپنا مہر معاف کیا۔ میں غلطی پہ تھی جو ایسے شخص کے خلاف مقدمہ کیا۔

دیکھئے ہمارے بہت سے مسئلے ہماری انا کی وجہ سے اکثر حل نہیں ہو پاتے ہیں وہ کہتے ہیں نا کہ کبھی کبھی ہار کر بھی انسان جیت جاتا ہے تو ان واقعات

میں اکثر ایسا ہی ہوا کرتا ہے کہ انسان حق پر ہوتے ہوئے بھی جھک جاتا ہے۔ کسی کے آگے جھک جانا اس کوتا حیات اس بات پر سوچنے پر مجبور کرے گا کہ کیا واقعی وہ اپنی جگہ ٹھیک تھا؟ اس واقعے کو پڑھیں بار بار اور سمجھنے کی کوشش کریں اور دوسروں کو بھی آگاہ کریں تاکہ ہم اپنے کردار میں تبدیلی لائیں اور بہتر معاشرہ قائم ہو سکے۔

پھر بھی دل ہے پاکستانی

معزز قارئین !

پاکستان میں رہنے والے باشندوں کو پوری دنیا میں لوگ مختلف خوبیوں یا علامتوں کی وجہ سے پہچان لیتے ہیں کہ یہ موصوف کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ حال ہی میں ایک تحریر اس حوالے سے پڑھی ہے اس میں اپنی جانب سے ترمیم کرکے پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں امید کرتا ہوں کہ آپ یہ کاوش پسند کریں گے۔ میں ایک بات ضرور کہنا چاہوں گا کہ اگر کچھ کہنے میں کسر باقی رہ گئی ہو تو آپ میری اصلاح کرکے قومی خدمت ضرور کریجئے گا کہ ہمارے ہاں بہت سے لوگ اچھے.برے کام کرکے بھی اسے قومی خدمت ہی تصور کرتے ہیں۔۔

* ہم پاکستانی۔ دعوتی کارڈوں پر "پابندی وقت" کی تاکید کے باوجود مقررہ وقت سے بغیر شرمندہ ہوئے 2 گھنٹے لیٹ پہنچنا بالکل نارمل سمجھتے ہیں۔وقت پر جو آتے ہیں وہ شرمسار ہوتے ہیں کہ انکو خوش آمدید کرنے والے بھی اس وقت حتمی تیاریوں میں مشغول ہوتے ہیں کہ ایسے بن کر جائیں کہ لوگوں کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ منہ بھی کھل جائیں۔

* ہم پاکستانی ۔ گفٹ پیپر ز، گفٹ بکس حتی کہ ایلومینئم پیپرز بھی کئی کئی بار استعمال کرتے ہیں۔اگر ہمارے بس میں ہو تو چائے کی پتی بھی بار بار استعمال کرتے رہیں۔

* ہم پاکستانی ۔ ایر پورٹ پر اکثر بڑے بڑے سوٹ کیسوں اورچیک-ان کاونٹر پر اوور ویٹ کے جھگڑے کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ اکثر میاں بیوی کی لڑائی اس وجہ سے بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنی کی بجائے کسی اور کی بیوی کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

* ہم پاکستانی ۔ اپنے بچوں کے نام ایک ہی وزن پر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسے نسیم، ندیم، کلیم، سلیم، یا شازیہ، نازیہ، ماریہ، رابعہ، مسکان، ریحان وغیرہ وغیرہ۔

* ہم پاکستانی ۔ کسی کے گھر مہمان جائیں تو مقصد آمد پورا ہو جانے کے بعد میزبان سے اجازت لے کر رخصت ہوتے وقت میزبان کے گھر کے دروازے پر گھنٹہ بھر کھڑے ہو کر باتیں کرتے رہتے ہیں اور یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ شاید ہم اپنے ہی گھر ہیں۔

* ہم پاکستانی۔ (پاکستان میں) ہارن بجانا منع والی جگہ پر ضرور ہارن بجارہے ہوں گے۔جہاں تھوکنا منع ہوگا وہاں تھوک کراپنی قومی خدمت ضرور سرانجام دیتے ہیں۔

* ہم پاکستانی۔ پکنک یا آؤٹنگ پر جاتے ہوئے کھانا کہیں باہر سے کھانے کی بجائے دیگچے یا ٹفن ساتھ لے جاتے ہیں یا پھر جہاں کھاتے ہیں وہاں سے کچھ اُچکنا اپنا قومی مفاد سمجھتے ہیں۔

* ہم پاکستانی اگر دوستوں کے ساتھ ریسٹورنٹ یا کافی ہاؤس پر جائیں تو بل ادائیگی کے وقت اکثر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی لڑائی کرتے ہیں۔مگر جیب سے پیسے نکالنے کی زحمت بالکل بھی نہیں کرتے ہیں۔

* ہم پاکستانی۔ دوست احباب یا رشتہ داروں کو رات گئے بھی فون کرنے میں ہچکچاہٹ نہیں کرتے اور معذرت کرکے پوری بات کر گزرتے ہیں۔

* ہم پاکستانی۔ دنیا بھر کے سیاسی نظاموں کی خامیوں پر تنقید کرتے ہیں مگر اپنے نظام کو کوسنے کے باوجود بدلنے پر تیار نہیں ہوتے۔

نوٹ ۔ ان علامات کو محض تفنن طبع کے طور پر لیا جائے۔ شکریہ ۔
کیونکہ ہم سب ہی پاکستانی ہیں ۔
ہمیں فخر ہے پاکستانی ہونے پر۔۔۔

گدھے کا حساب

قارئین !

آج آپ سے ایک واقعہ بیان کرنے کو دل چاہ رہا ہے کہ ہمارے وطن عزیز کے حالات جس نہج کو پہنچا چکے ہیں اس میں بڑا کردار ہمارے اپنے منتخب کردہ حکمرانوں کا ہے اسی حوالے سے یہ تحریر لکھی جا رہی ہے ہو سکتا ہے کہ کسی صاحب نظر و اہل دل کی نظروں سے گذرے تو حالات کی بہتری کی جانب بڑھا جا سکے گا۔

ایک دفعہ ایک ملک کا بادشاہ بیمار ہو گیا، جب بادشاہ نے دیکھا کہ اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں تو اس نے اپنے ملک کی رعایا میں اعلان کروا دیا کہ وہ اپنی بادشاہت اس کے نام کر دے گا جو اس کے مرنے کے بعد اس کی جگہ ایک رات قبر میں گزارے گا،

سب لوگ بہت خوفزدہ ہوئے اور کوئی بھی یہ کام کرنے کو تیار نہ تھا، اسی دوران ایک کمہار جس نے ساری زندگی کچھ جمع نہ کیا تھا۔ اس کے پاس سوائے ایک گدھے کے کچھ نہ تھا اس نے سوچا کہ اگر وہ ایسا کر لے تو وہ بادشاہ بن سکتا ہے اور حساب کتاب میں کیا جواب دینا پڑے گا اس کے پاس تھا ہی کیا ایک

گدھا اور بس ! سو اس نے اعلان کر دیا کہ وہ ایک رات بادشاہ کی جگہ قبر میں گزارے گا۔

بادشاہ کے مرنے کے بعد لوگوں نے بادشاہ کی قبر تیار کی اور وعدے کے مطابق کمہار خوشی خوشی اس میں جا کر لیٹ گیا، اور لوگوں نے قبر کو بند کر دیا، کچھ وقت گزرنے کے بعد فرشتے آئے اور اسکو کہا کہ اٹھو اور اپنا حساب دو۔ اس نے کہا بھائی حساب کس چیز کا میرے پاس تو ساری زندگی تھا ہی کچھ نہیں سوائے ایک گدھے کے !!!

فرشتے اس کا جواب سن کر جانے لگے لیکن پھر ایک دم رکے اور بولے ذرا اس کا نامہ اعمال کھول کر دیکھیں اس میں کیا ہے، بس پھر کیا تھا، سب سے پہلے انہوں نے پوچھا کہ ہاں بھئی فلاں فلاں دن تم نے گدھے کو ایک وقت بھوکا رکھا تھا، اس نے جواب دیا ہاں، فوری طور پر حکم ہوا کہ اسکو سو دُرے مارے جائیں، اسکی خوب دھنائی شروع ہو گئی۔

اسکے بعد پھر فرشتوں نے سوال کیا اچھا یہ بتاو فلاں فلاں دن تم نے زیادہ وزن لاد کر اسکو مارا تھا، اس نے کہا کہ ہاں پھر حکم ہوا کہ اسکو دو سو دُرے مارے جائیں، پھر مار پڑنا شروع ہو گئی۔ غرض صبح تک اسکو مار پڑتی رہی۔

صبح سب لوگ اکھٹے ہوئے اور قبر کشائی کی تا کہ اپنے نئے بادشاہ کا استقبال کر سکیں۔ جیسے ہی انہوں نے قبر کھولی تو اس کمہار نے باہر نکل کر دوڑ لگا دی، لوگوں نے پوچھا بادشاہ سلامت کدھر جا رہے ہیں، تو اس نے جواب دیا، او بھائیوں پوری رات میں ایک گدھے کا حساب نہیں دے سکا تو پوری رعایا اور مملکت کا حساب کون دیتا پھرے۔ کبھی سوچا ہے کہ ہم نے بھی حساب دینا ہے۔ اور پتہ نہیں کہ کس کس چیز کا حساب دینا پڑے گا جو شاید ہمیں یاد بھی نہیں ہے۔ آج کل رمضان المبارک کا مقدس مہینہ چل رہا ہے میری طرح آپ کا بھی واسطہ منافع خوروں سے ضرور پڑا ہوگا، کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم مسلمان ہونے کا دعوی تو کرتے ہیں مگر اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے رعایتی نرخ پر اشیا فروخت کرنے سے گریز کرتے ہیں بلکہ عام دنوں کی بانسبت دوگنا چار گنا قیمت بڑھا کر نیکی کمانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں تاکہ اس منافع سے سال بھر ہم عیش کر سکیں۔ مجھے یہ آج کہنے دیجئے کہ کیا ایسے کرنے والے مسلمان ہیں؟ ہم بآسانی دوسروں کو کافر تو کہہ دیتے ہیں ہم مگر اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے ہیں کہ

ہم خود اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کے برعکس کام کرکے کیا انکی خوشنودی حاصل کر رہے ہیں۔

دوسری طرف ہمارے اوپر حکمرانی کرنے والوں کا طرز عمل تو دیکھئے کہ رمضان بازار کا نام لے کر بھی اگر اشیا باہر کے نرخ پر دی جائیں گی تو بتائے تو اس قدر حکومتی وسائل اور اخراجات کو ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔حکومت وقت کو اس سلسلے میں موثر اقدامات کرنے چاہیں کہ رمضان بازار میں معیاری اشیا ہی فروخت کی جائیں اور خلاف ورزی کرنے والے کا مزید رمضان بازار میں کام کرنے کا موقعہ نہیں دینا چاہیے، عوام کی بھلائی اگر حکمرانی نہیں سوچیئے گے تو کل کو کیسے وہ اللہ کے دربار میں سرخرو ہو سکے گے۔ایک بات ایسے حکمرانوں کو یاد رکھنی چاہیے کہ یہاں تو دھاندلی ورشوت سے کام چلا لیں گے مگر وہاں جو بھی ہوگا انصاف کے تقاضے کو پورا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے حکمرانوں کو سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین

دعا-جو زندگی بدل دے

ہمارے زندگی میں دعا کی بڑی اہمیت ہے مگر افسوس کی بات ہے کہ آج کے مصروف ترین دور میں ہمارے لئے دعا کے لئے وقت ہی نہیں رہ ہے حالانکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق دعا سے تقدیر تک بدل جا سکتا ہے مگر اس کے لئے خلوص دل سے دعا مانگنا شرط ہے۔ رمضان المبارک میں دعا تو لازمی قبول ہو جاتی ہے مگر بات وہاں ہی آ جاتی ہے کہ ہم دنیاوی کام کاج سے ہٹ کر محض اللہ تعالی سے لو لگا کر اس سے مانگنے کی کوشش کریں تو وہ ذات ضرور عطا کرتی ہے اور جب آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ذات جو ستر ماوں سے زیادہ ہم سے محبت رکھتی ہے ہماری نہ سنے مگر اس کے لئے ہمیں اسے اپنے حال دل سنانا ہوگا بن مانگے تو مل ہی جاتا ہے اکثر ہمیں اس سے مانگنا چاہیے کہ بہت سے تقدیر میں لکھے فیصلے دعا کے ذریعے تبدیل ہو جاتے ہیں اور یہاں میں یہ بات بالخصوص اعتکاف میں بیٹھنے والوں سے ضرور کہنا چاہوں گا کہ دوران اعتکاف عبادت تو کرتے ہی رہیں مگر کچھ وقت دعا کو بھی دیں تاکہ ہمیں احساس ہو کہ ہم گناہ گار اسی کے ہی محتاج ہیں وہ سب کی مرادیں پوری کرنے والا ہے۔

دعا کے حوالے سے ہی ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔

ایک غریب خاندان کے لڑکے نے اپنے باپ سے کہا۔ میرے لئے بائیسکل خرید دیجئے باپ کے لئے بائیسکل خریدنا مشکل تھا۔ اس نے ٹال دیا۔ لڑکا بار بار کہتا رہا اور باپ بار بار منع کرتا رہا۔ آخر کار ایک روز باپ نے ڈانٹ کر کہا میں نے کہہ دیا کہ میں بائیسکل نہیں خریدوں گا۔ آئندہ مجھ سے اس قسم کی بات مت کرنا۔" یہ سن کر لڑکے کی آنکھ میں آنسو آ گئے۔ وہ کچھ دیر تک چپ رہا۔ اس کے بعد روتے ہوئے بولا آپ ہی تو ہمارے باپ ہیں پھر آپ سے نہ کہیں تو کس سے کہیں ....

....

اس جملہ نے باپ کو تڑپا دیا۔ اچانک اس کا انداز بدل گیا۔ اس نے کہا" اچھا بیٹے، " اطمینان رکھو۔ میں تم کو ضرور بائیسکل دوں گا۔" یہ کہتے ہوئے باپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اگلے دن اس نے پیسہ پورا کرکے بیٹے کے لئے نئی بائیسکل خرید دی۔

لڑکے نے بظاہر ایک لفظ کہا تھا۔ مگر یہ ایسا لفظ تھا جس کی قیمت اس کی اپنی زندگی تھی۔ جس میں اس کی پوری ہستی شامل ہو گئی تھی۔ اس لفظ کا مطلب یہ تھا

کہ اس نے اپنے آپ کو اپنے سرپرست کے آگے بالکل خالی کر دیا ہے۔ یہ لفظ بول کر اس نے اپنے آپ کو ایک ایسے نقطہ پر کھڑا کر دیا جہاں اس کی درخواست اس کے سرپرست کے لئے بھی اتنا بڑا مسئلہ بن گئی جتنا وہ خود اس کے اپنے لئے تھی۔

یہ انسانی واقعہ خدائی واقعہ کی تمثیل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کون سی دعا ہے جو لوٹائی نہیں جاتی۔ یہ وہ دعا ہے جس میں بندہ اپنے پوری ہستی کو انڈیل دیتا ہے۔ جب بندہ کی آنکھ سے عجز کا وہ قطرہ ٹپک پڑتا ہے جس کا تحمل زمین و آسمان بھی نہ کر سکیں ۔جب بندہ اپنے آپ کو اپنے رب کے ساتھ اتنا زیادہ شامل کر لیتا ہے تو یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جب کہ دعا محض زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک شخصیت کے پھٹنے کی آواز ہوتی ہے۔ اس وقت اللہ کی رحمتیں اپنے بندے پر ٹوٹ پڑتی ہیں۔ بندگی اور خدائی دونوں ایک دوسرے سے راضی ہو جاتے ہیں۔ قادر مطلق عاجز مطلق کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے۔ دعا ہی وہ عمل ہے جو ہماری زندگیوں کو بدلنے کی طاقت رکھتی ہے تو خود بھی دعا کیجئے، کروایئے اور اپنی عبادات میں اس کا بھی کچھ وقت رکھئے تاکہ ہمارے دل و سکون اطیمنان اللہ تعالی پر بھروسہ کی وجہ سے آئے کہ وہ ہماری سن چکا ہے تو لازمی اب ہمارے حق میں بہتری آئے گی۔

الو کا جواب

ایک طوطا اور مینا کا گزر ایک ویرانے سے ہوا.. وہ دم لینے کے لئے ایک ٹنڈ منڈ درخت پر بیٹھ گئے.. طوطے نے مینا سے کہا.. " اس علاقے کی ویرانی دیکھ کر لگتا ہے کہ الوؤں نے یہاں بسیرا کیا ہوگا.. "

ساتھ والی شاخ پر ایک الو بیٹھا تھا.. اس نے یہ سن کر اڈاری ماری.. اور ان کے برابر میں آ کر بیٹھ گیا.. علیک سلیک کے بعد الو نے طوطا اور مینا کو مخاطب کیا.. اور کہا.. " آپ میرے علاقے میں آئے ہیں.. میں ممنون ہوں گا اگر آپ آج رات کا کھانا میرے غریب کھانے پر تناول فرمائیں.. "

اس جوڑے نے الو کی دعوت قبول کر لی.. رات کا کھانا کھانے اور پھر آرام کرنے کے بعد جب وہ صبح واپس نکلنے لگے.. تو الو نے مینا کا ہاتھ پکڑ لیا.. اور طوطے کو مخاطب کر کے کہا.. " اسے کہاں لے کر جا رہے ہو.. یہ میری بیوی ہے.. "

یہ سن کر طوطا پریشان ہو گیا.. اور بولا.. " یہ تمہاری بیوی کیسے ہو سکتی

" ..ہے.. یہ مینا ہے.. اور تم الو ہو.. تم زیادتی کر رہے ہو

اس پر الو وزیر باتدبیر کی طرح ٹھنڈے لہجے میں بولا.. " ہمیں جھگڑنے کی ضرورت نہیں.. عدالتیں کھل گئی ہوں گی.. ہم وہاں چلتے ہیں.. وہ جو فیصلہ کریں گی.. ہمیں " منظور ہوگا

طوطے کو مجبوراً اس کے ساتھ جانا پڑا.. جج نے دونوں طرف کے دلائل بہت تفصیل ..سے سنے.. اور آخر میں فیصلہ دیا کہ مینا طوطے کی نہیں الو کی بیوی ہے

یہ سن کر طوطا روتا ہوا ایک طرف کو چل دیا.. ابھی وہ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ الو نے " ..اسے آواز دی.. " تنہا کہاں جا رہے ہو.. اپنی بیوی تو لیتے جاؤ

طوطے نے روتے ہوئے کہا.. " یہ میری بیوی کہاں ہے.. عدالت کے فیصلے کے مطابق " ..اب یہ تمہاری بیوی ہے

اس پر الو نے شفقت سے طوطے کے کاندھے پر ہاتھ رکھا.. اور کہا.. " یہ میری نہیں تمہاری ہی بیوی ہے.. میں تو صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ بستیاں الوؤں

کی وجہ سے ویران نہیں ہوتیں.. بلکہ اس وقت ویران ہوتی ہیں جب وہاں سے انصاف اٹھ جاتا ہے..!! "

کسی کو پورا پورا ہر لحاظ سے اس کا حق دے دینا اور کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرنا عدل وانصاف کہلاتا ہے۔اسلامی معاشرے میں عدل و انصاف کی بڑی اہمیت ہے۔معاشرے میں سکون وامن کی ضمانت اس کو قرار دیا گیا ہے۔عدل اللہ تعالی کی صفت ہے۔قرآن میں بھی بار بار اس کے بارے میں احکامات آئے ہیں قرآن میں ایک جگہ اس کو یوں بیان کیا گیا ہے۔
"میں بندوں پر ظلم نہیں کرتا"
جبکہ سورہ شوری میں یوں کہلوایا گیا ہے "کہو مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کرو"۔

پاکستان میں عدل و انصاف کی صورت حال آپ کے سامنے ہے کہ لوگوں کو انصاف کے حصول کے لئے کس طرح پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں پھر بھی بامشکل انصاف حاصل کرپاتے

ہیں۔ ہمارے نام نہاد عوامی خدمت کے دعوی دار لیڈر بس ووٹ کے حصول کے لئے ہی ہمارے ساتھ انصاف دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔اقتدار ملتے ہی بس اپنے ذاتی مفادات کو نقصان نہ پہنچ جائے انصاف سے کام لیتے ہوئے جتنا بھی ہاتھ میں آتا ہے اپنا حصہ بٹور کر واپس ہو لیتے ہیں اور عوام انصاف کے لئے دربدر رلتے ہی رہتے ہیں۔ انصاف کے حصول کو آسان تر کرنا ہماری اعلی عدلیہ کا کام ہے اگر ایسا نظام وہاں قائم ہو جائے کہ کوئی بھی اپنے کیس کا فیصلہ تاخیر سے لانے کے لئے غیر قانونی ہتھکنڈے استعمال نہ کرسکے تو عوام کو جلد انصاف کی فراہمی ہو سکتی ہے مگر شاید جس کے پاس پیسہ اور سفارش ہے وہی جلد انصاف حاصل کرپاتا ہے باقی تو دادا کا مقدمہ تو پوتے پڑپوتے بھی جیت نہیں پاتے ہیں جو کہ ہمارے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے۔

گذشتہ کئی سالوں سے ہم جو دہشت گردی کا رونا رو رہے ہیں یہ اب تک ختم ہو چکا ہے اگر انکے خلاف پکے ثبوت فراہم کیے جاتے تو عدلیہ انکے جیلوں میں ڈالتی مگر یہاں تو سب انصاف بیچ کر اپنے گھر کو چلانا ضروری سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے ہمارے پاکستان میں حالات خراب تر ہو رہے ہیں ۔ذرا سوچئے کتنے لیڈروں نے انصاف کی جلد فراہمی کے لئے درست طور پر جہدو جہد کی ہے اصل میں یہ چاہتے ہی نہیں ہیں کہ یہاں حقیقی انصاف ہو وگرنہ کسی روز یہ خود ہی تختہ دار پر لٹکے ہونگے۔اللہ تعالی ہمارے حکمرانوں کو اور عوام کو اس بارے میں

سوچنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں بصورت بستیاں انصاف نہ ہوگا تو ویران ہی ہو جائیں گی۔

پاک بھارت عوام امن چاہتے ہیں جنگ کے خواہاں نہیں

جب سے ہوش سنبھالا ہے ایک بات وقت کے ساتھ ساتھ ذہن میں اپنی جگہ قائم سی رہ گئی ہے کہ ہم پاکستانی صرف جوش دکھاتے ہیں کہ بھارت کے ساتھ جنگ ہوئی تو یوں کر دیں گے یوں کر دیں گے۔ اگرچہ بہت سے معاملات میں ہم نے گزشتہ تین جنگوں میں بھارت کے ناک میں دم کئے رکھا ہے مگر حقائق ظاہر کرتے ہیں کہ ۱۹۴۸ کی جنگ میں سیز فائر ہوا اور افواج پاکستان نے مجاہدین کے ساتھ مل کر کشمیر کا کچھ حصہ آزاد کروالیا اگر اس وقت یہ معاہدہ نہ کرتے تو آج پورا کشمیر ہمارا ہوتا، رہی بات ۱۹۶۵ کی ہے تو زیادہ دیر جنگ رہتی تو شاید ہم جو کامیابی کا دعوی کرتے ہیں وہ دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے اگرچہ ہم نے جنگ اخلاقی طور پر جیت لی مگر اس کا خاطر خواہ فائدہ دیکھنے کو نہیں ملا کہ بعد ازں مغربی پاکستان ہم سے جدا ہی ہو گیا اب کوئی بتائے ۱۹۶۵ کی جنگ جیتنے والے افواج کے لوگوں کو اب کیا ہوا تھا حقائق کچھ بھی ہوں جنگ کبھی بھی کسی مسئلے کا حل نہیں رہی ہے وگرنہ دو عالمی جنگوں کے بعد دنیا پر امن ہو جاتی۔ پاکستان میں سب نوجوان دینی جذبے سے سرشار بھارت کو شکست دینے کا تو سوچتے

ہیں مگر اخلاقی طور پر اپنے ذاتی کردار میں اور مجموعی طور پر بے راہ روی کا شکار ہیں۔ بہت کم ایسے ہیں جو کہ ظاہر و باطن ایک جیسا رکھتے ہیں۔ بھارت بنگلہ دیش بنوا کر بھی اپنا مقصد پورا حاصل نہیں کر سکا ہے۔ باقی ماندہ پاکستان انشا اللہ قائم رہے گا مگر خاتمہ ممکن نہیں ہے کہ رمضان میں قائم کردہ ملک یوں ہی ٹکڑے نہیں ہوگا اپنی ساکھ کسی نہ کسی شکل میں قائم رہے گا۔

جنگ سے بہتر یہ ہوگا کہ بات چیت سے مسئلے کا حل تلاش کیا جائے اگر موقف مضبوط دلائل پر مبنی ہو تو جنگ مذاکرت کی ٹیبل پر جیتی جا سکتی ہے مگر ایسا حکمران آئے تو ہی بھارت کے ساتھ مسائل اور کشمیر کا مسئلہ حل ہوگا جو صرف اور صرف پاکستان کا سوچے فی الحال ایسے حکمران کا وجود دکھائی نہیں دیتا اور جنگ محض انسانوں کے ضیاع کا سبب ہی دکھائی دے گی۔

پاکستان اور بھارت میں بیشتر عوام غربت سے دوچار ہے، وہاں کے عوام جنگ نہیں چاہتے ہیں اور نہ ہی پاکستان کے عوام اس کے متحمل ہو سکتے ہیں ،ہمارے معاشی حالت پہلے ہی خراب ہے اگر جنگ ہوئی تو بہت زیادہ نقصان ہو سکتا ہے جو کہ مالی بھی ہوگا اورانسانی ضیاع تو اس جنگ کا ایندھن بنے گا۔ بہتر یہ ہوگا کہ دونوں ممالک حقائق کا جائزہ لیتے ہوئے مذاکرات کرکے اپنے تمام تر مسائل کے حل کی جانب بڑھیں اور مسئلہ کشمیر جب تک حل نہیں ہوگا اس وقت تک اس خطے

میں امن کا خواب پورا نہیں ہو سکتا ہے۔اگرچہ جارحیت کا جواب دینا تو فرض ہے مگر حقیقت سے نظریں نہ چرائیں جائیں تو یہ بات واضح ہے کہ انتہا پسند عناصر ہی جنگ کروا کر اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ بہتر یہ ہوگا کہ جنگ کی سے جتنا دور رہا جا سکتا ہے رہا جائے کیونکہ دو عالمی جنگوں کے بعد بھی دنیا میں امن قائم نہیں ہوا ہے مزید ہی حالات خراب تر ہوئے ہیں اور اب بھی یہی توقع ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ دونوں جانب کے حلقے امن کی جانب بڑھیں تاکہ عوام کو امن مل سکے۔

زمرد خان قومی ہیرو اور انصاف کا متلاشی زیرو

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ کل شام کو ایک مسلح شخص نے پورے میڈیا کی توجہ
حاصل کرکے اپنے لئے اور دوسروں کے لئے ایک بہترین موقعہ فراہم کیا ہے کہ وہ
ہمارے نااہل حکمران اور نا نہاد لیڈروں کو یہ بتا سکے کہ ہمارے ہاں کس قدر قانون کی
حکمرانی ہے اور ہماری حفاظت کرنے والے ادارے اس قدر مراعات حاصل کرنے کے
باوجود بھی کچھ خاص خدمت اس ملک و قوم کے لئے سرانجام نہیں دے رہے ہیں؟
ہمارے سارے سیاست دان اور حفاظت پر معمور ادارے محض ایک شخص سے خوف
زدہ ہو کر وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مسلح ہے تو ہم کوئی انکو جانی نقصان نہ پہنچا دیں
اگرچہ یہ سوچ اچھی تھی مگر جس طرح وقت ضیاع کیا گیا اور جسطرح سے ڈراپ سین
واقع ہوا ہے وہ سب کے پول کھول گیا ہے کہ اس حمام میں سب ننگے ہیں کوئی اس قدر
مخلص نہیں تھا اور نہ ہے کہ ایک شخص کو قابو کرسکے؟
ہمارے نام نہاد صحافی حضرات محض اپنے اپنے ٹی وی کی ریٹنگ زیادہ سے زیادہ کرنے
کے چکروں میں رہے اور بعض نے تو مسلح شخص سے براہ راست بات دکھا کر قومی
خدمت بھی سرانجام دی ہے؟ کہاں ہے قانون نافذ کرنے والے ادارے کیا کوئی ان
سے پوچھے گا کہ بھائی کس لئے یہ سب دکھا رہے ہو، کوئی محض بھارت کے

پروگرام نشر نہ کرکے اپنے لئے اعزاز سمجھ رہا ہے اور کوئی زمرد خان کو ہیرو بنا کر اپنے مقاصد حاصل کرنے کے چکروں میں ہے؟

کوئی شخص ان عوامل پر کم ہی بات کرنے کی جسارت کر رہا ہے کہ وہ کون سے ایسے عوامل ہیں جو کہ کسی بھی ایسے شخص کو جو معاشی بدحالی کا شکار ہے کو اس طرح کے گھناونے فعل میں ملوث کر رہے ہیں یقینا اس میں حکومت وقت .برابر کی شریک ہے؟ ہمارے اندر سے .برداشت کا مادہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔آپ میں سے کئی لوگ ایسے ہونگے جو کہ ذاتی سواری رکھتے ہونگے،اکثر آپ کی حادثہ ہونے پر فورا سے دوسرے شخص سے تلخ کلامی شروع ہوئی ہوگی اس میں چاہے آپ کا بھی قصور کیوں نہ ہو آپ نے ذمہ داری دوسرے پر ڈالنے کی کوشش کی ہوگی۔یہ ہمارے معاشرے کی مجموعی صورت حال کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ ہم لوگ ظلم .برداشت کرتے کرتے جب تھک جاتے ہیں تو یوں اسلحہ لے کر اپنے حق لینے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ ایسا ہی بلوچستان میں ہو رہا ہے مگر وہاں تو میڈیا کے نمائندوں کو پر مارنے کی اجازت نہیں ہے اور نہ ہی میڈیا وہاں کے حقائق دکھانے کی جسارت کرتا ہے جیسا لائیو ڈرامہ کل بلو ایریا اسلام آباد دکھایا ہے ویسا وہاں کا دیکھا دیں تو میں دعوی سے کہہ سکتا ہوں کہ چھ ماہ سے کم عرصہ میں وہاں حالات بہتر ہو جائیں گے یا عوام ایسے عناصر کے خلاف اٹھ کھڑی ہوگی جہاں کہ شریف النفس دکھائی دینے والے سیاست دان بھی تخریب کاروں کی پشت پناہی کر

رہے ہیں ؟

زمرد خان میرے نزدیک قومی ہیرو کہلانے کے حقدار نہیں ہیں اگر وہ ہیرو بننا چاہ رہے ہیں تو عوامی بھلائی کے میدان میں اپنی خدمت گنوایں یوں محض سیاسی شعبدہ بازی کر کے ہیرو بننے کی کوشش محض اپنے بڑوں سے انعام لینے کا سبب بھی ہو سکتا ہے۔ اتنے مانے ہوئے حفاظتی اداروں اور آئی ایس آئی کے ایک عام شخص اپنی زندگی پر داو پر لگا کریوں کرتا ہے تو کیوں کرتا ہے کس نے اس کی اجازت دی ہے یہ بات جلد عوام کو پتا چلنی چاہیے ؟ ایم کیو ایم کے نبیل گبول نے بھی میڈیا کی بھرپور توجہ حاصل کی تھی مگر باری کچھ بھی کہیں زمرد خان کے ہاتھ میں رہی ہے۔ اگرچہ سکندر خان کے بارے میں مکمل تفصیلات آنا باقی ہیں کہ اس کے اصل مقاصد ایسا کرنے کے کیا تھے ؟

مگر یہ سوال اہم ہے کہ اسلام آباد میں اگر ایسا ایک شخص کر سکتا ہے تو پھر باقی ملک میں قانون کا نافذ کو ممکن بنایا جا سکتا ہے ؟ حکومت وقت کو ایسے اقدامات کرنے چاہیں جس سے عوام میں مختلف عوامل سے پیدا کردہ اشتعال کم ہو وگرنہ کل کوئی اور سرپھر نوجوان انصاف اور حق کے لئے ایسا کرے گا تو پھر اس کو پاگل یا ذہنی مریض قرار دیا جائے گا یہ انتہائی افسوس ناک بات ہے کہ ہم ایسا کہہ کر سب چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالی ہم سب کو حق اور

سچ کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

شام پر حملہ ہونے کو ہے؟؟

سب سے پہلے تو آپ یہ جان لیجئے کہ شام پر حملے کا اصل مقصد نہ تو ایران و شام کے وسائل پر قبضہ ہے اور نہ ہی یہ عالمی طاقتوں کی کوئی جنگ ہے۔ اس کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ ہے اس دنیا پر ایک عالمگیر شیطانی حکومت ون ورلڈ گورنمنٹ کا قیام ممکن بنایا جائے اسی کے لئے یہ سارا کھیل رچایا جارہا ہے۔اس کا بنیادی مقصد مسلمان کو آپس میں لڑوا کر اپنے مذہوم مقاصد کا حصول بھی کہا جاسکتا ہے۔ آپ خود بتایئے کیا مسلمان ممالک اپنے مسائل حل کرنے کی خود استطاعت نہیں رکھتے ہیں کیا؟ مگر جناب یہاں تو ان کی تو کوئی سنتا ہی کہاں ہے پوری دنیا میں یہودی لابی چھائی ہوئی ہے اور وہ اپنے من مانی کے مطابق ہی سب کچھ اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے ہیں۔

اگرچہ فی الوقت نظر آرہا ہے کہ روس شام کی حمایت کر رہا ہے مگر درپردہ وہ بھی اس وقت امریکا اور اس کے اتحادیوں کا حامی ہے اور اس بات کو آنے والا وقت بہت حد تک سچ ثابت کر دکھائے گا۔ اس کا وہی کردار ہوگا جو لیبیا اور عراق وغیرہ میں رہا ہے۔ایسا ہی کردار چین کا بھی ہوگا۔اس وقت مسلمانوں کے دشمن ان کو مٹانے کے لئے اور اپنی حکمرانی پوری دنیا پر کرنے کے خواب دیکھ

رہے ہیں اور اس کے لئے بہت کچھ سوچ سمجھ کر کیا جا رہا ہے۔اس وقت شام کے بعد جو اگلہ شکار نظر آ رہا ہے وہ ایران ہے۔ کیونکہ وہ ایسا مسلم ملک ہے جس نے امریکا کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کرظاہر کیا ہے کہ وہ تن تنہا بھی اس کے سامنے کھڑے ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اگر دیکھا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ شام پر حملہ مسائل کا حل نہیں ہوگا مگر چونکہ مذہوم مقاصد کے حصول کے لئے عالمی.برادری اکھٹی ہو چکی ہے تو اس لئے اس بار مشق شتم افغانستان اور عراق کی طرح شام کو بنایا جائے گاتاکہ وہاں قدم جمانے کا موقع مل جائے، حماس کی طاقت کو کم سے کم کیا جائے کہ جنگ کی صورت میں انکی اسرائیل پر حملے کرنے کی صلاحیت کم ہو جائے گی مگر حقائق بتا رہے ہیں کہ شام پر حملہ محض حکمرانی کے دلدادہ ممالک مسلمان ممالک کو کمزور تر کرنے کے لئے کیا جائے گاتاکہ وہ اپنے پاوں پر کھڑے نہ ہو سکیں اور.بڑے ترقی یافتہ ممالک سے امداد حاصل کریں تاکہ انکا رعب قائم رکھ سکے اور وہ اپنی من مانی نہ کر سکیں۔

شام پر حملہ تمام مسلم دنیا کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہوگا کہ وہ اگر آج بھی متحد ہوں تو کوئی بھی انکا بال بیکا نہیں کر سکتا ہے مگر جناب جہاں پاکستان میں ایک ڈاکٹر عافیہ کا حصول ہی ممکن نہ بنایا جا رہا ہو وہاں کوئی اور

مسلم ملک کیا کر سکے گا۔ حیرت ناک بات ہے کہ کسی مسلم ملک نے بھی اس حوالے سے خاطر خواہ پاکستان کے حوالے عافیہ کرنے کو بات نہیں کی ہے تو شام پر حملے سے کس طرح سے امریکا اور اس کے اتحادیوں کو روکا جائے گا۔ یہ حملہ ہر صورت ہو گا اس کے لئے چاہے کتنی ہی رقوم کا ضیاع ہو جائے مگر اسرائیل اور یہودیوں کے خلاف اور امریکا بہارد کو آنکھیں دکھانے کا انجام پوری دنیا دیکھے گی کیونکہ حملے کی تمام تر تیاری ہو چکی ہے سب جنگو وہاں جمع ہو چکے ہیں بس کھیل شروع ہونے کے لئے وسل کی دیر باقی ہے۔۔۔۔!!!

شاہ زیب کے قاتلوں کو معافی درست یا غلط ؟

پاکستان میں اول تو قاتل پکڑے ہی نہیں جاتے ہیں اور شومئ قسمت وہ قانون کے ہاتھوں گرفتار ہو بھی جائیں تو انکی سزا کا عمل اس قدر سست روی کا شکار ہو جاتا ہے کہ انصاف کے تقاضے پوری کرتے کرتے انکی عمر بیت جاتی ہے یا پھر قانون کے رکھوالے حضرات کی مہربانی سے وہ سزا سے بچ جاتے ہیں کہ انہوں نے جو کاروائی کی ہوتی ہے وہ اس قابل ہوتی ہے کہ ایسے قاتل حضرات کو باعزت رہا کر دیا جائے اور اگر انکی قسمت ہی خراب ہو تو پھر وہ قانون کے شکنجے میں پھنس جاتے ہیں مگر قاتل پھانسی گھاٹ کے سفر سے قبل ہی اسلامی قانون دیت کو استعمال کرتے ہوئے اپنی جان بچا لیتے ہیں۔اس میں یقینا بااثر حضرات کی جانب سے مخالف فریق کو پیسہ کے روز پر پورے گھرانے کو صفحہ ہستی سے مٹانے اور دیگر خطرناک نتائج کی دھمکیاں بھی پس پردہ شامل ہوتی ہیں اور مخالف فریق کمزور ہونے کی وجہ سے ایک شخص کے مر جانے بعد دیگر کی جان کے تحفظ کی خاطر دیت مجبورا قبول کر لیتا ہے بالکل ایسا ہی شاہ زیب قتل کیس میں ہوا ہے۔

اس بارے میں بحث کرنا کہ شاہ زیب کے والدین نے درست فیصلہ کیا ہے یا غلط ؟ اس بات سے قطع نظر ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ہمارے ہاں جس قدر قانون کی

حکمرانی ہے وہ سب جانتے ہیں کہ جس کے پاس پیسہ ہے وہ اس ملک میں کچھ بھی کر اور کروا سکتا ہے اور غریب ٹیکس ادا کر کے بھی اس ملک میں اپنی جان کی حفاظت کے لئے حکومت کو نہیں کہا سکتا ہے کہ ان کے پاس جتنے بھی وسائل ہیں وہ محض سیاست دانوں کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں اگر عوام کی بھلائی مقصود ہوتی تو دہشت گردی کرنے والے ناسوروں کو اب تک پکڑ کر کیفر کردار تک پہنچایا جا چکا ہوتا مگر جناب یہاں تو سچ بولنے والوں اور اپنے حق کی بات کرنے والوں کو ہی یا تو غائب کر دیا جاتا ہے یا پھر ایسے نتائج کی بابت آگاہ کیا جاتا ہے کہ وہ اس ملک میں رہنا ہی اپنی تذلیل سمجھتا ہے؟ آپ یہی دیکھ لیجئے کہ شاہ زیب کے خاندان کے لوگ سننے میں آیا ہے کہ باہر منتقل ہو رہے ہیں اور اس کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ یہاں رہ کر ایسا فیصلہ کرکے دوسروں کی نظر میں ہمیشہ کے گر گئے ہیں۔ میں نے سوشل میڈیا پھر کچھ لوگوں کی رائے دیکھی ہے وہ کہتے ہیں کہ شاہ زیب کے قاتلوں میں اب اس کے والدین بھی شامل ہو گئے ہیں؟

جہاں تک مجرموں کو معاف کرنے کی بات ہے تو اسلام نے اس سلسلے میں اجازت دی ہوئی ہے اور کوئی بھی اس قانون کے تحت کسی کو بھی معاف کرنے کا حق رکھتا ہے مگر جناب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر ایسا کرنا اب ضروری ہو گیا تھا تو پہلے ہی کیوں نہ معاف کر دیا گیا تھا؟ کسی کو معاف کرنا بھی بہت کچھ سوچ سمجھ

کر کرنا چاہیے اگر وہ ایسا رجحان رکھتا ہو کہ وہ بعد میں بھی کچھ ایسا ویسا کر سکتا ہے تو ایسے شخص کو معاف کرنا جو کہ قتل کے بعد مسکرا کر وکٹری کا نشان بنا رہا ہو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے فعل پر نادم نہیں ہے اور ایسا کرنا ایک جنگلی جانور کو جو زخمی ہو گیا ہو پھر سے جنگل میں چھوڑ دینے کے مترادف ہے جو کہ زخمی ہو کر اور زیادہ درندگی کا مظاہرہ کر سکتا ہے اور ایسے بہت سے نوجوانوں کو جو وڈیروں کے خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں کو اس بات کی جانب اکسا سکتا ہے کہ وہ کچھ بھی کر لیں پیسہ دے کر بچ جائیں گے کوئی مائی کا لعل انکو ان کے کیے کی سزا نہیں دے سکتا ہے۔

قتل کی سزا تو چلو مان لیں کہ معاف کر دی گئی ہے مگر باہر غیر قانونی ذریعے سے جانے کی سزا تو قابل گرفت ہے، اس بارے میں متعلقہ اداروں کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اس معاملے میں اس کو سزا دیں محض کسی نامی گرامی شخص کے فرزند ہونے کی وجہ سے چھوڑنے کو کافی مت سمجھیں۔اسلام کے نام کو ایسے ہی لوگ بدنام کر رہے ہیں جو اپنے مفاد کی خاطر اس کو استعمال کرتے ہیں۔ کچھ دن پہلے اسلام آباد میں سکندر نے اس کا سہارا لیا تھا اور اب شاہ زیب اور اسکے قاتل کے والدین نے لے کر اس تصور کو اور پکا کر دیا ہے جو کہ ایک زمانے میں ایک امریکی نے پاکستانی قوم کے بارے میں کہا تھا کہ یہ پیسے لے کر کچھ بھی کر سکتے ہیں ماں تک کو بیچ سکتے ہیں؟

جس ملک میں پیسے کے زور پر سب کچھ ہوتا ہو وہاں ایسے روز واقعات پیش آتے ہیں جب تک ہمارے ملک میں قانون کی حکمرانی اور لوگوں میں خوف خدا پیدا نہیں ہوگا اس طرح کے واقعات ہوتے رہیں گے ۔جب تک لوگ خدا سے زیادہ لوگوں سے ڈریں گے وہ کبھی سر اُٹھا کر نہیں جی سکیں گے کہ اور لوگ انکو سر جھکانے پر مجبور کرتے رہیں گے مگر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ جہاں بہنوں کا بھائی چلا جائے اور وہ محض باپ اور ماں کے سہارے پر ہوں تو والدین ایسے فیصلے بہت سوچ سمجھ کر دل پر پتھر رکھ کر لیتے ہیں کہ کل کلاں کو ان پر کوئی اور حرف نہ آئے سمجھے والے سمجھ سکتے ہیں کہ بات کیا کہنا چاہ رہا ہوں۔

ایک بات میں آخر میں والدین سے بھی کہنا چاہوں گا کہ وہ اپنے بچوں کی اسلام کے حقیقی اصولوں کے مطابق ان کی تربیت کریں اور تحمل و برداشت کا زندگی کے ہر معاملے مظاہرہ کریں تو بہت سے مسائل سے بچ سکتے ہیں۔ کسی بھی لمحے کی جذباتی غلطی عمر بھر کا پچھتاوا بن سکتی ہے۔اللہ ہمیں سیدھی راہ پر چلنے اور حق پر کھڑا رہنے اور بولنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

فرقہ واریت کی آگ

اسلام امن و سلامتی کا دین ہے اور اسکی تعلیمات تمام بنی نوع انسانیت کے لئے ہیں۔ زندگی کے ہر طبقہ اور شعبہ کے لئے اسلام کے اصول و ضوابط واضح ہیں اور زندگی کے معاملات میں ان کو کسی طور بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔اسلام کی تعلیمات پر اگر درست طور پر عمل کیا جائے تو کسی بھی فرد کے لئے کوئی مسئلہ کسی اعتبار سے پیدا نہیں ہوتا ہے۔اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے کا اولین حق تو مسلمانوں کا بنتا ہے لیکن گزشتہ چند دہائیوں سے مسلمان دین سے دور ہوتے جارہے ہیں اور اسلام کی تعلیمات پر ہم مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلم عمل کر رہے ہیں اور اس پر ہم کسی طور پر شرمسار نہیں ہیں؟اگر ہوتے توآج مسلمان یوں دنیا بھر میں اپنے اعمالوں سے یوں مختلف مسائل میں گھرے نہ ہوتے؟ غیر مسلموں کے لئے اسلام ایک ڈر و خوف کی علامت بن چکا ہے اور وہ آئے دن مسلمان اور اسلام کے نام پر مختلف قسم کے اقدامات کرتے رہتے ہیں؟ لیکن ہم اس بات کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں کہ ہم میں سے چند افراد (نام کے مسلمان ہی سہی) ایسے اقدامات سرانجام دیتے ہیں کہ ہم کو انکے مسلمان ہونے پر شک وشبہ سا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے مذموم مقاصد کے لئے دوسروں کے آلہ کار بن کر مقاصد کے حصول کی کوشش کرتے ہیں اور اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔

اسلام کو بدنام کرنے والوں میں فرقہ بازی کو فروغ دینے والے اہم کردار سرانجام دے رہے ہیں، اسلام تو دل آزاری سے منع کرتا ہے مگر ہمارے چند نام نہاد علما حضرات اس سلسلے بڑھ چڑھ کر حاصل لیتے ہیں جس کی وجہ سے عقیدے میں فرق کو یوں بیان کیا جاتا ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کا گلہ کاٹنے پر مجبور ہو رہے ہیں اور ایک دوسرے پر کافر ہونے کا فتوی لگا رہے ہین اور اس تمام تر صورتحال سے عیار اسلام دشمن لوگ فائدہ آٹھا رہے ہیں اور اسلام کو متنازعہ دین بنانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ ابھی محرم کے بعد سے ہونے والے قتل وغارت کو ہی دیکھ لیں کہ سنی، شیعہ لڑائی کو ملک کے طول و عرض میں پھیلایا جا رہا ہے اور ایک دوسرے کے عالم دین حضرات کو چن چن کر مارا جا رہا ہے؟

ابھی آپ علامہ ناصر عباس کی شہادت کے واقعے کو ہی لے لیں کہ اس طرح اگر عالم حضرات کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی جاتی رہی تو پورے پاکستان میں یہ فرقہ واریت پھیل جائے گی اور ملک میں انتشار پھیلا جائے گا، ابھی دسمبر کے ماہ میں سقوط ڈھاکہ کا درد دل میں محسوس ہو رہا ہے اور ساتھ میں اسی ماہ شہادت کے رتبے پر فائز ہونے والے عالم حضرات کے قتل پر بھی افسوس ہو رہا ہے کہ ہم کس طرح مسلمان ہیں جو ایک دوسرے کے گلے کاٹ کر بھی اپنے آپ کو مسلمان کہلوا رہے ہیں؟ ہمیں اس بارے میں خود سوچنا ہوگا اور مسلکی اختلاف کو روز

محشر تک بھول جانا ہوگا کہ اس روز ہر بات کا حساب ہونا ہے تو پھر ہم آج کیوں ایکدوسرے کے ساتھ دست و گریبان ہو رہے ہیں؟

اس سلسلے میں تمام مسلک کے عالم حضرات، حکومت وقت اور عوام کو ایک ہونے کی ضرورت ہے اور اس مسئلے کو حل کرنا ہوگا ورنہ وہ وقت دور نہیں ہے جب ہر شخص ہاتھ میں چھری لئے دوسرے کو قتل کرنے پر آمادہ ہوگا۔اسکے ساتھ والدیں کو بھی بچوں کے دل میں دوسرے مسلک کا احترام اجاگر کرنا ہوگا تاکہ وہ باشعور ہو کر کسی بھی نا عاقبت اندیش شخص کا آلہ کار نہ بن سکیں۔

گولی سے نہیں دلائل سے قائل کریں

کل شام سے میرے پاس ایسے بے شمار ایس ایم ایس آ رہے ہیں جس میں ۱۲ ربیع الاول کے حوالے سے اپنی منطق کے لحاظ سے اس روز خوشی منانے یا ذکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ڈھکے چھپے الفاظ میں روکا ہی جا رہا ہے۔ مجھے اس بات کی سمجھ نہیں ہم جتنے بھی گناہ گار ہوں ہمیں اس ہستی کا ذکر ضرور کرنا چاہیے جو آخرت میں ہماری شفاعت کا سبب بنے گی۔ کافی عرصہ سے مسلمان آپس میں ہی دست و گریبان ہیں کسی کو محرم کے جلوسوں اور اعزداری پر اعتراض ہے تو کسی کو میلاد کے منانے پر رنج ہوتا ہے۔

اگر کوئی غلط کام کر رہا ہے تو اس کو ضرور روکنا چاہیے مگر افسوس ناک بات ہے کہ اگر ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کی خاطر چاہے ہم کتنے ہی بد کردار کیوں نہ ہوں کسی کو حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ اس معاملے میں دخل اندازی کرے۔

یہاں لوگ کسی عام شخص کی محبت میں گرفتار ہو کر جان تک دیتے ہیں تو کیا ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر بھی نہیں کر سکتے ہیں جو کہ رحمت اللعالمین ہیں۔

جو لوگ خود دوسروں کے ساتھ ناانصافی کرتے ہیں، حالات سے ڈر کر حوصلہ ہار جاتے ہیں اور کسی کو درد میں مبتلا کرتے ہیں، جو اپنے آپ کے ساتھ مخلص نہیں ہوتے ہیں وہ لوگ ہی ایسے ہی باتیں کرتے ہیں تاکہ ہم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا چھوڑ دیں تاکہ ہم نہ تو دنیا کے رہیں اور نہ ہی آخرت میں کامیاب ہو سکیں۔

جن لوگوں کی عادت محض سن کر دوسروں کو قائل کرنے کا شوق ہوتا ہے وہ پہلے خود ایسی باتوں کی اچھی طرح سے تصدیق کر لیا کریں تو انکو شرمساری نہ ہوں، اگر ہم بغور اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں تو بہت سے معاملات میں ہمیں گنجائش دی گئی ہے مگر ہم تحقیق کی بجائے لوگوں کی دل آزاری کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں

کوئی بھی شخص کسی دوسرے کی شخصیت کو ٹھیک سے جان نہیں سکتا ہے بہت سے گناہ گار لوگ بھی نیکی کرتے رہتے ہیں مگر ہم مجموعی طور پر انکو برا ہی سمجھتے ہیں۔ صرف ایسی باتیں ÷ معلومات ہی دوسروں تک بھیجیں جو کہ مصدقہ ہوں کل کلاں کو آپ بھی اس کے جواب دہ ہونگے ؟

خدارا اسلام کی تعلیمات کی اصل روح کو سمجھیں اور پھر اپنے نظریات تھوپیے

کی کوشش کریں، حق حق کی بات کرنے والوں میں سے اکثر خود حق ادا کرنے والے نہیں ہوتے ہیں بہت سے معاملات میں وہ خود جانبداری کا مظاہرہ کر رہے ہوتے ہیں۔
اس کی واضح مثال آپ پاکستان میں ہونے والی دہشت گردی سے لگا سکتے ہیں کہ ہر فقہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے اور اگر کوئی اختلافی مسئلہ ہے بھی تو اسے دلائل سے قائل کرنے کی بجائے گولی کا سہارا لے کر حل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جو کہ ایک خطرناک طرز عمل ہے اس معاملے میں علما کرام کو مل بیٹھ کر سوچنا ہوگا جب تک ایسا نہیں ہوگا، یہ دہشت گردی کا بازار گرم رہے گا۔

ای میل ایڈریس

ہم انسانوں کے اندار بے پناہ حوصلہ اور کچھ کر دکھانے کی صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں مگر بسا اوقات ہم اپنی کمزوری کی بدولت یا حالات سے خائف ہو کر ان سے درست طور پر کچھ کام نہیں لیتے سکتے ہیں اور لاعلمی کی وجہ سے ہم یوں ہی اپنی زندگی گذر کر اس جہاں فانی سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ مگر کبھی کبھار لوگوں کی حوصلہ افزائی یا خود شناسی اور سوچ کا زاویہ وسیع کرنے سے ہم بہت کچھ حاصل کر جاتے ہیں۔ اس دنیا میں یاد رکھئے گا کہ کوئی کام جب تک ہم یہ نہ سوچ لیں کہ وہ نا ممکن ہے، ممکن کر دکھانا مشکل نہیں ہوتا ہے بات محض ہمت اور حوصلہ و جرات کے ساتھ عمل کرنے اور آگے بڑھنے کی جستجو کی ہے۔

یہ واقعہ بھی کچھ ایسا ہی ہے جو ابھی آپ سے بیان کرنے لگا ہوں۔ اس کو اس وجہ سے آپ سے بیان کر رہا ہوں کہ شاید کسی کا اس سے بھلا ہو جائے اور مایوس لوگوں کو ایک نئی روشنی نظر آ سکے۔

ایک آدمی نے ایک بڑی کمپنی میں نوکری کے لیے اپلائی کیا۔ مالک نے اس سے انٹرویو کیا پھر فرش صاف کرنے کا کہا۔ اسکے بعد اسے کہا کہ تمیں میں ملازمت

دے رہا ہوں۔ مجھے اپنا ای میل ایڈریس دو تاکہ باقی کی فارمیلٹی۔ کب کام پر آنا ہے وغیرہ وغیرہ اس میں بھیج دوں گا۔

آدمی نے کہا۔۔ سر میرے پاس نہ کمپوٹر ہے اور نہ ہی میرا کوئی ای میل ایڈریس ہے میں معذرت خواہ ہوں یہ نوکری پھر آپکو نہیں مل سکتی ہے مالک نے جواب دیا۔

وہ آدمی مایوس ہو گیا اور اسکے پاس بس 10 ڈالر تھے۔ اسکے پاس کوئی چارہ نہ بچا تو مارکیٹ گیا اور دس ڈالر سے ٹماٹر خریدے اور گھر، گھر جا کر بیچنے لگا تین گھنٹوں میں اسنے 60 ڈالر کما لیے۔ تو اسکو لگا کہ میں اس طرح گذرا کر سکتا ہوں۔

وہ ٹماٹر بیچتا رہا۔۔ اسکو منافع ہوتا رہا۔ دوکان بنائی۔ پھر مارکیٹ بناڈالی

کوئی پانچ سال کے بعد اسکی مارکیٹ اس علاقے میں سب سے بڑی مارکیٹ بن گی۔۔

ایک دن اس نے اپنی فیملی کے لیے لائف انشورنس خریدنے کا سوچا۔ انشورنس ایجنٹ سے سب طے ہوا آخر میں اس نے کہا

جناب مجھے اپنا ای میل دیں باقی کی تفصیل میں میل کر دوں گا

آدمی نے کہا میرا ای میل نہیں ہے

ایجنٹ نے حیران ہو کر کہا۔۔ سر آپ اتنے کامیاب آدمی ہیں سوچیں اگر ای میل ایڈریس بھی ہوتا تو کتنے کامیاب ہوتے اور کہاں کے کہاں پہنچے ہوتے

آدمی نے رک کر زرا پیچھے مڑ کر سوچا اور کہا

ہاں معلوم ہے۔۔ ایک آفس بوائے ہوتا

کہتے ہیں کہ امید پر دنیا قائم ہے انسان کو کسی بھی طور مایوس نہیں ہونا چاہیے۔کہتے ہیں کہ مایوسی کفر ہے۔جب انسان کے پاس کوئی راستہ نہ بھی ہو تو اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے ناامیدی میں بھی یقین رکھنا چاہیے کہ وہی کوئی نہ کوئی راستہ بنا دے گا۔ اگر آپ کسی خاص موقعہ پر کچھ بھی حاصل نہیں کرپاتے ہیں تو بھی اپنے اندر اتنا حوصلہ ضرور رکھیں کہ جہاں بھی موقعہ مل سکے۔آپ کوشش کیجئے یقینا کامیابی ایک دن آپ کے قدم چومے گی۔انشااللہ

کنگال عاشق

ہماری نوجوان نسل کس راستے پر چل پڑی ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ یہ والدین کی ڈھیل ہے یا لاپروائی ہے یا ہمارے معاشرے میں بڑھتی ہوئی بے راہ روی یا رسائل وجرائد یا ریڈیو اور ٹی وی کی اچھی تربیت کا نتیجہ ہے۔ آج مجھے ایک ضروری کام کے سلسلے میں اسلام آباد کچہری جانا ہوا۔ وہاں سے واپسی پر کراچی کمپنی کے بس اڈے پر ایک عجیب منظر دیکھنے کو ملا کہ چند کم سن لڑکے لڑکیاں جو شاید میٹرک تک کے طالب علم ہونگے، خوش گپیاں لگتے ہوئے بس سٹاپ تک آئے۔ اسی گاڑی میں جہاں میں تھا وہ تشریف لائے اور ہمارا سفر جاری ہوگیا جو کہ پنڈورہ کے سٹاپ تک کا تھا۔ اس دوران ایک نوجوان لڑکا جس کی عمر اٹھارہ سال سے کم ہوگی مسلسل ایس ایم ایس پر مصروف عمل رہا۔ جبکہ دیگر دو سفر لڑکیاں اپنی باتوں میں مصروف ہو گئیں مگر ان میں اسے ایک نے مڑکر عجیب سے انداز میں لڑکے کو دیکھا۔

اگرچہ دیگر سواریاں بھی مذکورہ گاری میں تھیں مگر وہ شاید اس تمام ترصورتحال سے بے خبر تھے کہ آپ جانتے ہی ہیں کہ دوران سفر کتنی افرا تفریح ہوتی ہے۔ میں چونکہ نوجوان لڑکے کے ساتھ بیٹھا تھا تو ساری کاروائی آنکھوں کے سامنے دیکھتا رہا۔ اگرچہ کہا جاتا ہے کہ برائی کو ہاتھ سے روکا جائے مگر

اس سلسلے میں عرض کرتا چلوں کہ بہت سے لوگ اپنی عزت بچانے کی کوشش میں رہتے ہیں کہ لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ خیر ایک سٹاپ پر جو کہ زیرو پوائنٹ سے قبل آیا تھا اس پر ایک لڑکی جو کہ قابل صورت اور کم سن تھی نے اترتے ہوئے اور اتر کر گاڑی میں موجود لڑکے کو بڑی محبت سے دیکھتے ہوئے آگے نکل گئی۔ جبکہ گاڑی اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہوئی تو مجھے اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ ہم سب ایسے غلط کام ہوتے ہوئے کیوں روک نہیں سکتے ہیں۔ اگرچہ میرے پاس اختیار تھا مگر بات وہی کہ پرائی لڑائی میں اکثر اپنا نقصان ہوتا ہے اور مجھے چونکہ کہیں اور بھی جانا تھا تو اس معاملے سے دور ہو گیا۔

حسن اتفاق یہ دیکھئے کہ نیشنل بنک کے مذکورہ سٹاپ پر دیگر دو لڑکے لڑکی اتر کر ساتھ ساتھ چلنے لگے اور باتیں کرتے ہوئے اپنی منزل کو روانہ ہوئے۔ یہاں حیرت کی ایک بات بتاؤں کہ انہوں نے اپنے اپنے کرائے ادا کئے تھے، جبکہ ایک لڑکی راستے میں اتر گئی مگر اس کا کرایہ دونوں نے ادا نہیں کیا تھا۔ جب ہماری نوجوان نسل کے پاس کرائے کے پیسے ادا کرنے کے نہیں ہیں تو پھر وہ اس عشق معشوقی کے چکروں میں کیوں پڑے ہوئے ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ نوجوان لڑکیوں کے والدین نے بھی انکو کھلی چھٹی دی ہوئی ہے کہ وہ جو چاہے کرتی پھریں، جس طرح ہمارے سیاستدانوں کا حساب کتاب نہیں ہوتا ہے اسی طرح کہیں بھی

پوچھ گچھ کا نظام وضع نہیں ہے۔

میری ان سطور کے ذریعے سے تمام والدین سے گذارش ہے کہ خدارا اپنی نوجوان نسل کو تمام تر معاملات کے بارے میں اچھی طرح سے معلومات فراہم کر دیں تاکہ وہ کبھی انکی عزت کو داو پر نہ لگائیں۔ایک لڑکی کی عزت مجروح ہو جائے تو پورا خاندان ہی متاثر ہوا کرتا ہے۔

نیند رات بھر کیوں نہیں آتی؟

بہت عرصہ ہوا کسی فلم میں ایک گیت سنا تھا جس میں ہیرو اپنے محبت کے اظہار کے ساتھ ساتھ نیند کے نہ آنے کا بھی شکوہ کرتا ہے۔اُس وقت تو میں نے محض گیت سے لطف واندوز ہونا تھا تو ہو لیا تھا مگر اب زندگی کے ماہ و سال کے گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ آگاہی بھی حاصل ہوئی ہے کہ نیند نہ آنے بھی ایک بیماری ہے اور ہم میں اکثر اسکا شکار ہیں۔نیند کے حوالے سے ایک شعر اکثر میرے دماغ میں گونجتا رہتا ہے۔

کوئی امید بر نظر نہیں آتی، کوئی صورت نظر نہیں آتی
موت کا دن متعین ہے، نیند رات بھر کیوں نہیں آتی

''کیوں'' کے جواب میں بہت سی باتیں کہی جا سکتی ہے جس پر میں کچھ وجوبات آپ سے بیان بھی کروں گا لیکن فی الحال آپکو یہ بتانا چاہوں گا کہ انسومنیاInsomnia جس کامطلب ''نیند کا نہ آنا ہے'' ایک ایسی بیماری ہے جو کہ دنیا کے تمام ترخطوں میں پائی جاتی ہے۔اس بیماری سے جڑے ہوئے تمام تر افراد نیند نہ آنے کے مسائل سے دوچار ہوتے ہیں۔دوسری طرف یہ بھی عجیب بات ہے کہ بعض افراد کو ضرورت سے زیادہ نیند آتی ہے اور وہ اپنی اس عادت کے

باعث خود بھی پریشان رہتے ہیں اور اکثر ایسے افراد اپنے خاص دوستوں اور خاندان کے افراد سے صلواتیں سنتے رہتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف ایسے افراد کی بھی کمی نہیں ہے جو نیند نہ آنے کے مسئلے کا شکار ہوتے ہیں۔ قدرت نے ہر چیز میں توازن رکھا ہے اس لئے کسی چیز کی زیادتی اچھی بات ہے نہ کسی چیز کی کمی۔ اعتدال پسندی کا راستہ ہی بہترین ہے۔

عام طور پر مندرجہ ذیل وجوہات اس بیماری کی بنیادی وجہ ہوتے ہیں۔

جب ہم دفتری کام کاج یا گھریلو سرگرمیوں کو رات گئے تک جاری رکھنے لگیں۔

اپنی پریشانیوں اور زندگی کے مسائل پر حد سے زیادہ سوچنا شروع کردیں۔

کوئی پریشانی / مسئلہ صرف اپنی ذات تک محدود کرلیں تو ذہنی خلفشار کی وجہ سے بھی نیند ہم سے دور ہوجاتی ہے۔

محبت میں ناکامی یا امتحان دینے کے بعد اپنے نتیجے کے بارے میں خوف کا شکار ہونا بھی نیند اُڑا دیتا ہے۔

فراغت کے سبب دن میں ضرورت سے زیادہ سونا یا پھر وقت بے وقت سونے کا عمل بھی نیند کی کمی کا سبب بنتا ہے۔

ذہنی خوف یا پریشانی یا پھر بُرے خواب جس سے ہم نیند سے جاگ اُٹھیں یہ بھی اس بیماری کی طرف لے جاتی ہے۔

بیماری یا کسی دیگر وجہ کی بنا پر رات کو بار بار جاگنا بھی اس بیماری کا سبب بن سکتا ہے۔
صبح سویرے جاگنے کی وجہ سے وقت پر نہ سونا یا دیر تک جاگ کر صبح کا انتظار کا عمل بھی اس بیماری میں ہمیں ملوث کرتا ہے۔
کسی بھی وجہ، بیماری یا خوف کی وجہ سے ہم سونا نہ چاہ رہے ہوں تو بھی یہ بیماری ہمیں لاحق ہو سکتی ہے۔
انسومنیا کی بیماری اکثر انسان کے لئے زیادہ خطرناک ثابت نہیں ہوتی ہیں، کیونکہ یہ مختلف عوامل کی بناء پر ہوتی ہے اور بسا اوقات کوشش یا علاج کی بدولت دور بھی ہوجاتی ہے۔ لیکن سب سے اہم دائمی انسومنیا کی بیماری ہے جو کہ ایک بار لاحق ہو جائے تو پھر ہمیشہ کے لئے ہمارے ساتھ رہتی ہے۔اس کی بنیادی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ کوئی فرد کسی بھی طرح کا نشہ کیفین، الکوحل اور نکوٹین جیسی چیزوں کا استعمال کرنے کا عادی ہو یا پھر رہ چکا ہو، کسی نفسیاتی مسئلے کا شکار ہو اور پھر بھی کسی ماہر نفسیات کے پاس علاج کروانے نہ جائے، کوئی دکھ، ذہنی دباؤ جو ہمیں اندر سے پوری طرح خوش نہ ہونے دے رہا ہو، کام کی روٹین ایسی ہو کہ ہم بالکل یا ٹھیک سے سو نہ پا رہے ہوں، خوفناک خواب جو ہماری نیند حرام کر رہے ہوں، لیکن اس کے علاوہ جو سب سے اہم چیز اس بیماری کی جانب ہمیں لے کر جاتی ہے وہ ہے ہمارا کسی بھی بات کو سر پر سوار

کر لینا ہے اور ہر پل مسلسل اس کے بارے میں سوچنا ہے جو کہ رفتہ رفتہ ہمارے دماغ کے اعصاب کو متاثر کرتا ہے اور ایک دن ایسا آتا ہے جب ہماری نیند بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

اس بات سے تو ہم سب ہی بخوبی واقف ہیں کہ ہر کام میں اعتدال پسندی ہی بہترین عمل ہوتا ہے۔اس لئے اگر ہم اس بیماری سے دور رہنا چاہتے ہیں تو چند احتیاطی تدابیر پر ہمیں عمل کرنا ہوگا جو ہمیں اس بیماری سے بہت حد تک دور رکھ سکتا ہے۔

ہر کام کا ایک وقت مقرر کر لیں اور کچھ بھی ہو اس سے زیادہ وقت کسی بھی چیز کے لئے وقف نہ کریں۔

رات کا کھانا سونے سے ہو سکے تو چند گھنٹے قبل کھا لیا کریں تاکہ معدہ پر وہ بوجھ نہ ڈالے اور آپ سکون کی نیند سو سکیں،ایسا نہ کرنے کی صورت میں معدے کھانے کو ہضم نہیں کرپائے گا اور وہ آپکے معدے پر بوجھ کا سبب بنے گا اور آپ سو نہیں پائیں گے۔

سونے سے قبل اگر آپ کسی ذہنی الجھن کا شکار ہیں یا پھر مزاج برہم ہیں تو

کسی ایسی سرگرمی میں مشغول ہو جائیں جو آپکو خوشی دے جس سے آپ کے اعصاب پر سکون ہو سکیں تاکہ آپ بہترین نیند لے سکیں۔

اچھا بستر بھی ہماری نیند کے لئے بہت ضروری ہے،آرام دہ بستر پر لیٹ کر ہی ہم پرسکون ہو کر سو سکتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اس وقت فضول سوچوں میں گم نہ ہو جائیں وگرنہ نیند ہم سے یوں ہی روٹھ سکتی ہے جیسے ہمارا محبوب ہمارے کسی خلاف توقع رد عمل سے خفا سا ہو جاتا ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر انسان اپنی تمام تر پریشانیوں کو دماغ سے نکال کر کاغذ پر منتقل کر دے یعنی تمام تر پریشانیوں اور دکھ کو لکھ لیں تو کافی حد تک ہم ذہنی خلفشار ہونے سے بچ سکتے ہیں اور کام کاج کی فہرست بنا کر ہم اس بات سے کافی حد تک چھٹکارہ پا سکتے ہیں کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے؟کیونکہ تحریر کی شکل میں ہمارے پاس ہمارے کام کاج کی تمام تر تفصیل سامنے ہو گی اور ہمیں زیادہ سوچنا نہیں پڑے گا۔

وقت کے ساتھ ساتھ ہماری نیند کی مقدار کم ہوتی رہتی ہے مگر ایک صحت مند شخص کے لئے تقریباً آٹھ گھنٹے کی نیند بے حد ضروری ہے۔عموماً عمر رسیدہ افراد نیند کی کمی کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن پھر بھی ضروری ہے جہاں تک ممکن ہو سکے

وہ بھی مناسب حد تک اس کمی کو پورا کرتے رہیں۔انسومنیا کی بیماری ہو یا کوئی بھی دیگر بیماری ہو جب تک ہم اسے اہمیت نہیں دیتے ہیں وہ ہمارے لئے خطرناک ثابت ہوتی ہے، کوئی بھی بیماری ایسی نہیں ہے جس کا علاج قدرت نے نہ رکھا ہو، بس بات صرف یہ ہوتی ہے کہ ہم اس کے توڑ کا علاج کب شروع کرتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنے سونے جاگنے بلکہ زندگی گزارنے کے لئے کسی ایک لائحہ عمل پر عمل پیرا ہوں تاکہ ہم پر سکون ہو کر زندگی گزر سکیں، یہ بات یہاں بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ جب بھی ہم فطرت کے خلاف جاتے ہیں تو ہمارے لئے بے پناہ مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔زندگی میں کچھ بھی ہو بڑے حوصلے اور ہمت سے کام لے کر انکا سامنا کرنا چاہیے اور ہر پل خوش رہنا چاہیے، قسمت میں لکھا اپنی جگہ درست ہے مگر انسان کو اپنی جانب سے ہر ممکن بہتری کی سعی کرنی چاہیے۔

حوا کی بیٹی کا جلنا ہی مقدر کیوں؟

بہت دن بعد قلم اُٹھانے کا موقعہ ملا ہے مگر اس وقت دل کی جو حالت ہے وہ بیان سے باہر ہے، کیونکہ اس وقت آپ سب میڈیا پر ایک افسوسناک خبر سن رہے ہونگے کہ مظفر گڑھ کی ایک لڑکی نے خود کو آگ لگا کر اپنے آپ کو ختم کر لیا ہے جو کہ ہمارے انصاف کے لڑنے والوں کیلئے کسی المیے سے کم نہیں ہے۔ مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آتی ہے کہ آخر حوا کی بیٹی کا مقدر چولہے کی آگ سے شروع ہو کر جل کر مرنے تک ہی کیوں محدود ہوتا جا رہا ہے کہیں چاند جیسی بہو آگ سے جل جاتی ہے اور کہیں ہوس کے شکاری کا نشانہ بن کر جلتی ہے۔ پاکستان میں آئے روز ہوس پرست عناصر معصوم کلیوں کو نوچ رہے ہیں مگر اس سلسلے میں درج ہونے والے تمام تر مقدمات میں مخالف فریق پیسے کے زور پر بچ جاتے ہیں یا اس قدر ڈرایا دھمکایا جاتا ہے کہ متاثرہ فریق خاموشی سے پردہ سے ہٹ جاتے ہیں اور اس طرح سے ہوس پرست عناصر کو مزید کھلی چھٹی ملتی جا رہی ہے۔ اور اس سلسلے میں پولیس کے محکمے میں بھی ایسے اقدامات کرنے ہونگے کہ وہ انصاف کو بیچنے کے مرتکب نہ ہو سکیں۔ جب تک ایسے عناصر کو جو ایسا گھناونا کھیل کھیلتے ہیں یا اس کھیل میں شریک ہوتے ہیں کو عبرت کا نشانہ نہیں بنایا جاتا ہے۔ اس وقت تک اس طرح کے واقعات کی روک تھام ممکن نہیں ہو گی؟

پچھلے چند سالوں سے اس طرح کے واقعات تواتر کے ساتھ سامنے آرہے ہیں مگر اس سلسلے میں فی الوقت مجھے تو کوئی ایسی خاصی حکمت عملی نظر نہیں آئی ہے جو کہ حکومت وقت نے روک تھام نے کئے ہوں۔ جس کی وجہ سے آج تک اس طرح کے واقعات ہو رہے ہیں اور بہت سے واقعات تو ایسے بھی ہیں جو کہ میڈیا پر نہیں آتے ہیں اور غیرت مند و غریب عوام اپنی عزت کی خاطر پولیس کے پاس انصاف کے لئے جانے سے ہی کتراتی ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ انصاف کس طرح سے اس ملک میں ملتا ہے اور انصاف کے لئے کیا کچھ گنوانا پڑتا ہے۔ جہاں مجرموں کو دوران قید سب کچھ مہیا کیا جاتا ہوں انکو وقوعے کے بعد غائب کر دیا جاتا ہو،مک مکا پر مجبور کر دیا جاتا ہو وہاں شریف، لوگ کہاں اپنی عزت و غیرت کو مزید نیلام کرنا گوارا کریں گے۔ انصاف کی فراہمی کے قائم عدالتوں میں التوا شدہ مقدمات کی تفصیل سامنے رکھی جائے تو صاف پتا چلتا ہے کہ انصاف کی فراہمی کس قدر ہو رہی ہے؟

اس سلسلے میں ہم سب کو سوچنا چاہیے کہ ہم سے ووٹ لے حکمرانی کرنے والے لوگ نا انصافی یا اس طرح کے دیگر واقعات کے خلاف موثر قانون سازی کیوں نہیں کرپا رہے ہیں ؟ جو موجودہ قوانین ہیں ان پر عمل درآمد کیوں نہیں کروایا جارہا ہے وہ کیوں ہم سب کی بھلائی کا کیوں نہیں سوچتے ہیں؟ جب تک ہم سب مل کر

ایسے عناصر کے خلاف نہیں بولیں گے اس وقت تک تبدیلی نہیں آئے گی ،اس سلسلے میں سوچیں اور سوچ کے دائرے کو وسعت دے کر انصاف کے لئے خود بھی اُٹھیں اور دوسروں کے ساتھ مل کر تبدیلی کے جہاد کریں،اپنے نفس اور ایسے عناصر کے خلاف جہاد فی الوقت بہت اہمیت کا حامل ہے جب تک ہم خود اپنی خامیاں دور نہیں کریں گے بیرونی دشمنوں سے بہتر طور پر نبرد آزما ہو سکیں گے۔ محض 18 سال کی عمر میں دنیا سے، رخصت ہونے والی اس دوشیزہ بہن کے لئے دل خون کے آنسو رو رہا ہے،اللہ تعالیٰ ایسے عناصر کو نیست و نابود کریں جو کہ ایسے اقدامات کر رہے ہیں ۔آمین۔

کامیابی سوچ کے بدلنے سے ملتی ہے؟

اکثر چھوٹی چھوٹی سی باتیں یا واقعات ہماری زندگیوں کو بدلنے میں اہم کردار ادا کر تے ہیں لیکن یہ بھی اس صورت میں ہوتا ہے جب ہم ان سے کچھ کچھ حاصل کرکے اپنی زندگی میں مواقعے ملنے پر ان پر عمل درآمد کرتے ہیں تو کامیابی ہمارا مقدر بنتی ہے۔آج بھی میں آپ کو ایک مختصر مگر پر اثر حکایت سنانے لگا ہو ،خود بھی پڑھیں اور دوسروں تک اس کو پہچائیں ہو سکتا ہے کہ کسی کے ساتھ آپ کی یہ نیکی اس کی زندگی بدلنے کا سبب بن جائے۔

ایک شخص رزق کی تلاش میں گھر سے نکلا تو راستے میں جنگل آگیا،اس شخص نے جنگل میں ایک لومڑی کو دیکھا جس کے پنجوں میں نقص تھا۔جس کے باعث وہ لنگڑا کر چلتی تھی، اس شخص کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ یہ معذور لومڑی اپنے کھانے پینے کا انتظام کس طرح کرتی ہوگی؟ وہ جھاڑیوں میں چھپ کر اس لومڑی پر نظریں گاڑ کر بیٹھ گیا،اچانک اس نے دیکھا کہ ایک شیر نمودار ہوا جس نے ایک ہرن کو اپنے جبڑوں میں دبوچا ہوا تھا اور اُسے کھانے میں مشغول ہوگیا۔جب شیر کا پیٹ پوری طرح بھر گیا تو وہ بچا ہوا شکار چھوڑ کر جھاڑیوں میں گم ہوگیا۔وہ شخص یہ سارا ماجرا بڑے غور سے دیکھ رہا تھا ،اچانک اس کی نظر پر

پڑی جو لنگڑاتی ہوئی شکار تک پہنچی اور اپنی بھوک مٹا کر جھاڑیوں میں گم ہو گئی۔
اس واقعے سے اس شخص نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یا اپنی مخلوق کو رزق دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے روزانہ کی دوڑ دھوپ بے کار ہے۔ اب میں خود بھی اپنا پیٹ بھرنے کے لئے یہیں بیٹھ کر انتظار کروں گا۔ اس شخص نے رزق کی جستجو ترک کر دی اور اسی جنگل میں بیٹھ کر اپنے حصے کے رزق کا انتظار کرنے لگے۔ دن پر دن گزرتے گئے لیکن کسی انسان کا گزر وہاں سے نہیں ہوا۔ بھوک کے مارے اس شخص کی حالت بگڑ گئی اور نقاہت سے جسم کی ہڈیاں ابھر آئیں۔ اچانک پردہ غیب سے ایک ندا سنائی کہ ”اے غافل انسان! تو نے معذور لومڑی بننا کیوں گوارا کر لیا؟ وہ شیر بننا کیوں نہ بننا گوارانہ کیا جو خود بھی اپنا پیٹ بھرتا ہے اور دوسرے جانوروں کے رزق کا ذریعہ بھی بنتا ہے“۔
اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ محتاجی کوئی ہنر نہیں، بلکہ عیب ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں صحت جسم عطا کیا ہے۔ جس کی بدولت ہمیں نا صرف اپنے لئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی رزق کے حصول کی کوششیں کرنی چاہیں۔ جناب بات یہاں ہی ختم نہیں ہو جاتی ہے رزق حلال کمانے کیلئے بھی اپنی سوچ کے دائرہ کو وسیع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تب ہی ہم جو چاہیں حاصل کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عقل و شعور دیا ہے کچھ لوگ اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اور کچھ اپنی سستی وکاہلی اور منفی سوچ کی بدولت اس سے فائدہ اُٹھانے سے قاصر رہتے ہیں۔کچھ لوگ اپنے آپ کو تیس مار خان سمجھتے ہیں کہ وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں لیکن ایسے لوگ یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر سیر کے لئے سوا سیر رکھا ہوا ہے۔بہت سے لوگوں کو خوش فہمی مار دیتی ہے کہ وہ حرف آخر ہوتا ہے جو وہ کہتے ہیں؟ہمیشہ انسان کو تصویر کے دونوں رخ دیکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے محض اپنی انا یا بات کی تصدیق کروانا بیمار ذہنیت کے لوگوں کی نشانی ہوتی ہے۔سوچ کے دائرہ کو بڑا کرکے ہی ہم کامیابی حاصل کر سکتی ہیں۔

بہروپئے

جب ہم کسی بھی چیز کو سمجھنے اور شعور کی صلاحیت سے نابلد ہوتے ہیں، تب ہی آغاز سے ہی یہ بات ہمارے ذہنوں میں ڈال دی جاتی ہے یا کوشش کی جاتی ہے کہ ذہن نشین کر دی جائے کہ ہمارا دین اسلام ہے اور ہم ایک خدا کے ماننے والے مسلمان ہیں اور حضرت محمد ﷺ ہمارے آخری نبی ہیں۔اس کے علاوہ بھی بہت سی باتیں (اچھی و بُری دونوں طرز کی) بھی ہمارے ذہنوں میں اسطرح سے بٹھائی جاتی ہیں کہ ہم ساری زندگی اپنی طرف سے لاکھ کوشش کے باوجود ان سے چھٹکارہ نہیں پا سکتے ہیں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ کورے کاغذ پر جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ اس کی پہچان بن جاتا ہے اسی طرح سے ہماری جس انداز سے تربیت کی جاتی ہے وہ ہماری پہچان کا سبب بن جاتی ہے۔ بالفرض اگر ہمیں شروع سے ہی دوسرے فرقہ سے نفرت کرانا سکھائی جائے گی تو کیسے ہم چاہ کر بھی بعدازں اس سے محبت کا اظہار کر پائیں گے اور سامنے میٹھے نظر آنے کے بعد دور ہو کر دل میں عناد نہیں رکھیں گے؟ ہم کیسے مسلمان ہیں؟ سوچئے کہ واقعی ہی ہم اتنا کچھ کر کے بھی مسلمان ہیں وہ سب کچھ جو شاید ہمارے دین نے ہمیں کرنے کا حکم نہیں دیا کرکے ہم اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کے سامنے کیسے سرخرو ہو سکتے ہیں؟اور کیسے ہمیں اللہ سے معافی اور حضور ﷺ کی شفاعت نصیب ہو سکتی ہے؟

جب ہمارے دلوں میں بغض وکینہ، حسداور دوسرے سے خود کو افضل سمجھنا کی بری عادت موجود رہے گی اور ہم ایک دین کے پیروکار ہو کر کسی دوسرے مسلمان کو کافر کہہ کریا پھر اپنے ہی کلمہ گو بھائی کے ساتھ بددیانتی کا مرتکب ہو کر کیسے اچھے مسلمان بن سکتے ہیں ؟ہم اگر اپنے اردگرد دیکھیں تو بے شمار ایسے لوگ ملیں گے جن کی زندگی کا مقصد صرف اور صرف اپنے مفاد کو حاصل کرنا ہے چاہے اس کے لئے کسی کی جان کو ہی لینا کیوں نہ پڑے جائے۔ جھوٹ اور مکروفریب سے اپنے لئے دھن دولت جمع کرنے والے اپنے آپ کو مسلمان قرار دیتے ہیں ؟

ایسے ہی ایک صاحب کے بارے میں گذشتہ دنوں اپنے ایک محسن گلباز مشتاق صاحب کی وساطت سے اسکے بارے میں جاننے کا موقع ملا ہے جنھوں نے اسلام کا سہارا لے کر اپنے ہی مومن بھائیوں کی جیبوں کو صاف کیا ہے، میں چونکہ اس بارے میں مکمل تفصیلات فی الوقت پوشیدہ رکھنے کے حق میں تو نہیں ہوں مگر اپنی ناسمجھ عوام کے احساسات و جذبات کو جو کہ وہ مذہبی رہنماؤں کے حوالے سے رکھتی ہے، چاہے وہ کتنے ہی ذہنی و اخلاقی اعتبار سے بدکردار ہوں پھر بھی انکے حق میں مثبت رائے رکھتی ہے کو سوچتے ہوئے بہت کچھ ظاہر نہیں کرنا چاہ رہا ہوں کہ یہ معاملہ جلد اخباری سرخیوں و میڈیا پرآئے گا تو سب اس بارے میں بہت کچھ جان سکیں گے۔ہم جیساگناہ گار شخص کسی کے عیبوں کا پردہ رکھنے کا

خواہشمند ہے مگر حق بات کہنے بھی ضروری ہے اسی لئے نام ظاہر کئے بنا کچھ کہہ رہا ہوں ،یقینا جن کو اس کے بارے میں آگاہی ہوگی وہ ضرور اس پر تبصرہ کریں گے۔ مگر افسوس ناک بات یہ ہے کہ لوگوں سے رقم بٹورنے کے لئے اس نئے ٹولے نے جو لوگوں سے رقوم حاصل کرکے انکو اپنے اور انکے درمیان کاروباری معاہدے کا بیان حلفی دیا ہے اس میں لوگوں کے جذبات سے کھیلتے ہوئے کہ وہ اسلام کے لئے بہت جذباتی ہوتے ہیں میں یہ اظہار کیا گیا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنا عہد پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے''' دل چسپ بات یہ ہے کہ دوسری طرف رقوم کی واپسی کے حوالے سے بھی کسی ذمہ دار فرد کا تعین نہیں کیا گیا ہے۔ جبکہ سرمائے کا یکسر ڈوب جانے کی صورت میں بھی موصوف نے اپنا دامن صاف بچاتے ہوئے بیان حلفی کی عبارت میں اقرار کیا ہے کہ اس بات کا فیصلہ قرآن و سنت کی روشنی میں کیا جائے گا۔ جبکہ موصوف نے اپنی جان بچاتے ہوئے کسی بھی طرح کے معاملات میں خود کو ملوث ہونے سے بچانے کے لئے ادارہ الصبحہ کو ہر طرح ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ اسلام کے نام لیوا اس طرح سے معصوم لوگوں کے جذبات اور انکی عمر بھر کی کمائی کو یوں چھین کر اپنی جنت دنیا میں ہی بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسری طرف یہ بھی المناک صورت ہے کہ ڈبل شاہ اور اس طرح کے دیگر کرپٹ عناصر کے منظر عام پر آنے کے باوجود بھی ہم لوگ اس طرح کے جرائم پیشہ لوگوں کے ہتھے چڑھ کر اپنے سب کچھ گنوا رہے ہیں پھر بھی ہم لوگوں کو عقل نہیں آ رہی

ہے۔ہمارا المیہ یہ ہے کہ ایک مولانا صاحب تو ابھی بھی نیب کے شفیق ہاتھوں گرفتار ہو چکے ہیں مگر ہم ہیں کہ سدھرنے کا نام ہی نہیں لے رہے ہیں؟

اپنی ہی قوم کی بیٹوں، بیٹیوں کی عزت کا سودا کرنے والے،اور دوسروں پر الزام تھوپ کرکے ایک دوسرے کو بدظن کرنے والے اور قتل کرنے پر اکسانے والے، جیتے جی گھناونے فعل کے عوض جنت کی راہ دکھانے والے، اپنے آپ کو باکردار ظاہر کرکے لوگوں کی رقم اینٹھنے والوں کو پتا نہیں کیوں روز محشر کا دن یاد نہیں رہتا ہے کہ انہوں نے ایک دن دنیا سے جانا ہے اور اپنے تمام تر گھناؤنے کاموں کا حساب اللہ کو دینا دینا ہے لیکن یہ لوگ پھر بھی اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار کرتے ہیں۔اسی وجہ سے جب بھی کوئی حادثہ رونما ہوتا ہے تو پوری دنیا میں موجود مسلمانوں کے دشمن انکو ہی اسکا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اگر کسی کو مارنا ہے تو اس پر کوئی نہ کوئی الزام دھر دیں اور پھر نتائج آپ کے سامنے ہونگے۔ اس بات کی سچائی کو آپ عالمی سطح اور قومی سطح پر رونما ہونے والے گذشتہ چند سالوں کے حالات وواقعات سے لگا سکتے ہیں کہ کیا تھا اور کیا ظاہر کرکے اپنے مفادات کی جنگ لڑی گئی ہے اور کس کو کس حد تک فائدہ پہنچا ہے سب آپ کے سامنے ہے۔اگرچہ تمام مسلمان ایک جیسے نہیں ہیں بہت سے ایسے ابھی ہیں جن کی زندگیوں میں اسلام پوری طرح رچا ہوا ہے۔ مگر آج کے دور میں ایسے لوگ خال خال ہی نظر آتے ہیں مگر ان کی کوششوں کی

بدولت کسی قدر ہی بہتری رونما ہو پارہی ہے مگر ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے ہم ہر بات کو قسمت کا لکھا نہیں کہہ سکتے ہیں۔ بہت سی باتوں کا دارومدار ہماری نیتوں پر بھی ہوتا ہے۔ مگر پاکستان موثر قانون کی حکمرانی نہ ہونے اور مجرموں کو کڑی سزا نہ ملنے کی وجہ سے اسطرح کے واقعات روکنے کا نام نہیں لے رہے ہیں اس حوالے سے نیب کے کردہ دھرتا افراد کو سوچنے کی ضرورت ہے اور ہمیں بھی اپنی سوچ کو وسعت دے کر سوچنا چاہیے کہ آخر ہم کیوں راتوں رات امیر ہونے جانے کے متمنی ہوتے ہیں اور پھر ہاتھ کچھ نہیں آتا ہے تو قسمت کو روتے ہیں یا نصیب میں لکھا سمجھ کر چپ ہو جاتے ہیں پتا نہیں کیوں ایسے لوگوں کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر اُنکو سبق سکھانے کے درپے نہیں ہوتے ہیں، اصولی طور پر تو ہمارا دین حق لینے اور حق کی خاطر لڑنے کی تعلیمات تو دیتا ہے مگر ہم باقی معاملات کی طرح یہاں بھی پہلو تہی سے کام لیتے ہیں اور شاید اسی وجہ سے بہت کچھ گنواتے ہیں؟ بہرحال اس حوالے سے متعلقہ اداروں اور حکومت کو موثر اقدامات کرنے چاہیں جس سے لوگوں سے بددیانتی کرنے والوں کی حوصلہ شکنی ہوتا کہ دوسرے لوگ انکے شر سے محفوظ رہ سکیں۔

کلمہ پڑھو اور قتل ہو جاؤ

عدل کی علامت ، عدالتیں بھی ہوتی ہیں جہاں سے ہر شہری کو بلا امتیاز انصاف کی فراہمی ممکن ہوتی ہے اگر کسی ملک کی عدالتوں سے لوگ مایوس ہو جائیں تو چور بازاری ، رشوت اور تعلق داری کی بناء فیصلے ہونے لگے ہیں اور پھر اس ملک کا امن سکون .برباد ہونے میں دیر نہیں لگتی ہے جیسا کہ آج کل ہمارے ہاں ہو رہا ہے۔
پاکستان میں گذشتہ چند سالوں سے جو خود کش حملے ہو رہے ہیں اس کے پیچھے دیگر وجوہات کے ساتھ ساتھ بے انصافی کے عناصر بھی شامل ہے جو کہ نوجوان نسل کو اس طرح سے انتقام لینے پر مجبور کر رہی ہے۔اگرچہ سابقہ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کے عمدہ امکانات کی وجہ سے عدل وانصاف کی فراہمی میں کسی قدر لوگ کو حق ملنا شروع ہوا ہے یہ تو ابھی ابتداء ابھی منزل دور ہے اور رکاوٹ کھڑی کرنے والے بھی کم نہیں ہیں ۔یہ اپنے ہی ہیں جو اپنے مقدمات اور کرپشن کیسز کی وجہ سے موجودہ عدالتوں سے خائف ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ لوگ اپنے حق کے حصول کی خاطر مل جل کر جہد وجہد کریں توپاکستان میں عدل وانصاف کے خواب کو پورا کیا جاسکتا ہے۔لیکن ایک بات بے انصافی کرنے والوں کو بھی سوچنی چاہیے کہ انکو بھی اپنے یوم حساب کا دن یاد رکھنا چاہیے جس دن ان سے انکے ہر عمل کا جواب دہ ہونا پڑیگا۔اور جواب دہ تو

اب اُن لوگوں کو بھی ہونا پڑے گا جنہوں نے اسلام آباد ضلع کچہری میں حفاظتی نقطہ نظر سے عوام الناس کی حفاظت کے اقدامات نہیں کئے تھے جس کی بدولت ایسا اندوہناک واقعہ رونما ہوا ہے۔ اگر انصاف فراہم کرنے والوں کو ہی اس طرح سے دہشت گردی کا سامنا کرنا پڑے گا تو پھر پورے ملک میں افرا تفری کی صورت پیدا ہو جائے گی اور ہمارا ملک معاشی و امن وامان کے حوالے سے بدحالی کا شکار ہو جائے گا اور لوگوں کو دو وقت کی روٹی کا حصول بھی جان جوکھوں کا سبب ہوگا۔

اگرچہ سانحہ کچہری کو رونما ہوئے کئی روز ہو چکے ہیں مگر تاحال اس واقعے میں ملوث افراد یا گروہ کی مکمل نشاندہی نہیں کی جا سکی ہے اور اسلام آباد میں مقیم لاکھوں لوگوں کے ذہنوں میں ڈر اور خوف اس قدر حاوی ہو چکا ہے کہ وہ اپنے عدالتی کام کاج کے لئے بھی وہاں کو رخ نہیں کر رہے ہیں جہاں پر قتل و غارت گری شروع ہوئی تو کسی بھی عوام کی حفاظت پر معمور ادارنے نے اسکے سدباب کے لئے کوشش کرنا تو درکنار وہاں وقت پر پہنچنے کی زحمت بھی نہیں کی ہے۔ میں نے اس حوالے سے چند روز قبل کچہری کا ایک دورہ کیا تھا تاکہ میں اپنی آنکھوں سے اس واقعے کے اثرات کو دیکھ سکوں تو جس روز وہاں گیا تھا وہاں اس قدر حفاظتی اقدامات نہیں کئے گئے تھے جتنے کہ اس افسوس ناک واقعے کے بعد ہونا چاہیے تھے مگر یہ ضرور کہنا چاہوں گا کہ جس قدر بعد میں

انتظامات کئے گئے ہیں وہ یقینا تعریف کے قابل ہیں مگر اگر اس حوالے سے سب کچھ جو اب کیا جا رہا ہے پہلے کر لیا جاتا تو یقینا اتنی قیمتی جانوں کا ضیاع نہ ہوتا۔ دوسری طرف ایک لمحہ فکریہ ہے کہ جو کہ میری وہاں کچھ افراد سے گفتگو ہوئی ہے سے سامنے آیا ہے اور اس کی طرف کہیں بھی بولا نہیں گیا ہے۔ اسطرح کے معاملات پر کھل کر بحث ہونی چاہیے کہ اس طرح کی کاروائی کرنے والے کسی طور پر انسان یا مسلمان دونوں ہی کہلوانے کے مستحق قرار نہیں پا سکتے ہیں جو کہ انسانوں کو مار کر اپنا انتقام لیتے ہیں۔ اگر لوگوں کی سوچ سے اختلاف ہے تو سوچ کو بدلنا چاہیے نا کہ انسان کو ختم کرنے کا سوچنا چاہیے۔ یہاں پاکستان میں زیادہ نہ سہی مگر کسی حد تک تو اسلامی قوانین کا نفاذ ہے مگر پھر بھی مسلمان مسلمان کا گلا کاٹ رہے ہیں۔

کیا اسلام میں اسطرح کے اقدامات کی گنجائش ہے جو کہ سانحہ کچہری میں سننے کو ملا ہے کہ وہاں قتل کرنے والوں نے قتل کرنے سے قبل ان افراد کو کلمہ پڑھنے کا کہا ہے اور اس کے بعد ان پر فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا تھا۔ اگرچہ یہ بات محض سنی سنائی ہے ۔مگر جناب آپ تو جانتے ہیں کہ دھواں وہاں سے ہی اُٹھتا ہے جہاں کہیں تھوڑی بہت آگ لگی ہوئی ہو؟ اسلام کی تعلیمات کے برعکس ہم یوں کلمہ پڑھوا کر ماریں گے اور قتل کرنے والے خود کش حملہ آور حضرات نعرہ تکبیر کہہ کر اپنے آپ کو اُڑا دیں گے تو جناب خود ہی بتایئے کہ قتل کرنے والا کیا

یوم آخرت میں اللہ تعالیٰ کے حساب سے بچ سکے گا؟ وہ لوگ جو ایسا کرواتے ہیں وہ کیا مسلمان کہلوا سکتے ہیں جو کہ قتل وغارت کے لئے نت نئے طریقے کار استعمال کروا رہے ہیں؟اسطرح اور دیگر معاملات میں ہمارے علماء کرام کیا کر رہے ہیں، وہ کیوں نہیں اس طرح کے معاملات میں ملوث ہونے والے کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوپا رہے ہیں؟کیا خوف انکو اس اقدام سے روک رہا ہے کیا وہ اس بابت اللہ کو جواب دہ نہیں ہونگے کہ وہ دوسروں کو گمراہی میں جاتے دیکھ کر بھی چپ رہے ہیں؟اگر اسطرح کا سلسلہ دراز ہوگیا تو پھر یہاں ہر کوئی دوسرے کو قتل کرنے سے پہلے کلمہ پڑھوائے گا اور مارے گا اور خود نام نہاد علماء کی جنت کی جانب سفر پر روانہ ہوگا؟اسلام کی تعلیمات کی اصل روح کے مطابق امن وامان کے لئے سب کو مل بیٹھ کر حکمت عملیاں تیار کرنی ہوگی تب ہی جا کر اس فتنہ سے نمٹ سکیں گے۔جب تک تمام مسالک کے علماء اس بارے میں کڑی رائے کا اظہار نہیں کرتے ہیں اور آپس میں بھائی چارے کی فضا قائم نہیں کرتے ہیں اس وقت تک پاکستان میں حقیقی معنوں میں امن قائم نہیں ہوسکے گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اپنی جان کو یوں خود کش حملوں میں ضائع کرنے والے آخر ایسا کیوں کرتے ہیں؟اس کا آسان سا جواب ہے کہ بے روزگاری اور معاشی طور پر مستحکم نہ ہونا، دین کی تعلیمات سے دور ہونا اور سب سے اہم وجہ والدین کی اپنے بچوں کو درست طور پر تعلیم وتربیت نہ دینا ہے۔ان کی صحیح

رہنمائی نہ کرنا بھی ان کو راہ مستقیم سے دور کرنے کا سبب بنتی ہے۔اس لئے آج کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے والدین کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ بچوں کی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھیں اور دینی تعلیمات سے روشناس کروایں۔تاکہ وہ ایک اچھے اور سچے مسلمان بننے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین شہری بھی بن سکیں۔اس کے علاوہ جب بھی کوئی انسان اللہ تعالیٰ پر توکل نہیں کرے گا تو وہ یقینا اپنی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے ہر قسم کا طریقہ اختیار کرے گا اور اسی کوششوں میں وہ اس راہ کا شعوری یا غیر شعوری طور پر انتخاب کرلیتا ہے۔قران و حدیث میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ ''ایک انسان کا قتل گویا پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے''۔اسلام تو امن اور سلامتی کا درس دیتا ہے اور اسلام نے تو دوسروں کی بھی جان ومال کی حفاظت کا حکم بھی دیا ہے۔

یہاں ایک بات سب کو یاد رکھنی چاہیے کہ خود کش حملوں کو روکنے کی ذمہ داری حکومت یا ہماری انٹیلی جنس ایجنسیوں کی ہی نہیں بنتی ہے بلکہ یہ ہماری قومی ذمہ داری بھی ہے کہ جب بھی ہم کسی مشکوک شخص یا چیز کو دیکھیں تو فورا اس کی اطلاع قانون نافذ کرنے والے اداروں کو دیں۔اس سے روگرداں ہونے کی صورت میں ہم اور ہمارے پیارے کسی ناگہانی حادثے کا شکار ہو سکتے ہیں۔ہمیں چاہیے اپنے نوجوانوں کو مثبت سوچ کیطرف لائیں اور ایسی گھناونے اقدامات سے نفرت کا جذبہ پیدا کریں ایسی صورت میں ہی معاشرے میں امن وسکون پیدا ہو سکتا ہے۔

قانون کی حکمرانی

کسی کو پورا پورا ہر لحاظ سے اسکا حق دے دینا اور کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرنا عدل وانصاف کہلاتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں عدل وانصاف کی بڑی اہمیت ہے۔ معاشرے میں امن سکون کی ضمانت اس کو قرار دیا گیا ہے۔ ہماری کائنات کا نظام عدل پر قائم ہے۔ اس کی ایک ایک چیز درست مقام پر کام کر رہی ہے۔ کائنات میں موجود اشیاء ایک دوسرے کے دائرہ اختیار میں مداخلت نہیں کرتی ہیں۔ عدل اللہ تعالی کی صفت ہے۔ قران میں بھی بار بار اس بارے میں احکام بیان کئے گئے ہیں۔ قران میں ایک جگہ پر اس کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ ''میں بندوں پر ظلم نہیں کرتا'' جبکہ دوسرے مقام پر یہ بات یوں کہی گئی ''اے رسول ﷺ جب آپ انکے درمیان فیصلہ کریں تو عدل کے ساتھ فیصلہ کریں بیشک اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' جبکہ سورۃ شوریٰ میں اسطرح سے حضور ﷺ کی زبان سے قران میں کہلایا گیا کہ ''کہو مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ تمھارے درمیان عدل کرو''۔

پاکستان میں دیگر معاملات کی طرح قانون پر بھی اس طرح سے عمل درآمد نہیں کیا جاتا ہے جیساکہ دوسرے ترقی یافتہ ممالک میں کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے

پاکستان میں جرائم کی شرح روز بروز بڑھ رہی ہے اور بہت سے لوگ" قانون کو جوتے کی نوک "پر رکھتے ہیں۔جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جرائم پیشہ افراد کو بہت سے سیاسی نام نہاد مفاد پرست حکمران جماعت ،سیاسی لیڈروں یا پھر کسی بھی سیاسی تنظیم کی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے تو وہ من چاہی کاروائیاں کرتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ وہ کچھ بھی کر لیں انکے "بڑے" قانون کے ہاتھوں میں آنے سے بچالیں گے ۔اسی طرح سے قانون نافذ کرنے والے اداروں کے مفاد پرست عناصر جو کہ "مالی فائدہ" کے عوض انصاف کو بیچتے ہیں وہ بھی پاکستان میں انصاف کا بول بالا اور قانون کی حکمرانی میں بڑی رکاوٹ بن رہا ہے۔

دوسری طرف لوگ خود بھی قانون پر عمل کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے ہیں۔آپ اگر اپنے آس پاس دیکھیں تو پتا چلے گا کہ ٹریفک قوانین پر ہم کتنا عمل کر رہے ہیں؟ہر کوئی تیزی سے آگے بڑھنے کا خواہاں ہوتا ہے چاہے اس میں انکی اپنی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔دوسری طرف اگر ہم آج کل کی دہشت گردی کے حوالے سے بات کریں تو دیکھیں کہ کس طرح سے قانون نافذ کرنے والے اداروں میں سے بعض عناصر اپنی غفلت کی وجہ سے کتنے معصوم لوگوں کے جان بحق ہونے کا سبب بن رہے ہیں، کہیں جیلوں میں پیسہ کی بدولت لوگوں کو جیل میں اور کہیں جعلی پولیس مقابلوں میں مارا جاتا ہے ۔اور اگر کوئی غریب مسکین انصاف کے حصول کیلئے قانون کا دروازہ کھٹکاتا ہے تو اسے اتنا ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے کہ وہ وقت

سے پہلے بڈھا ہو جاتا ہے یا مر کھپ ہی جاتا ہے۔اگر یہ نہ بھی ہو تو اسکو اس قدر دھمکیاں دی جاتی ہیں کہ وہ بھی رہی سہی عزت کی خاطر چپ ہونا بہتر سمجھتا ہے۔اس طرح کے معاملات کئی سالوں سے میڈیا پر آ رہے ہیں ،آپ حالیہ مظفر گڑھ میں لڑکی کی خود سوزی کے معاملے کو دیکھ لیں،شاہ زیب والا کیس دیکھ لیں یا پھر بے گناہوں کی عمر قید سزا والا معاملہ دیکھ لیں کہ کس طرح سے قانون شکنی کرکے ایسے لوگوں کو سزائیں دلوائی جاتی ہیں یا بچا لیا جاتا ہے۔جہاں ملک کے بڑے بڑے حکمران خود قانون پر عمل درآمد نہ کرتے ہوں ،اپنے مقاصد کے حصول کیلئے قانون کا سہارا لے کر من کرتی ہوں وہاں کیسے قانون کی حکمرانی ہو سکتی ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ سپریم کورٹ اور دیگر قانون نافذ کرنے والے ادارے قانون پر ہر طرح سے عمل درآمد کو یقینی اور قانون کو بکنے سے بچائیں تاکہ غریب کے لئے اور امیر کے لئے الگ والا قانون ختم ہو سکے تاکہ لوگوں کو بروقت انصاف مل سکے۔جو قومیں قانون پر عمل درآمد نہیں کرتی ہیں وہ تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔یاد رکھئے کہ ایسے لوگ جو ملک میں امن وامان کی فضا خراب کرتے ہیں وہ کسی طور رعائت کے مستحق نہیں ہیں وہ قانون کو ہاتھ میں وجوہات کچھ بھی ہوں لے رہے ہیں انکا سدباب کرنا بے حد ضروری ہے،یہ وقت کی ضرورت اور قانون کی حکمرانی کا سوال ہے؟؟؟؟؟؟؟

اور مجھے محبت مل گئی

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی میں کوئی آتا ہے اور اس کی زندگی کو یوں بدل دیتا ہے کہ اس کو زندگی کے تمام رنگوں کی قوس وقزح سے لطف واندوز ہونے کا موقعہ مل جاتا ہے۔یوں تو ہر انسان کو زندگی کے مختلف تجربات بہت کچھ سکھاتے ہیں مگر جو لطف انسان کو کسی کی محبت میں گرفتاری سے حاصل ہوتا ہے اس کو انسان لفظوں میں کم از کم بیان کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔آج بالکل میں ''خوشی جی'' یہ نام مجھے سے بے حد محبت کرنے والے انسان نے مجھے دیا تھا کہ میری وجہ سے اس کو زندگی کی حقیقی خوشی میری محبت کی وجہ سے ملی تھی۔یہ اُن دنوں کی بات ہے جب میں نے لاشعوری سے شعور کی دنیا میں قدم رکھا ہی تھا اور اپنے ارد گرد کی زندگی کو سمجھنا شروع کیا تھا۔اپنے گھر والوں کے سخت ماحول کی وجہ سے بے حد کوفت محسوس کرتی تھی مگر پھر بھی رو دھو کر اپنی زندگی کو گذار رہی تھی ۔اسطرح سے زندگی بے رنگ و بے کیف گذر رہی تھی کہ اچانک میری زندگی میں وہ موڑ آیا جس نے میری سوچ کے دھارے کو یکسر بدل دیا اور میں کسی ایک شخص کے لئے دن رات سوچنے لگی تھی۔ تو جناب ہوا کچھ یوں تھا کہ میری ایک دوست تھی جس سے اکثر ملنے میں اسکے گھر جایا کرتی تھی اسی دوران ایک بار اس کے بھانجے سے علیک سلیک ہوئی جو کہ رسمی سی تھی ۔مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس کے دل میں

کیا ہے؟ میں تو اُس وقت اسے نظر انداز کر گئی تھی بعد ازں معلوم ہوا تھا کہ وہ میرے لئے پسندیدگی کے جذبات رکھتا ہے۔اگرچہ اسوقت میں کم سن تھی مگر اسقدر بھی نہ تھی کہ اچھے بُرے کی تمیز نہ ہوتی؟

میں اپنے آپ کو کوئی حسین و جمیل لڑکی نہیں سمجھا کرتی تھی مگر ایسی بھی نہیں تھی کہ اپنے گھر کی عزت کو سرعام لوٹاتی۔چونکہ سلیم میری دوست کا قریبی رشتہ دار تھا تو میں نے اس سے بات کرلی تھی اور یہ بات چیت ہی ہمیں ایک دوسرے کے رفتہ رفتہ قریب لانے کا سبب بن گئی تھی۔ایک دن میں نے عدیل کو فون کیا تو اس نے رانگ نمبر سمجھ کر مجھے ٹھیک ٹھاک سنا دی تھی۔ لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ اس کو فون کرنے والا کوئی غیر نہیں ہے وہ شخص ہے جس کو اپنے دل وجان کا مالک سمجھتا ہے ۔بہرحال اس روز تو ہماری بات چیت جلد ختم ہو گئی اور کچھ دنوں بھی اس نے میرے نمبر پر فون کیا اور ہماری بات چیت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔اُن دنوں تازہ تازہ رات کے پیکجز شروع ہوئے تھے اور ہم اکثر فارغ ہو کرانہی اوقات میں دل کی باتیں کیا کرتے تھے۔اس کے بعد ایک روز ہم نے آپس میں ملنے کا پروگرام بنایا دراصل میری خالہ نے ہسپتال جانا تھا تو اسی بہانے ہم نے ملاقات کا فیصلہ وہاں کرلیں اگرچہ وہاں سلیم مجھے نقاب میں ہونے کی وجہ سے دیکھ نہیں پایا تھا مگر اتنی سرشاری بہت تھی کہ ہم ایک دوسرے کے روبرو آئے تھے۔

دن پر دن گزرتے گئے اور بالآخر ہم نے طویل عرصہ کے بعد پھر ملنے کا فیصلہ کیا اور ایک دوسرے کو روبرو دیکھا تب ہی سلیم نے اپنی محبت کا اظہار کیا اور شادی کے فیصلے سے آگاہ کیا۔ اس دوران بہت سے مسائل کا سامنا ہم دونوں کو ہی کرنا پڑا۔ جہاں میرے بہت سے موبائل فونز گھر والوں نے ایک دوسرے کے رابطے میں ہونے کی وجہ سے توڑ دیئے تھے، جو کہ کسی نہ کسی میری بے احتیاطی یا بدقسمتی کی وجہ سے پکڑے جاتے تھے جو کہ مجھے سلیم کی طرف سے بطور تحفے میں ملا کرتے تھے۔ وہیں پر سلیم نے بھی میرے لئے بہت سے ادنیٰ کام کاج بھی میری خوشی کے لئے سرانجام دیئے۔ اس نے میری خاطر یوں سمجھ لیجئے کہ گاڑیوں کو بھی دھویا مگر ہماری محبت میں ذرا بھر بھی فرق نہ آیا۔ اس کے گھر والے جب رشتہ لینے آئے تو خوب سنا سنا کر پھر رشتہ بھی مانگ لیا اور میرے گھر والوں نے بھی بہت کچھ جانتے ہوئے بھی دل پر پتھر رکھ کر ہاں کر دی اور یوں میری محبت مجھے مل گئی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ ہماری محبت کی آزمائش ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ میری محبت مجھے دس سال کے طویل صبر آزما انتظار کے بعد ملی اس دوران حالات کا دھار جس طرح تبدیل ہوتا رہا وہ بیان سے باہر ہے مگر جب محبت پر اپنا حق ہوا تو بھی ٹھیک سے خوشی نہ مل پائی ہے۔ اب عرصہ دو سال سے ہماری رخصتی کا مرحلہ کٹھن ہو چکا ہے کہ سلیم کے گھر والے ابھی اور مہلت چاہتے ہیں میری اس کہانی کے لکھوانے کا مقصد نوجوان لڑکیوں کو بس یہ بتانا ہے کہ اگر

کوئی ان کے ساتھ مخلص ہے اور با عزت اپنا چاہتا ہے تو اس کو ضرور موقعہ دیں لیکن شرط یہ بھی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ دھوکے بازی نہ کر رہا ہو۔آج کل بہت سے لوگ وقت گذاری کے لئے محبت کے جذبہ کو بدنام کر رہے ہیں۔ایسے لوگوں کے ساتھ منسلک ہو کر اپنی اور گھر والوں کی عزت کو خدارا داؤ پر مت لگائیں۔ میری رخصتی جلد از جلد ہو جائے اس سلسلے میں آپ سے دعا کی درخواست ہے کہ میں اپنی محبت کے ساتھ خوش و خرم رہ سکوں۔

احتجاج کرنے سے نہیں سوچ بدلنے سے انقلاب لاؤ

لیجئے جناب ایک اور احتجاجی مظاہرہ 11 مئی کے دن پھر سے ہونے لگا ہے اس بار طاہر القادری کے بالمقابل کوئی اور نہیں تبدیلی کے خواہاں عمران خان ہیں جو کہ اب الیکشن میں حصہ لے کر طاہر القادری صاحب کی باتوں پر اب قائل ہوئے جارہے ہیں کہ پہلے جو کچھ بھی ہوا ہے وہ ملی بھگت سے ہوا ہے اور اب اقتدار میں آکر انکو دھاندلی اور حقیقی تبدیلی اقتدار میں آکر نہ ہو سکنے کا ادرک ہو چلا ہے۔ بھئی ہمارے ملک میں آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے یہاں کوئی سیاست دان یا لیڈر یا اعلی افسران کسی بھی حوالے سے کسی بارے میں جواب طلبی کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتا ہے اور نہ ہی عوام کی فکر ہوتی ہے جب اپنے مفادات درست طور پر حاصل ہو نہ پائیں تو عوام کی فکر لاحق ہو جاتی ہے۔دوسری طرف جوں جوں وقت گذرتا جارہا ہے محترم ڈاکٹر طاہر القادری کی تمام تر باتیں سچ ثابت ہوتی جارہی ہیں کہ اس ملک میں جب تک ہر شعبے میں قانون کے مطابق عمل درآمد نہیں ہوگا حقیقی تبدیلی رونما نہیں ہو پائے گی۔آپ لوگ اگر موجودہ حکومت کی کارکردگی پر نظر ڈالیں تو پتا چلے گا کہ جس عوام نے جو کچھ سوچ کر موجودہ حکمران جماعت کو اقتدار میں لانے کا سوچا تھا وہ بہت حد تک پورا نہیں ہو پایا ہے اور نہ ہی اس بات کی کوئی توقع ہے کہ وہ کچھ خاص تبدیلی رونما ہو سکے گی۔ڈاکٹر طاہر

القادری کے بارے میں جو گروہ بھی بات کرتا ہے وہ بے بنیاد بات کرتا ہے وگرنہ سب جانتے ہیں کہ وہ ''حمام میں ننگے'' ہو چکے ہیں مگر باتوں کے شیر عملی طور پر بالکل ناکام ہو چکے ہیں۔ڈاکٹر طاہر القادری اگر انقلاب کی بات کرتے ہیں تو تمام تر شعبوں میں اس پر عمل درآمد کے خواہاں ہیں اور اسکی شروعات جب تک الیکشنز سے نہیں ہوگا تو کچھ بھی تبدیل نہیں ہوپائے گاآپ خود دیکھ لیں جناب کہ الیکشن میں کیا کچھ ہوا تھااور ابھی عوام کی بھلائی کس قدر ممکن ہوپائی ہے؟جو سلسلہ کرپشن کے حوالے سے اور میرٹ کے قتل ،انصاف کی فراہمی اور غریب مکاؤ کا ماضی کی حکومتوں نے جو مشن جاری کیا ہوا تھا وہ آج بھی جاری و ساری ہے۔یوں سمجھ لیں کہ کام وہی ہے جو باقی کرتے رہے ہیں مگر چہرے بدل گئے ہیں اب ہمیں نظام بدلنا ہوگا؟یہاں میں عمران خان کے چاہنے والوں اور محترم ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کے عقیدہ مندوں کو بالخصوص یہ کہنا چاہوں گا کہ وہ تبدیلی کا ذکر تو کریں مگر ایسے اقدامات بھی ساتھ ساتھ کریں جن سے عوام کی سوچ بھی بدلے جب تک یہ سوچ نہیں بدلے گی اسوقت تک ہمارے ملک میں تبدیلی نہیں آئے گی آپ بھلے کتنے ہی احتجاجی مظاہرے اور دھرنے دے دیں ؟جب تک عوام تبدیل ہونے پر آمادہ نہیں ہوگی اسوقت تک پاکستان میں انقلابی تبدیلیاں رونما نہیں ہو سکتی ہیں۔

ہمارے بزرگ کہتے تھے کہ حکومت عوام کی خادم ہے مگر آج مجھے لگتاہے کہ

پاکستان میں عوام حکومت کی خادم ہے خود ہی دیکھ لیجئے کہ عوام اپنی روزمرہ کی اشیاء پر کس قدر رقوم خرچ کرکے اپنے اُوپر حکومت کرنے والے ناعاقبت اندیش لیڈران کی عیاشی کا سامان پیدا کرتی ہے۔ جاگیر دار حکمران طبقہ آرام و آسائش میں زندگی گزار رہے ہیں وہیں عوام ظلم و ستم اور غربت کی چکی میں پس رہے ہیں ۔آج عوام کا کوئی مخلص ہمدرد نظر نہیں آتا ہے۔ عوام پر طرح طرح کے جرمانے (Taxes) لگا کر حکمران طبقہ اپنے خزانے کو بھر رہے ہیں اپنے مفادات کی خاطر ملک او عوام کو داؤ پر لگا رہے ہیں۔ اب تک پتا نہیں کتنے لوگ غیروں کے ہاتھوں بیچ کر دولت کمائی جاچکی ہے ۔ کتنے ہی بے گناہ افراد روزانہ ڈرون حملوں میں مارے جاتے ہیں، کتنے ہی خود کش حملوں کی نظر ہو جاتے ہیں ، کتنے ہی غربت کی وجہ سے اپنی اور اپنے بچوں کی جان لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ جن کی کھیلنے کی عمر ہوتی ہے وہ کھلونوں ،کتابوں کی بجائے روٹی کے متلاشی ہوتے ہیں عوام کو کوئی بھی تو پوچھنے والا نہیں ہے ۔ بچاری عوام جائے تو جائے کہاں روز۔بروز۔بڑھتی مہنگائی نے ان کا جینا دو بھر کر رکھا ہے۔جب حکمران عوام کے سامنے آتے بھی ہیں تو وہ انکے جذبات سے بے خبر اپنے سہانے خوابوں میں مگن رہتے ہیں اگر یہ ایک دن غریب عوام کے گھر کی حالت دیکھ لیں تو ان کی ساری خوشی کافور ہو جائے۔ عوام سے بھرے جلسے جلوسوں میں یہی عوام انکے حق میں نعرے لگاتی ہے مگر بدلے میں انکو کچھ نہیں ملتاہے۔ عوام سے کروڑوں اربوں روپے کا ٹیکس حاصل کرکے اپنے بنکوں کو بھرتے ہیں اور

عوام بچاری غربت میں مرتی ہے۔اور وہ بھی اُس جمہوری حکومت کے دور حکومت میں جو غریبوں کی ہمدرد کہلواتی ہے اور اسی وجہ سے غریب عوام مکاؤ پروگرام پر عمل پیرا ہے تاکہ نہ رہیں غریب ،نہ رہے غربت واہ کیاانصاف ہے؟

ڈاکٹر طاہر القادری کے انقلابی مشن کا ہم سب کو ساتھ دینا ہوگاتاکہ ہمیں بہت سے مسائل جو آج پاکستان کو درپیش ہیں ان سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارہ مل سکے جب تک ایسا نہیں ہوگا ہم ایک نیاپاکستان نہیں بناپائیں گے؟ہمارے ملک میں بچاری عوام روزی روٹی کی فکر ہی میں پڑی ہوئی ہے جبکہ تیونس اور مصر کی عوام کسی قدر خواب غفلت سے جاگ اٹھی ہیں ۔کیا یہ بات اہم نہیں ہے کہ ملک کی سربراہت کو اپنی جاگیر سمجھنے والے لیڈران کو نا چاہتے ہوئے بھی اقتدار اور ملک چھوڑنا پڑا ہے۔ حسنی مبارک صاحب نے اپنے طور سے تو بہت زور لگایا کہ میٹھی گولی دے کر جیسے ہمارے پاکستان میں لیڈران ووٹ کے حصول کے لئے جھوٹے وعدہ کرکے اقتدار میں آتے ہیں ویسے ہی وہ اپنے اقتدار کو طول دے سکیں مگر عوام نے بس ایک ہی مطالبہ رکھا جناب آپ کی رخصتی سے کم کسی بات پر کوئی سمجھوتہ نہ ہوگا۔ جیسے ہمارے حکمران اپنے مفادات کی خاطر سپرپاور مملکت سے اپنے اقتدار کی طوالت اور مالی مفاد مانگتے ہیں کہ بدلے میں بیٹیاں اور بیٹوں کی جانوں کانذرانہ بمعہ تمام تر شرائط کو مان لیں گے جو بھی آپ پسند کریں ۔لیکن مصری عوام میں شعور اجاگر ہو چکا تھا لہٰذا وہ ہوا جو بہت

کم دیکھنے میں آتا ہے مصر کی عوام نے تو باقی مسلمان ممالک کے لئے ایک مثال قائم کر دی ہے کہ اگر سب متحد ہو جائیں تو کسی بھی فرعون سے چھٹکارہ پانا کوئی مشکل کام نہیں ہے بس بات صبر اور حوصلے سے حالات کا مقابلہ کرنے کی ہے۔

اب یہ دیکھنا ہوگا کہ عمران خان اور طاہر القادری صاحب 11 مئی کو کیا حکمت عملی ظاہر کرتے ہیں اگر طاہر القادری دوہری شہریت کا اعتراض کرنے والوں کو اس دن اپنی دوہری شہریت ختم کرنے کا اعلان کرکے پاکستان میں رہ کر حقیقی تبدیلی کے انقلاب کا اعلان کر دیں گے تو یقینا آنے والے دنوں میں خوب سیاسی میدان سجے گا اور حالات کا دھار بھی تبدیلی کی طرف جائیگا۔اب دیکھنا یہ ہے کہ 11 مئی کو پردہ اسکرین پر کیا ظہور ہوتا ہے ؟اب پاکستان میں بسنے والی عوام کو بھی چاہیے کہ اپنے حقوق کے حصول کی خاطر عملی قدم اُٹھائے ،جب تک وہ اپنے حقوق کے لئے آواز بلند نہیں کریں گے اس وقت تک کچھ تبدیل نہ ہوگا ورنہ وہ اسی طرح سے اپنی باقی ماندہ زندگی بھی گذار لے گی کہ وقت کب کسی کیلئے رک پاتا ہے۔ویسے بھی خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرنا چاہتے ہیں اور اگر کسی قوم کو اپنی حالتے بدلنے کا خیال نہیں آئے گا تو انکی حالت زار کسی طور بہتر نہیں ہو پائے گی تو قانون فطرت ہے۔

سابق نادرا چیئرمین علی ارشد حکیم کے ورثا پاکستانی عوام

پاکستانی عوام کے پاس کرنے کو کچھ خاص کام باقی نہیں رہا ہے، اس بات کا اندازہ اس چیز سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ بے سروپا باتوں پر فوراً سن کر عمل کرتے ہیں چاہے اس میں کوئی صداقت ہی کیوں نہ ہو۔ مجھے دو تین دن سے نادرا کے چیئرمین علی ارشد حکیم صاحب کے حوالے سے ایک افواہ پر لوگوں کی زبانوں پر امداد کا تذکرہ سن کر اس قدر ہنسی آئی ہے کہ اس کا آپ سوچ بھی نہیں سکتے ہیں۔ عوام میں اس قدر بھی شعور نہیں رہا ہے کہ وہ اس بات کو جان سکیں کہ عوام کی بھلائی کا اولین ذمہ ریاست کے سر ہے کوئی بھی ادارہ کا سربراہ پورے ملک کے لئے یا اس کے حوالے سے کوئی بھی رفاہی ادارے لوگوں میں خیرات ملک کے طول و عرض میں نہیں دے سکتا ہے۔ مگر بھئی ہم پاکستانی تو مفت کی چیزوں کے لئے مشہور ہییں جہاں سے بھی ملے گی وہ حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

اس سے قبل موبائل فون پر لوگ کال کرکے انعام کے بارے میں آگاہ کرتے تھے اور لوگوں سے رقوم بٹور لیتے تھے اور ہمارے سادہ دل لوگ انکے ہاتھوں بھی بے وقوف بن گئے تھے شاید اس امید پر کہ انکے ہاتھ کچھ دے کر کچھ زیادہ مل جائے۔ ہم نے تو ہی سنا ہوا ہے کہ لالچ بری بلا ہے اور یہی بیماری ہی ہمیں

کسی نہ کسی وجہ سے اکثر دھوکا کھانے میں مدد دیتی ہے۔

لوگ علی ارشد حکیم صاحب کی رقم تو یوں حاصل کرنا چاہ رہے ہیں جیسے وہ انکے قانونی ورثا ہوں اور فی الوقت یوں لگتا ہے کہ پوری پاکستانی عوام ہی انکے نام پر رقوم حاصل کرکے وراثت میں حصہ دار بننا چاہ رہی ہے۔

اس تحریر کا بنیادی مقصد یہ شعور دینا تھا کہ لوگ اپنے زور بازو پر کما کر اپنی زندگی کا بوجھ سہ لیں تو بہتر ہے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا یا کسی سے مدد کی امید رکھنا ماسوائے خدا کے جائز نہیں ہے۔ یہاں یہ بات بتاتا چلوں کہ نادرا کی اس افوہ میں کوئی صداقت نہیں ہے کہ علی ارشد حکیم کے حوالے سے کوئی رقم دی جا رہی ہے۔اس سلسلے میں خود بھی لوگوں کو بتائیں اور شعور اجاگر کرنے میں مدد دیں شاید ایک قطرہ سے دریا بن جائے۔

انصاف کا قتل عام

پاکستان میں انصاف کی فراہمی کس قدر آسان ہے اس بات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دیوانی مقدمات میں اکثر و بیشتر مقدمات کے فیصلے اس وقت ہوتے ہیں جب اپنے حق کی جنگ لڑنے والے ہی اس فانی دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں انصاف کی وہ قدر و منزلت نہیں ہے جو کہ مغربی معاشرے میں انصاف کو دی جاتی ہے۔ وہاں قانون کی حکمرانی ہے اور انصاف چاہے کو ئی غریب ہے یا کوئی بہت اونچا عہدے پر فائز ہے اس کے لئے قانون ایک جیسا ہوتا ہے اور انصاف کی فراہمی کیلئے تمام تر حقائق کو مد نظر رکھ کر جلد از جلد عدالتیں فیصلے کرتی ہیں۔ یہاں خود اپنا ذاتی تجربہ بیان کروں گا کہ میرے والد ظہور احمد بخاری نے زرعی رقبہ واقع موضع کچہ بھپلہ تحصیل لیاقت پور، ضلع رحیم یار خان کے حصول کیلئے ایک دعویٰ دائر کیا تھا جو کہ تقریباً 22 سال کی مدت کے بعد حتمی فیصلے کی طرف آیا تھا اور ابھی حال یہ ہے کہ اس کے قبضے کے حصول کیلئے الگ جنگ لڑی جائے گی فی الوقت تو متعلقہ پٹواری محض جیب گرم نہ ہونے کی وجہ سے انتقال کی کاروائی کا حیلے بہانوں سے ٹال رہاہے اور جلد انصاف کی فراہمی میں رکاوٹ بن رہاہے اور میں جو کہ حق بولنے لکھنے کا دعویٰ دار ہوں انصاف کے حصول کیلئے بنا رشوت کے کام کے ہو جانے کی امید میں دن پر دن گذارتا جا

رہا ہوں کہ شاید اللہ تعالیٰ کا کرم ہو جائے تو بات بن جائے۔ کیا متعلقہ حکام بالا اس حوالے سے میری شنوائی کرنا چاہیں گے؟ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ہم لوگ رشوت کے زور پر حق لینے /انصاف ملنے کے عادی ہوتے جا رہے ہیں اور جو لوگ رشو ت نہیں دے سکتے ہیں وہ اپنے پاس تمام تر ثبوت رکھ کر، قابلیت ہونے کے باوجود بھی اپنے لئے انصاف حاصل نہیں کرپاتے ہیں کہ انصاف کو ہم میں سے ہی کچھ لوگ روپے کی بنیاد پر فراہمی کو ممکن بناتے ہیں۔

یوں تو ہم ہر معاملے میں مغرب کی تقلید کرتے ہیں مگر ہمارے ہاں عدالتوں میں منصف خود بکنے کیلئے تیار ہوتے ہیں یا انکو مک مکا پر مجبور کرکے انصاف اپنے لئے لوگ خرید لیا کرتے ہیں۔ ایک صورت اور بھی ہوتی ہے کہ لوگ پیسے کے زور پر نقل بمطابق اصل کے مطابق قانونی دستاویزات تیار کرلیتے ہیں اور انکو کچھ پیچیدگیوں کی وجہ سے عموماً عدالتوں میں ثابت قدرے مشکل ہو جاتا ہے یا پھر یوں بھی ہوتا ہے کہ پیشی پر پیشی عدالتی اہلکاروں کی وجہ سے آگے سے آگے ہوتی جاتی ہے یا وکیل صاحب اپنی دکانداری چمکنے کے چکر میں، پیسہ بٹورنے کے لئے ایسے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں کہ انصاف دوسری پارٹی کے لئے ایک ''خواب'' سا بنا جاتا ہے۔ اکثر یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ انصاف ہونا چاہیے، انصاف ہی سب کچھ ہے کہنے والے ہی انصاف کی فراہمی میں بسا اوقات بہت بڑی رکاوٹ بن جاتے ہیں کہ اس طرح سے انکے مفادات کو زک پہنچتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ انصاف

ہوتا ہوا نہیں دیکھ پاتے ہیں اور یوں انصاف کے قتل کی وجہ سے بہت سے مسائل جنم لیتے ہیں۔

غریب تو یوں بھی غریب ہی ہوتا ہے اگر وہ امیر ہوتا تو وہ پھر غریب ہی کیوں کہلواتا، وہ اپنی غریبی کی وجہ سے وہ کچھ سہہ لیتا ہے جس کا ہم لوگ محض تصور ہی کر سکتے ہیں۔جناب بس اتنا سمجھ لیجئے کہ اگر ہم ''غریب'' کو دو وقت کی روٹی کیلئے ہی اتنا تڑپاتے ہیں تو سوچ لیجئے کہ ''انصاف'' کا حصول اسکو کتنا مہنگا پڑے گا۔اگر ہم پاکستان میں اپنے ارد گرد کے حالات کا بغور معائنہ کریں تو پتا چلے گا کہ یہاں بہت سے مسائل کی بڑی وجہ ناانصافی ہے۔ ہماری نوجواان نسل اس وجہ سے بھی جرائم کی جانب راغب ہو رہی ہے کہ انکو نوکریاں میرٹ پر نہیں مل پا رہی ہیں۔اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے سیاست دان اپنے چیلوں چمچوں اوراپنے عزیز رشتے داروں کو آگے کر دیتے ہیں اور ہمارے اداروں کے حکام بالا ان کو ''آقا' سمجھتے ہوئے انکے کہے اور حکم کے مطابق انہی کو بھرتی کر لیتے ہیں ۔

جہاں بھرتی میرٹ پر ہوتی ہے وہاں مجبوری یہ ہوتی ہے کہ ''نکمے'' بھرتی ہو گئے تو پھر وہاں کام کون کرے گا۔جن لوگوں کو میرٹ پر نوکریاں نہیں ملتی ہیں وہ انتقامی طور پر غیر قانونی و غیر اخلاقی سرگرمیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں

اور یوں معاشرے میں بے راہ روی بڑھتی جا رہی ہے۔اگر ہم اپنے دین اسلام کے حوالے سے بات کریں تو قرآن وحدیث میں جا بجا ہمیں ایسے پیغامات ملتے ہیں جس سے انصاف کی اہمیت کا پتا چلتا ہے مگر یہ بھی ایک لمحہ فکریہ ہے کہ بحیثیت مسلمان ہم ایسے ہوگئے ہیں ایسی باتوں کو نظر انداز کرتے ہیں بس وہی باتیں اور عمل کرتے ہیں جس سے ہماری اپنی ذات کو فائدہ ہوتا ہو چاہے اس سے دوسروں کی حق تلفی ہی کیوں نہ ہو۔

انصاف زندگی کے تمام تر معاملات میں جب تک نہیں آئے گا اس وقت تک ہم لوگ پرسکون زندگی نہیں گذار سکیں گے۔ہم اگر اپنے اردگرد دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ ہمارے والدین بھی کہیں نہ کہیں ہمارے ساتھ ناانصافی کر جاتے ہیں مگر ہم اچھی اولاد ہونے کی وجہ سے چپ رہتے ہیں۔اگر اصولی طور پر بات کی جائے تو اولاد کی زندگی کے فیصلے کرتے ہوئے انصاف سے کام لینا چاہیے اور انکی خواہش اور دلچسپی کا بھی مدنظر رکھنا چاہیے مگر ہم اس سے پہلو تہی کرتے ہیں اور بعدازں دونوں فریق ہی مسائل کا شکار ہوتے ہیں اور والدین کچھ زیادہ ہی دکھی ہوتے ہیں اگر،ہمارے ادارے اور ہم خود تمام تر معاملات میں انصاف کو مدنظر رکھیں تو بہت سے مسائل سے باآسانی چھٹکارہ مل سکتا ہے اور روز بروز انصاف کے ہوتے قتل عام سے بھی ہمیں نجات مل جائے گی۔

بچے من کے سچے

19 اگست 1982 میں جنرل اسمبلی میں قرارداد پیش ہوئی جس میں اسرائیل کے وحشیانہ جنگی اقدام کی وجہ سے فلسطین کے معصوم بچوں کی شہادت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا اور نوخیز پھولوں کے ساتھ ایسی زیادتی پر فیصلہ کیا گیا کہ ہر سال 04 جون کو بچوں کے جنسی، جسمانی، ذہنی استحصال کے خلاف پوری دنیا میں احتجاجی دن منایا جائے گا۔ لہٰذا تب سے ہر سال یہ دن بڑے جوش و خروش سے تمام ترممالک کے ساتھ ساتھ پاکستان میں بھی منایا جاتا ہے۔ اگرچہ پاکستان میں اس دن کے منانے کا کوئی خاص فائدہ تو حاصل نہیں ہوا ہے مگر بہرحال صورت حال میں مجموعی طور پر کوئی بہتری نہ بھی ہوئی ہو مگر اس حوالے سے شعور اُجاگر ہوا ہے کہ بچوں کے ساتھ کسی بھی طرح کی زیادتی نہ ہو۔ مغرب میں اس حوالے سے سخت قوانین ہیں کہ بچوں سے کم عمری میں مشقت کروائی جائے جبکہ ہمارے ہاں تو بیشتر کام کاج ہی بچوں کو اُجرت پر رکھ کر کروائے جاتے ہیں، قالین بافی کی صنعت ہو، فٹ بال کی تیاری ہو، ہوٹلوں پر، گھروں میں انکو آٹے میں نمک جتنی تنخواہ دے کر جتنا کام کروایا جاتا ہے اس کے بارے میں محض سوچا ہی جا سکتا ہے۔ چونکہ ہمارے ہاں غربت زیادہ ہے تو کم آمدنی کے حامل خاندان زیادہ آمدن کے حصول کیلئے بچوں کو کم عمری سے ہی روزگار پر لگاتے ہیں تاکہ دو وقت کی روٹی کا حصول میں حائل

روکاوٹیں ختم ہو سکیں اور وہ اپنی زندگی کا نظام بہتر خطوط پر استوار کر سکیں۔

بچے من کے سچے ہوتے ہیں اور جو انکے دل میں ہوتا ہے وہی انکی زبان پر ہوتا ہے جو کہ اس بات کی طرف نشاندہی کرتا ہے کہ بڑے مصلحت کے تحت بات یا عمل کرتے ہیں مگر وہ بن لگی پٹی منہ پر صاف بات کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ابھی اس کی مثال کچھ یوں دینا چاہوں گا کہ میرے والد صاحب اسی سال جہان فانی سے رخصت ہوئے ہیں تو میری چھوٹی بھتیجی سیدہ سائرہ بتول کو میں باہر لے کر اسکی فرمائش پوری کرنے سے انکاری تھا تو اس نے اچانک کہا ''دادا نے کہا تھا کہ مجھے باہر لے جایا کرو''۔یہ جملہ اس نے اکثر دادا کی زبانی سنا ہوا تھا اور اس وقت اُس نے دہرا کر میرے ہوش و حواس گم کر دیئے اور میں فورا اسکی ضد پوری کرنے کا تیار ہوگیا۔مگر جناب بچوں کی ضدیں زیادہ پوری کرنا بھی بسا اوقات بہت سے مسائل کھڑے کر دیتا ہے۔اسی طرح سے جب تک معاشرے میں بچوں کے ساتھ کسی بھی حوالے سے غیر اخلاقی و غیر شرعی حرکات ہوتی ہیں تو بھی انکے حقوق کی پامالی ہوتی ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے آپ کو اگر اسلام کے قوانین اور اللہ کے احکام کے مطابق چلانا شروع کر دیں تو ہمارے بہت سے مسائل ختم ہو سکتے ہیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنی ذاتی مفادات پر کسی بھی طرح کا نقصان برداشت کرنے کے قائل نہیں ہو پا رہے ہیں جو کہ معاشرے میں

بگاڑ کا سبب بن رہا ہے۔

ہمارے ہاں قانون پر عمل درآمد نہ ونہے کے.برابر ہے اسی وجہ سے آئے روز بچوں کے ساتھ ناروا سلوک کی خبریں اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں مگر حکام بالا کی طرف سے خاطر خواہ موثر اقدامات نہ ہونے کی وجہ سے ایسے واقعات کی روک تھام نہیں ہو پا رہی ہے۔اگر ایسے واقعات میں ملوث مجرموں کو قرار واقعی سزا دے کر کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے تو ایسے گھناؤنے جرائم جو بچوں کے ساتھ ہوتے ہیں ان سے چھٹکارہ کافی حد تک ہمیں مل سکتا ہے اور اس کیلئے ہم سب کو مل کر آواز بلند کرنی پڑے گی کہ کل کلاں کو خدانخواستہ ہمارے کسی اپنے کے ساتھ بھی کچھ ہو سکتا ہے۔

پریشان ہونا چھوڑیئے

جب انسان حوصلہ ہار دیتا ہے اور اپنے آپ کو زندگی میں درپیش مسائل کے بھنور میں پھنسا لیتا ہے تو اس کیلیے زندگی جینا محال ہو جاتا ہے۔انسان ذہنی طور پر پریشان ہو جاتا ہے اور یہی الجھن اسکو مختلف امراض میں مبتلا کرنے کا سبب بنتی ہے ۔یہ بات تو آپ سب ہی بخوبی جانتے ہیں کہ جب ہم کوئی منزل کا تعین کرتے ہیں تو ہمارے سامنے دو راستے آتے ہیں ایک تو سیدھا سا راستہ ہوتا ہے جس پر مشکلات جھیل کر ہم اپنی منزل کو پا سکتے ہیں اور کامیابی سے لطف واندوز ہوتے ہیں ۔دوسرا راستہ اگرچہ مختصر ہوتا ہے جسے آپ چور راستہ بھی کہہ سکتے ہیں وہ اپنا کر ہم کامیاب تو ہو سکتے ہیں مگر حقیقی کامیابی کا مزہ نہیں پا سکتے ہیں۔تو جناب بالکل ایسے ہی ہارے ساتھ اس وقت ہوتا ہے جب ہم کسی مسئلے کو حل کرنے کیلیے تصویر کا دوسرا رخ نہیں دیکھتے ہیں اور اپنی من چاہی تجویز یا سوچ کہہ لیجیے پر عمل درآمد کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں اور جب ایسا کرتے ہیں تو ہمیں وہ نتائج حاصل نہیں ہوتے ہیں جو کہ ہم نے سوچے ہوتے ہیں ۔ہمارے خوابوں کے محل ٹوٹ جاتے ہیں اور ہم ایک گھپ اندھیرے میں اپنے آپ کو پاتے ہیں اور اپنے آپ کو اس سوچ میں اس قدر ملوث کر لیتے ہیں کہ ہمارے پاس اس تاریکی سے نکالنے کا کوئی راستہ اگر ہوتا بھی ہے تو اپنے آپ کو اس میں سے نکالنے کا حوصلہ نہیں رکھتے

ہیں اور جوں جوں وقت گذرتا جاتا ہے ہم ذہنی طور پر کمزور سے کمزور ہوتے جاتے ہیں اور بالاخر نفسیاتی مریض بن کر رہ جاتے ہیں۔

حضرت انسان کو اللہ تعالی نے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا ہے اور ان ہی کی بدولت وہ دنیا میں بے بہا کارہائے نمایاں سرانجام دیتا ہے۔اگر انسان میں ہمت و حوصلہ ہو تو کچھ بھی نہ ممکن نہیں ہووتا ہے۔جناب اگر آپ کو کچھ بھی مسائل ہیں اور آپ ذہنی الجھن جسے ہم ڈپریشن بھی کہہ سکتے ہیں میں بتلا ہو چکے ہیں تو سب سے پہلے آپ خود کو اس سے لڑنے کیلئے تیار کیجئے۔کیونکہ جناب جنگ کیسی ہی کیوں نہ ہو اس کیلئے آپ کو تیاری کرنی پڑتی ہے اور تب جا کر آپ میدان مارتے ہیں۔ محض باتوں سے دوسروں کو اس بات پر قائل کرنے سے کہ آپ واقعی بیمار ہیں اور آپ کو دوسروں کی ضرورت ہے تو آپ کے مسائل حل نہیں ہو سکتے ہیں۔اس کیلئے آپ کو پہلے تو یہ جاننا ہوگا کہ آپ کو کیا بات پریشان کر رہی ہے جب یہ معلوم ہو جائے تو آپ اپنے مسئلے کو حل کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

کسی بھی مسئلے کو پریشانی /الجھن کو دور کرنے کا بہترین طریقہ کار یہ ہے کہ آپ مسئلے کے تمام تر پہلوؤں پر اچھی طرح سے غور کریں اور یہ دیکھیں کہ اس کے کتنے ممکن حل ہو سکتے ہیں جن سے آپ کی زندگی میں خوشگوار تبدیلیاں رونما ہو سکتی ہیں۔تصویر کے دونوں پہلوؤں کو دیکھ کر جو بھی فیصلہ کیا جائے اس پر

پوری طرح سے عمل درآمد کرنے کا بھرپور ارادہ بنائیں اور فوراً اسے پیشتر عمل کرنا شروع کر دیں کیونکہ اگر آپ نے سوچ سمجھ کر بھی فیصلے کرکے عمل میں دیر کی تو پھر ہو سکتا ہے کہ آپ تندرستی کی جانب نہ بڑھیں اور رفتہ رفتہ یہ ڈپریشن آپ کو تنہائی کی جانب لے جائے اور تنہائی کا مطلب ہے کہ آپ زندگی کو آہستہ آہستہ زہریلا اس ڈپریشن کی مدد سے کر رہے ہیں اور آپ موت کو دعوت دے رہے ہیں کہ وہ آپ کو ختم کر دے۔ اس لئے دل پر جبر کرکے لوگوں سے ملیں، خوش رہیں اور اپنے دل میں کوئی بات نہ رکھیں انکو دوستوں سے یا لکھ کر بیان کر لیا کریں اور کسی بھی بات کو دل پر یا دماغ میں اس قدر جگہ نہ دیں کہ وہ آپ کی پرسکون زندگی کو تباہ کر دے۔ آپ پریشان ہونا چھوڑ دیئے کچھ معاملات کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر چھوڑ کر اپنے آپ کو اس بات کی طرف قائل کریں کہ دنیا میں ہر کام کرنے والا ہے وہی سب سے بہتر ہمارے حق میں فیصلہ کرتا ہے کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے۔

لیجئے جناب 17 جون کو ڈاکٹر طاہر القادری کی عوامی تحریک کے کارکنان کے ساتھ جو سلوک کیا گیا ہے وہ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ اس ملک میں عوام کا سوچنے والے لیڈران اور معصوم عوام کی کیا قدر ہے؟ موجودہ جمہوری حکومت اسی عوام کے ووٹوں سے برسراقتدار میں آئی ہے اور اسی نے ریاستی دہشت گردی کا مظاہرہ کیا ہے۔ جبکہ ہمارا دستور عوام ایسی کسی کاروائی کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ ''آئین پاکستان کا تقاضا صرف انتخابات کروانا اور اقتدار آگے منتقل کروانا ہی نہیں بلکہ عوام پاکستان کے بنیادی حقوق پر مبنی آئین پاکستان کی پہلی 40 شقیں بھی توجہ کی متقاضی ہیں۔ ان آئینی تقاضوں سے عمدا روگردانی ملک و قوم کے ساتھ غداری کے مترادف ہے''۔ مگر جناب ایسی باتوں پر کون غور کرتا ہے یہاں تو آئین توڑ مروڑ کر اپنے فائدے اُٹھانا تو پاکستان میں ایک رواج بن چکا ہے۔ قیام پاکستان سے آج تک پاکستان کو جسے مسلمانوں نے اس لئے حاصل کیا تھا کہ یہاں وہ اسلامی طرز زندگی کے اصولوں کے مطابق زندگی گذر سکیں گے مگر یہاں تو روز اول سے ہی ایسی ریشہ دوانیاں شروع ہوئی ہیں کہ نہ تو اس ارض پاک کو استحکام حاصل ہو سکا ہے نہ ہی عوام کے حالات بہتر ہو سکے ہیں۔ اگرچہ یہاں وہ صورت حال نہیں ہے جو کہ قیام پاکستان

سے قبل مسلمانوں کو درپیش تھی مگر بہت سے معاملات میں تاحال کوئی خاص تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے کہ یہاں ہمارے نامی گرامی سیاست دانوں اور نام نہاد لیڈران حضرات نے کچھ ایسا ہونے ہی نہیں دیا کہ ہم ایک باوقار قوم کے طور پر اُبھر سکتے اور عوام بھی خوشحال ہو سکتی۔ پچھلے کئی سالوں سے پاکستان کو ایک تماشا گاہ بنا کر رکھ دیا گیا ہے اور نت نئے سیاسی حربے استعمال کرکے محض اپنے ہی فوائد حاصل کرنا ہمارے سیاسی رہنماؤں کو مطمع نظر بن چکا ہے۔ یہاں کوئی انقلاب کے نعرے کے زور پر، کوئی اسلام کے نفاذ کے اعلان کے ساتھ اور کوئی ملک و قوم کی حالت بدلنے کے دعویٰ کے ساتھ میدان میں اُترتا ہے اور عوام کو بے وقوف بنا کر اپنے بنک اکاؤنٹس کریش کرکے بھرتے ہیں اور نو دو گیارہ ہو جاتے ہیں اور عوام بیچاری یوں ہی غربت، بے روزگاری اور مہنگائی، دہشت گردی، خودکش حملوں میں پس پس کر مرتی رہتی ہے اور انکا کوئی پرسان حال نہیں ہے کہ تماشا گاہ میں بس عوام جو کہ مفاد پرست سیاست دانوں کیلئے ایک تماشائی کی حیثیت رکھتے ہیں کو وہ ہاتھ دکھا کر ''یہ جا، وہ جا'' پر عمل کرتے ہیں بیچاری مفلس عوام بس تماشے سے لطف واندوز ہو کر ہی چپ سدھ لیتی ہے۔

2013 کے انتخابات کے بعد سے ایک تماشا ایسا شروع ہوا ہے جو کہ ہمارے ملک کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا ہے کہ اس بار جیتنے اور ہارنے والی دونوں جماعتوں

نے دھاندلی کے الزامات لگائے اور عوام کو بھی سڑکوں پر بھی لائے ہیں۔اس سے عوام کی بھلائی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو سیاست دانوں کی دکانداری خوب چمکی ہوئی ہے۔موجودہ جمہوری حکومت اپوزیشن کے شور شرابے کے باوجود ابھی تک سکون سے اپنی مدت پورا کرنے میں مصروف عمل ہے انکو خطیر رقم سے شروع ہونے والی میٹرو بس پر تنقید پر بھی سننے کو مل رہی ہے مگر فی الوقت سب کچھ پر سکون نظر آ رہا ہے مگر درپردہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید کچھ ہو جائے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ''ن لیگ'' کے خلاف تمام تر جماعتیں اکھٹی ہونا شروع ہو گئی ہیں۔اس حوالے سے عمران خان صاحب اورڈاکٹر طاہر القادری صاحب کے درمیان اہم ملاقاتیں لندن میں ہوئی ہیں اس بار طاہر القادری صاحبکو'' مسلم لیگ ق'' کی جانب سے بھی حمایت مل رہی ہے اور امید واثق ہے کہ دیگر جماعتیں بھی ملک میں حالیہ درپیش مسائل کے حل کیلیئے یکجا ہو کر کسی تحریک کو چلائیں گے اور پھر ملک میں افراتفری کا ماحول بن جائے گا۔عمران خان صاحب کی طرح ڈاکٹر طاہر القادری صاحب بھی ملک میں تبدیلی کے خواہاں ہیں مگر وہ عمران خان کی طرح تبدیلی نظام کے بدلے بغیر لانے کو تیار نہیں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ جب تک یہ نظام جس پر موجودہ جمہوری حکومت آئی ہے وہ ختم نہیں ہوا اس وقت تک حقیقی تبدیلی اس ملک میں رونما نہیں ہو سکتی ہے،نہ ہی عوام کے مسائل حل ہو سکتے ہیں نہ ہی پاکستان کو معاشی استحکام حاصل ہو سکتا ہے۔یہ وہ نقطہ ہے جس پر عمران خان کے ، ساتھ ڈاکٹر طاہر القادری کے درمیان خلیج پیدا ہو سکتی

ہے کہ عمران خان موجودہ نظام میں رہتے ہوئے ہی تبدیلی پاکستان میں لا کر'' نیا پاکستان'' بنانے کا خواب دیکھ رہے ہیں جو کہ حقائق بتا رہے ہیں کہ یوں پورا ہونا ناممکن سا ہے۔ مگر عمران خان اپنی بھرپور کوشش کر رہے ہیں کہ وہ تبدیلی لے آئیں اور پاکستان کا مستقبل سنوار دیں۔

دوسری جانب ڈاکٹر طاہر القادری صاحب پاکستان کو ایک تماشا گاہ مزید نہیں رکھنا چاہتے ہیں اسی وجہ سے وہ عوام کی طاقت کے زور پر انقلاب لا کر پاکستان کے حالات بدلنے کے درپے ہیں۔اس سلسلے میں دیگر جماعتیں ان کے ساتھ ملنا تو چاہ رہی ہیں مگر ڈاکٹر صاحب کو سوچ سمجھ کر ہی اس حوالے سے اہم فیصلہ کرنا ہوگا کیونکہ یہ تو تمام تر باشعور طبقہ جانتا ہے کہ اگر تبدیلی کے لئے پرانے سیاست دان سنجیدہ ہوتے تو بہت عرصہ پہلے ہی انقلاب آ چکا ہوتا اور آج دو وقت کی روتی کیلئے غریب کو دوسروں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانے پڑتے اور نہ ہی ہمارا ملک اپنے معاشی استحکام کیلئے آئی ایم ایف ، ورلڈ بنک وغیرہ سے قرضے لے کر اپنی معاشی بقا کو قائم رکھتا۔ اگرچہ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کی باتیں خوش کن ہیں اور ریوں بھی بہترین مقرر ہونے کی وجہ سے وہ پاکستانی عوام کے دلوں میں جگہ بنا رہے ہیں مگر انقلاب کیلئے انکو بھی اس قدر عوام کے دلوں کو مسخر کرنا ہوگا کہ وہ نام نہاد و مفاد پرست لیڈروں کی باتوں میں نہ آئیں اور انکے ساتھ انقلاب کی راہ ہموار کریں۔ مگر ساتھ ساتھ

انکو اپنے اُوپر لگائے جانے والے الزامات بھی عمران خان کی طرح ثابت کرنا ہونگے تاکہ عوام کے دلوں سے شکوک وشبہات دور ہو سکیں۔سب سے بڑا ان پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ دہری شہریت رکھتے ہیں اگرچہ اس حوالے سے انکے دلائل مدلل ہوتے ہیں کہ وہ کیوں رکھتے ہیں؟مگر مخالفین اس پر چپ ہونے کو نہیں آ رہے ہیں بقول انکے وہ محب وطن کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ وہ دہری شہریت رکھتے ہیں ''یوں بھی وہ اس ملک '' میں انقلاب لانے کی باتیں کرتے ہیں اگر وہ ''دہری شہریت'' کو ترک کر دیں تو پاکستان کی سیاست میں بڑا انقلاب سا آ جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ ہمیں اس کے بعد نیا پاکستان دیکھنے کو مل جائے۔عمران خان کے ساتھ مل کر وہ نئی تحریک چلانے کا سوچ رہے ہیں مگر اس بار بہت کچھ سوچنا پڑے گا یہ نہ ہو کہ عوام ان سے بددل ہو جائے اور انکی ساری محنت غارت ہو جائے ۔چونکہ انکی باتیں ایسی ہیں جو کہ عوام کیلئے فائدہ مند ہوتی ہیں اسی وجہ سے انکو ذرائع ابلاغ میں کوریج بھی خوب دی جا رہی ہے اور چند حلقوں میں یہ بات ہضم نہیں ہو پا رہی ہے کہ ایسی جماعت جس نے 2013 کے انتخابات میں حصہ ہی نہیں لیا تھا اس کو اس قدر اہمیت دی جا رہی ہے جبکہ بات واضح ہے کہ ڈاکٹر طاہر القادری جو بھی کہتے ہیں وہ سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ ایسا ہونا چاہیے مگر کوئی ایسا کرنے دینا نہیں چاہتا ہے۔اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی حکمت عملی کا اظہار کر دیا ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟ عمران خان بھی وقتاً فوقتاً اپنے بیانات سے ماحول گرم کر رہے ہیں اب دیکھنا

یہ ہے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے یہ وقت بتائے گا؟ فی الوقت تو ''ن لیگ'' کو اگرچہ اپوزیشن کے اختلاف کو برداشت کرنا پڑتا ہے اور احتجاج کو جمہوری حق سمجھتے ہوئے دیگر جماعتوں کو موقعہ دینا پڑ رہا ہے ساتھ ساتھ حکومتی رٹ برقرار رکھنے کیلئے ضروری اقدامات کرنا پڑتے ہیں مگر یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ عوام کی تحفظ کی ذمہ داری انکی ہی موجودہ جمہوری حکومت ہے بصورت دیگر کل کلاں کو یہ الزام بھی لگایا جاسکتا ہے جو کہ عوام کے تحفظ میں مکمل طور پر موجودہ جمہوری حکومت ناکام ہو چکی ہے۔ اگر موجودہ جمہوری حکومت عوام کی بھلائی کی دعویٰ دار ہے مگر حقائق اس کے برعکس دکھائی دے رہے ہیں، اور 17 جون کو ایک ایسی جماعت جو پرامن رہتی ہے اس کے کارکنان کے ساتھ ایسا بےہمانہ و سنگ دلانہ کاروائی جمہوری حکومت کے منہ پر زوردار طماچہ ہے۔ پاکستان عوامی تحریک کے کارکنان کے ساتھ جو ہوا سو ہوا، اب مزید جلتی پر آگ طاہر القادری صاحب کے فرزند پر ایف آئی آر کا اندراج بھی یہ بات ظاہر کر رہی ہے کہ موجودہ حکومت کے اعلیٰ عہدیداران عوام کے بارے میں اور طاہر القادری وانکے بیٹوں کے خلاف کیا عزائم رکھتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ درپیش تمام تر مسائل کی جانب خاطر خواہ توجہ دی جائے، بصورت دیگر انقلاب کی راہیں خود بخود ہموار ہو جائیں گی اور ہو سکتا ہے کہ ایک ایسا پاکستان ملے اقبالؒ کے خواب کی تعبیر ہو۔ اور طاہر القادری کے خلاف جانے والے اقدامات ہی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتے ہیں کہ پاکستان اب ایسے تماشوں کا جو

لاہور میں ہوا ہے کا مزید متحمل نہیں ہو سکتا ہے۔

توہین محبت

محبت کے بارے میں اب تک بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جاتا رہے گا، محبت کرنے والوں کی کہانیاں بھی لکھی جاتی رہیں گی اور محبت کرنے والے کردار ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ مجھے کافی عرصہ سے محبت کے اُوپر کسی نہ کسی وجہ سے لکھنا پڑ رہا ہے اس بار بھی دو کرداروں کے درمیان محبت کی داستان رقم ہوئی ہے اور اس کو بیان آج کچھ یوں کروں گا کہ اس سے محبت کرنے والے یا اس اس کا دعویٰ کرنے والے کچھ سیکھ سیکھیں۔ یہ کہانی حال ہی میں رونما ہوئی ہے اگرچہ اس کا ابھی منطقی انجام نہیں پہنچا ہے مگر محبت کے دعویٰ داروں کا محبت پر انوکھا رویہ آپ سے بیان کرنا ضرور سمجھا تو انکی کہانی پیش کر رہا ہوں۔ اس کہانی کے دو مرکزی کرداروں فائزہ (فرضی نام) اور شہاب (فرضی نام) کی کہانی کا آغاز یوں ہوتا ہے کہ ایک روز شہاب فیس بک پر فائزہ نامی پروفائل پر دوستی کا پیغام دیتا ہے اور یوں انکے درمیان دوستی کا آغاز ہوتا ہے جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے دونوں کے جذبات ایک دوسرے کیلئے دوستی کے رشتے سے زیادہ محبت میں الجھنے لگتے ہیں اور ایک روز شہاب کی طرف سے اظہار محبت ہوتا ہے اور بعد ازں فائزہ بھی اس کا مثبت جواب دے کر محبت کرنے والوں کی فہرست میں اپنا نام درج کروالیتی ہے اور انکی تقریباً روزانہ ہی فیس بک پر گپ شپ لگتی رہتی ہے اور ایک دن یہ

موبائل فون پر ایس ایم ایس اور پھر فون کال پر آجاتی ہے اور انکے درن رات یوں ایک دوسرے کی قربت میں گزرنے لگتے ہیں اور محبت میں شدت بڑھتی جاتی ہے۔ ایک روز شہاب فائزہ سے کہتا ہے کہ مجھے تم سے شادی کرنی ہے تو وہ کہتی ہے کہ میں بہت کمزور سی لڑکی ہوں، اپنے گھر والوں کی عزت کی پروا ہے وہ کیا سوچیں گے کہ یہ خود اپنی شادی کیلئے ہلکان ہو رہی ہے۔ میرے گھر والوں کی بدنامی ہوگی میں انکی نظروں میں ھر جاؤں گی۔اپنے تمام بہن بھائیوں کا سامنا نہیں کرپاؤں گی۔اسی طرح کی بہت سی باتیں انکے درمیاں تین چار مہینوں میں ہوتی رہیں اور تین دفعہ وقتی علیحدگی بھی ہوئی مگر محبت میں طاقت ہوتی ہے وہ پھر اپنا اثر دکھاتی ہے اور یوں دونوں پھر ہر بار پاس آگئے۔فائزہ ایک خواتین کی یونیورسٹی کی طالبہ تھی باشعور تھی اُسے اگرچہ اچھے برے کی تمیز تھی مگر اس بات سے واقفیت نہیں رکھتی تھی یا نظرانداز کرتی تھی کہ محبت میں محبوت کی قربت ہی سب کچھ ہوتی ہے اور اس کے سہارے ہی زندگی حسین تر ہو جاتی ہے۔مگر وہ شہاب کو فرقان (فرضی نام) جو کہ اس کا قریبی رشتہ دار بھی تھا کی گھر والوں کی شادی کی باتیں بتا بتا کر اُسے جلایا کرتی تھی یا اس سے دوری کے بہانے تلاش کرتی تھی تاکہ وہ جو محبت میں گرفتار نہیں ہونا چاہتی تھی جسے اس خلفشار کی وجہ سے ذہنی دباؤ ہوتا تھا کہ وہ کیوں محبت میں بتلا ہوئی ہے۔دوسری طرف شہاب اپنے محبت کے پاکیزہ جذبے سے سرشار ہو کر اسے

اپنانے کا کہا کرتا تھا مگر وہ ان باتوں کو اکثر ہنسی میں اُڑ دیتی تھی یا کوئی ایسی بات کرتی تھی کہ دونوں میں گرما گرمی ہو جایا کرتی تھی۔اس میں تلخی اور تب بڑھتی تھی جب وہ کہتی تھی کہ سلمان (فرضی نام) جو کہ فرقان کا بھائی بھی تھا، اس پر مرمٹا ہے اور وہ اس سے شادی کا خواہشمند ہے وہ اس کے جذبے سے واقف تھی مگر اس سے پوری دوری اختیار نہیں کر پا رہی تھی کہ دونوں کے درمیان رشتے داری تھی، ساتھ ساتھ وہ خود بھی اسے کالز اور ایس ایم ایس کے زریعے تنگ بھی کرتا تھا اور ایک روز اس نے شہاب کی ٹانگیں بھی توڑنے کا فائزہ کو کہا تھا جس سے وہ نرم دل رکھنے کی وجہ سے اس سے لحاظ کرکے کہ رشتہ دار ہے چپ ہو جاتی تھی۔لیکن شہاب کو وہ تمام تر مسائل سے آگاہ کرتی رہتی تھی کہ اس کے دل میں محبت تھی اور خود بھی ایک ہونا چاہتی تھی مگر فطری طور پر کمزور اور کم حوصلہ ہونے کی ہونے کی وجہ سے کوئی حتمی فیصلہ اسکے ساتھ دینے کا نہیں کر پا رہی تھی۔

دوسری طرف جب شہاب نے شادی پر زور دیا تو مختلف بہانے بنائے کہ دونوں کی عمر وں میں فرق ہے؟ابھی اس کی پڑھائی مکمل نہیں ہوئی ہے اور ابھی شادی یوں بھی نہیں ہو سکتی ہے کہ اسکی بہنوں کی شادی ہو گی تب جا کر اس کا نمبر آئے گا؟ مگر پھر بھی وہ اس بات سے ڈرتی تھی کہ کہیں والدین اس شادی سے انکار نہ کر دیں مگر بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ اس بات سے خائف تھی کہ والدین کی عزت

کا کیا ہوگا وہ تو داغ دار ہو جائے جب انکو پتا چلے گا کہ انکی بیٹی کے کسی کے ساتھ مراسم ہیں اور انہی وجوہات کی بناء پر دونوں کے درمیان آج کل خفگی چل رہی ہے۔ فائزہ اپنی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کر رہی ہے جو کہ محبت کرنے والوں کا شیوہ نہیں ہے مگر شاید والدین کی محبت اُسے ایسا کرنے پر مجبور کر رہی ہے مگر سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ انکی محبت کی توہین کر کے ہی تو وہ شہاب کی محبت میں گرفتار ہوئی تھی اگر انکی محبت اس قدر تھی تو وہ کیوں کسی غیر کی محبت میں پھنس گئی اور جب بات شادی تک گئی تو والدین کی عزت کا خیال یاد آیا۔ اس کہانی میں بہت سے باتیں ایسی تھیں جس نے مجھے اس حوالے سے لکھنے پر محبت کیا ہے۔ فیس بک پریوں بھی آج کل بہت سے لوگوں کے اصل چہرے سامنے آ رہے ہیں وہ چھپ نہیں پا رہے ہیں۔ اس کہانی میں بھی دونوں کرداروں کے چہرے سامنے آئے ہیں کہ ایک طرف شہاب اپنی محبت میں سچائی رکھتا ہے اور دوسری طرف فائزہ محبت کے دعویٰ کے بعد محبت حاصل کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتی ہے اگر محبت کے کلیے کو مد نظر رکھا جائے تو محبت میں محبوب کا حصول ہی معراج ہوتا ہے۔

مگر جناب آج کل کے دور میں سب ہی محبت کا دل لگی کے لئے بدنام کر رہے ہیں اور اگر محبت کو پانا ہی نہیں ہے تو آپ اس جذبے سے دور رہیں یا پھر اپنے احساسات و جذبات سے دوسروں کو آگاہ ہی مت کیجئے۔ خاموش محبت ہی آپ کیلئے

بہترین ہے کہ آپ خود کرتے رہیں مگر جب آپ اظہار کرلیں تو پھر محبت کے حصول کے لئے کوشش کریں۔ محبت اللہ تعالیٰ سے ہو یا حضرت محمد ﷺ سے ہمیں انکی محبت پانے کے لئے اپنی ذات میں تبدیلیاں لانی پڑتی ہیں اور ایسے کام کرنے پڑتے ہیں کہ ہمیں انکی خوشنودی حاصل ہوسکے۔ مگر آج کل تو محبوب کی خوشی سے زیادہ مفاد پرستی ہی نظر آتی ہے، کہیں ہوس کی محبت ہے کہیں حسن کی محبت ہے، کہیں وقت گزاری کرکے محبت جتا کر دیگر فوائد حاصل کئے جاتے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ ہمیں اس وقت ہی کیوں والدین کی عزت داؤ پر لگی ہوئی نظر آتی ہے جب کوئی ہمارے ساتھ بالخصوص محبت کی شادی کرنا چاہ رہا ہوتا ہے۔ اسلام بھی بچوں کی شادی کے حوالے سے پسند کو مدنظر رکھنے کا حکم دیتا ہے مگر جناب یہاں بچے بھی اور والدین بھی اپنے فرائض پورا کرنے کو تیار نہیں ہیں اور اسلام کے نام لیوا ہی اسلام کی تعلیمات کی دھجیاں اُڑنے پر تلے ہوئے ہیں۔ پسند کی شادی کو ہمارے معاشرے میں گناہ کبیرہ سمجھا جاتا ہے۔ نیز اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کے دعویٰ دار ہیں تو انکے احکامات و تعلیمات پر عمل کریں بصورت دیگر ان کی حکم عدولی سے اُنکی محبت کی توہین ہم نا چاہتے ہوئے بھی کر رہے ہوتے ہیں اور ہمیں خبر بھی نہیں ہوتی ہے کہ کیا گناہ ہم سے سرزد ہوا رہا ہے۔

اگر فائزہ ذرا سی ہمت پکڑ لیتی اور والدین تک رشتہ بھجوانے کا شہاب کو

کہتی تو شاید حالات دونوں کے بہتر ہو جاتے اور دونوں اپنی زندگی سکون سے بسر کر سکتے مگر حد سے زیادہ جذباتی پن بھی اکثر انسان کو تاحیات پچھتاوا میں ملوث رکھتا ہے۔ ۔والدین بھی بچوں سے پیار کرتے ہیں اگر وہ انکی پسند جان لیا تو خوامخوہ دوسروں کی یا معاشرے سے زیادہ اپنے جان ار بچوں کی خوشیوں کا خیال کریں۔آج کل یوں بھی کورٹ میرج کی شادی کا رواج عام ہوتا جا رہا ہے اسکی بنیادی وجہ بھی یہی ہے کہ والدین انا کے سامنے جھک جاتے ہیں ۔حالانکہ والدین کو بچوں کی شادیاں انکی پسند سے کرنی چاہیں اگر کوئی مناسب.بر مل جائے مگر یہاں تو جناب فساد ہو جاتا ہے کہ اس کو جرات کیسے ہوئی ایسی بات کہنے کی اور اسی وجہ سے لڑکیاں اپنے جذبات کو چھپاتی ہیں تاکہ والدین کی عزت قائم رہے مگر ایسا اگر وہ اس حد تک جانے سے قبل ہی سوچ لیں تو کسی دوسرے کے جذبات کو بھی ٹیس نہ پہنچے ،لڑکیاں خود نازک ہوتی ہیں اور محبت میں گرفتاری کے بعد انکی اپنی زندگی بھی اجیرن ہو جاتی ہے جب انکی شادی کہیں اور ہوتی ہے اور عمر بھر کا شکوہ ساتھ رہتا ہے۔محبت کرنا گناہ نہیں ہے مگر آپ دوسرے کا دل توڑ کر گناہ مول نہ لیں ،یہ سوچنا غلط ہے کہ دوسرا انکو ایک دن معاف کر دے گا مگر اُوپر والی ذات انصاف کرنے والی ہے وہ ایک دن آپکو پکڑ سکتی ہے۔محبت کی توہین مت کیجئے ایسے پاکیزہ جذبے کی اگر آپ قدر نہیں جانتے ہیں تو اس سے دور رہیے ،آپ محبت، پانے کی کوشش کریں اگر آپ کا جذبہ سچا ہے تو آپ محبت پا سکتے ہیں ۔محبت انسان کو بیک وقت.بزدل اور

بہادر بنا سکتی ہے آپ اگر اللہ پر یقین رکھتے ہیں تو مثبت سوچ رکھیں آپ بہادری کے ساتھی اپنی محبت کو پا سکیں گے۔لیکن آپ اس بات کا حق نہیں رکھتے ہیں کہ خود محبت میں بہت آگے جا کر کسی کے احساسات وجذبات کو محض اپنے فائدے کیلئے ٹھکرا دیں محبت کی توہین کرکے آپ خود کسی کی بھی محبت رکھنے کے حقدار نہیں ہو سکتے ہیں۔اگر والدین ہی آپ کیلئے سب کچھ ہیں تو پھر آپ ان سے ہی پیار کریں،مگر جب آپ کسی اور سے کریں گے تو آپ کو بہت کچھ داؤ پر لگانا پڑے گا۔

اب فیصلہ آپ کے ہاتھوں ہے کہ محبت کی توہین کرنا چاہتے ہیں یا پھر محبت کے سمندر میں ہمیشہ کیلئے سفر کرنا چاہتے ہیں۔آخری بات میں یہ کہنا چاہوں گا کہ والدین کو اپنے بچوں بالخصوص لڑکیوں کو دوسروں میں کسی بھی حوالے سے وہاں رہنے کیلئے نہیں بھیجنا چاہیے کہ وہاں انکو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ اپنی فطری شرم وحیا کی وجہ سے ایسی باتیں ان سے کہنے سے ڈرتی ہیں اور جب پانی سر سے گذرتا ہے تو بہت کچھ ہو چکا ہوتا ہے،اس کہانی میں بھی سلمان کا رویہ بھی اس وجہ سے کچھ حد سے آگے بڑھا تھا کہ فائزہ اسکے گھر اکثر قیام پذیر ہوا کرتی تھی اور وہاں مقیم ہونے کی وجہ سے ہی سلمان کو اس سے محبت کو جنون سوار ہوا تھا۔اس لئے تمام والدین سے گذارش ہے کہ اس حوالے سے احتیاط کا مظاہرہ کیا کریں تو بہتر ہوگا ورنہ انکا سر بھی کسی دن

جھک سکتا ہے۔ محبت کسی سے بھی کسی بھی وجہ سے ہو سکتی ہے مگر آپ اگر محبت کرنے والوں کا ہاتھ پکڑ کی بجائے ان سے دور جانے کی کوشش کریں گے تو یاد رکھئے گا آپ ایک دن تنہا ہونگے اور اس وقت آپ کو احساس ہوگا کہ آپ نے کسی محبت کی توہین کی تھی تب آپ کے پاس سوائے پچھتاوے کے کچھ باقی نہ ہوگا۔

اللہ کے نام پر

ایک فقیر پھل فروش کی دکان پر گیا اور کہا ''اللہ'' کے نام پر ایک آم دے دو۔
دکاندار نے ایک گلا سڑا خراب آم فقیر کو دے دیا۔اُس پر فقیر نے بیس روپے دکاندار کو دیئے کے انکے آم دے دو۔
تو دکاندار نے اُس کو دو اچھے اور بہترین آم دیئے۔ فقیر نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا ''اے اللہ تو گواہ رہنا''، دیکھ تیرے بندے نے تجھے کیا دیا ؟ اور مجھے کیا دیا؟
ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ ایسا ہم میں سے کتنے لوگ کر رہے ہیں ؟ کیا ہم نے اس حوالے سے کبھی سوچا ہے کہ ہم اس بابت روز محشر خداوند کریم کو جواب دہ ہونگے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے ہم راہ خدا میں اکثر و بیشتر پرانی اشیا، بے کار کپڑے دیتے ہیں یا پھر دکھاوے کی نمازیں ادا کرتے ہیں، اپنے نام کو روشن کرنے کیلئے لوگوں کی امدادیوں کرواتے ہیں کہ اخبارات میں تصویریں

شائع کروا کے بطور نشانی اپنے ڈرائنگ رومز کی زینت بناتے ہیں۔جب کہ ہم جس کیلئے یہ سب کر رہے ہوتے ہیں۔وہ قادر مطلق ہماری شہ رگ سے قریب تر ہے وہ سب جاننے والا ہے ؟ مگر پھر بھی پتا نہیں کیوں ایسا کرکے خوش فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ ہم تو اللہ کی راہ میں بڑا خرچ کرنے والے ہیں؟ہم سے اکثر تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ڈرتے ہیں جب کہ ہمیں وہی ذات ہی عطا کرنے والی ہے۔

اللہ کے نام پر نہ دینے والوں کی بڑی مثال تو یہ ہے کہ ہر سال جب بھی زکوۃ بنکوں سے کاٹی جانے لگتی ہے تو لوگ فوراً ہی اپنی رقوم نکال لیتے ہیں اگرچہ اس حوالے سے بہت کچھ کہا جا سکتا ہے کہ زکوۃ درست جگہ استعمال کاٹے جانے کے بعد استعمال نہیں ہو گی۔ مگر جناب اگر اللہ کے حکم سے روگردانی کرنے کی کوشش کی جائے گی تو باقی کیا رہ جائے گا؟ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اللہ کے نام پر بڑھ چڑھ کر خرچ کریں جتنا ہم دیں گے اس سے بڑھ کر ہمیں وہ ذات عطا کرے گی ۔ہمیں اس حوالے سے اپنی سوچ کو مثبت کرنا ہو گی کہ اللہ کے نام پر عمدہ چیزیں اور اعمال سرانجام دیں تاکہ روز محشر ہم اللہ تعالی کے سامنے سرخرو ہو سکیں اور حضور ﷺ کی بھی شفاعت حاصل ہو سکے۔

اک تشنگی سی باقی ہے

علی عمران کی بار بار فون کالز آ رہی تھیں اور میں انجان بنی یوں موبائل کو دیکھ رہی تھی جیسے اس میں کوئی خاص چیز چھپی ہوئی ہے۔میں جتنا بھی اس سے دور جانا چاہ رہی تھی وہ اُس قدر ہی میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔آخر کار میرے موبائل پر اس کا نمبر ظاہر ہونا بند ہوا اور مجھے یوں لگا جیسے ہفت اقلیم حاصل ہوگیا ہو۔پتا نہیں زندگی میں کچھ لوگ جب تک ساتھ رہتے ہیں ہم اُن سے دور نہیں ہونا چاہتے ہیں مگر جب وہ کسی اور کے ساتھ اپنا تعلق جوڑ لیتے ہیں تو ان سے ہمیں بے پناہ محبت ہونے کے باوجود بھی انس برقرار رہتا ہے۔دل بارہا دفعہ اس کیلئے دھڑکتا ہے مگر ہم بس اپنی ذات میں مگن رہتے ہیں اور زندگی کو جیسے کیسے جینے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔یوں بھی ہماری زندگی مختصر سی ہوتی ہے ہم ایک دن دکھ درد برداشت کرتے کرتے اس جہاں فانی سے رخصت ہی ہو جاتے ہیں اور میں جو نام کی مسکان ہی ہوں بس ایک ایک پل خوشی کے لئے بالخصوص ہوش سنبھالنے کے بعد سے رہی ہوں۔مجھے تو یوں لگتا ہے کہ میں اس دنیا میں بس دوسروں کی خوشیوں کی فراہمی کا سبب ہی ہوں ، اپنے لئے تو مجھے خوش ہونا ہی نہیں ہے۔میرے زندگی کے حالات نے مجھے وہ بنایا ہے جو میں نے شاید کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔مجھے جو جانتے ہیں وہ بھی پوری طرح سے مجھ سے باخبر نہیں ہوں کہ میں خود کہاں

اپنے آپ سے اتنا واقف ہو پائی ہوں۔
میں بس اتنا جانتی ہوں کہ جب چھوٹی تھی تو میرے لئے ننھی ننھی سی خوشیاں اہمیت رکھتی تھیں اور میں یوں ہنستے کھیلتے اس عمر میں پہنچ گئی جہاں شعور آتا ہے اور کچھ کر دکھانے کا جذبہ دل میں پیدا ہوتا ہے۔ میں بھی بہت کچھ کرنا چاہتی تھی۔ میری خواہش تھی کہ میں ڈاکٹر بن کر اپنے خوابوں کی تکمیل کروں۔ وہ خواب جو میں نے سوتے جاگتے دیکھے تھے اور میں پھر یوں پڑھائی میں جت گئی کہ مجھے آپ اپنی خبر نہیں تھی کہ میں خود کیا ہوں۔ وقت گذر رہا تھا اور میں اپنے خوابوں کی تکمیل کے روز بروز قریب تر جا رہی تھی۔ انہی دنوں مجھے علی عمران کی جانب سے پسندیدگی کے اظہار کے پیغامات ملنا شروع ہوئے اور میں شروع میں گھبرائے گھبرائے ہوئے اپنی والدین کی عزت کا خیال کرتے ہوئے اس سے چار وناچار دور رہی اور اُسے مستقل نظر انداز کرتی رہی اور اپنی پڑھائی کی جانب اپنی توجہ مرکوز رکھی۔ مگر جناب جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ پانی اگر پتھر پر بھی گرتا رہے تو وہ بھی آخر ایک دن ٹوٹ جاتا ہے اور پھر میں تو ایک گوشت پوست کی انسان تھی اور میرا بھی ایک دل تھا۔ یوں رفتہ رفتہ میں اس کے قریب جانے لگی اور پھر وہ سب ہونے لگا جو ایک روایتی محبت کی داستانوں میں ہوتا ہے۔ ہمارا آپس میں رابطہ ہونے لگا اور ہم روز بروز ایک دوسرے کے قریب ہونے لگے اور یوں ہم جو پہلے ایک دوسرے کی قدر جاننے سے

انکاری تھے۔اب پاس آئے تو ایک پل کی دوری بھی عذاب لگنے لگی تھی ۔اور میں اپنے پہلے عشق ڈاکٹری سے بھی رفتہ رفتہ دور ہونے لگی۔ محبت کے شروع کے عرصہ میں تو اسکی تمام تر باتیں مجھے جذباتی طور پر متاثر کر رہی تھیں مگر جب آہستہ آہستہ وہ کھلا تو پتا چلا کہ اس کی محبت میں کچھ جنون سا ہے اور وہ محبوب کو اپنی ملکیت سمجھنے لگا تھا۔مجھ پر اس کی روک ٹوک زیادہ ہونے لگی اور میں ذہنی طور پر پریشان رہنے لگی کہ ایسا تو میں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ میرے ساتھ یوں محبت میں ہوگا۔

مجھے جنون کی حد تک ڈاکٹر بننے کا شوق تھا اور مجھے اس نے پڑھائی کے حوالے سے روکا تو مجھے بہت غصہ آیا، روئی مگر پھر اس کی محبت کی وجہ سے پڑھائی سے بھی دور ہونے لگی ۔آپ سے اب کیا چھپاؤں عشق کی مار بڑے بڑوں کو سیدھا کر دیتی ہے اور میں تو یوں بھی معصوم سی تھی اُن دنوں دنیا کی اس قدر خبر نہیں تھی کہ یہاں لوگ کیسے ہیں اور اپنے مطلب کی خاطر کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ علی عمران بھی کچھ ایسا ہی میرے ساتھ کرنے لگا کہ میں چاہت رکھنے کے باوجود اس سے دوری پر مجبور ہوتی گئی ۔ محبت میں تو محبوب کی خوشنودی کا خیال رکھا جاتا ہے مگر وہ میرے ہی درپے ہوگیا تھا تو میں اس سے ایک دن چند واقعات کی بنا پر دور ہو گئی ۔اور وہ میرے پیچھے پڑ گیا اور بار بار مجھے فون کالز کرنے لگا تھا ابھی جب میں نے یہ کہانی شروع کی ہے تو یہ انہی دنوں کا واقعہ تھا اور پھر کچھ عرصہ بعد اس کی شادی ہو گئی اور میرے دل پر ایک پتھر سا

لگا میں نے یہ چوٹ کھالی اور دل کو تسلی دی مگر نادان دل تھا کہ بس اسی کو پوجنے کی فکر میں تھا۔

علی عمران تو مجھ سے دور ہو ہی گیا تھا مگر میرے زندگی کے ابھی کم عمری میں ہی عذاب کچھ کم نہ ہوئے تھے۔ میرے خواب بھی جو کاشان سے محبت کے بیچ میں رہ گئے تھے تو اس کو پورا کرنے کا سوچا تو میری زندگی نے میرے ساتھ پھر کھیلنا شروع کر دیا تھا۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ جب اللہ تعالیٰ ہی تمام تر حالات و واقعات جانتا ہے اور وہ اس بات سے بھی باخبر ہے کہ انسان کمزور ہے تو وہ اس کو کیوں طرح طرح کے امتحانات سے گذارتا ہے؟ کیوں وہ کسی کو کسی کے بہت پاس لا کر پھر اس سے دور کرتا ہے؟ جب ہماری پیاس نے ختم ہی نہیں ہونا ہے تو پھر ہمیں پانی کی جھلک کیوں دکھاتا ہے؟ میرے ساتھ بھی زندگی کا یہ پہلو بہت دیر سے سامنے آیا تھا کہ یہ سب کیوں ہوتا ہے مگر جب ہو رہا تھا تو میں اس حوالے سے دن رات پریشان رہا کرتی تھی۔ میرے خواب بھی اس وقت چکنا چور ہو گئے جب میں میڈیکل کے شعبہ میں جانے کیلئے رائج انٹری ٹیسٹ بھی پاس نہ کر سکی تھی۔ اس کی بڑی وجہ میری محبت میں مبتلا ہونا بھی تھا۔ اس ناکامی پر میرے دوستوں نے مجھے پھر سے زندگی کی طرف لائے اور پھر ایک نئی کوشش کی طرح توجہ مرکوز کروائی۔ اس بار میں نے ذہن سے سب کچھ ماضی کے واقعات فراموش کرنے کی کوشش کرکے امتحان دیا اور شومئی قسمت اس دفعہ میں اس امتحان میں پاس تو ہوئی مگر

اس دفعہ زندگی نے عجب کھیل کھیلا کہ میں چند ناگزیز وجوہات کی بنا پر میڈیکل میں داخلہ نہ لے سکی اور یوں زندگی کے تمام تر تجربات سے گذر کر اب میں اپنے والدین کی مرضی کے مطابق پڑھائی کو کچھ اپنی دلچسپی اور کچھ دل پر جبر کرکے اُن کو خوش کرنے کیلئے کر رہی ہوں۔

امید ہے کہ مجھے میرے نصیب کی خوشیاں اگر لکھی ہیں تو میرے چہرے پر بھی حقیقی مسکان آسکے گی اور میں زندگی کو بہترین انداز سے گزار سکوں گی۔ فی الوقت تو یہ لگتا ہے کہ قدرت کو مجھ سے ابھی اور بھی امتحانات لینے ہیں اور میں دوسروں کے ساتھ رہتے ہوئے بھی انکے ساتھ نہیں ہوں، بظاہر تو ہنس بول لیتی ہوں مگر محبت اور ادھورے خواب کی تکلیف ابھی بھی اندر موجود ہے اور اس پر کبھی کبھار سوچتی ہوں تو الجھ کر رہ جاتی ہوں، سوچتی ہوں کہ کیا اسی کیلئے میں دنیا میں آئی تھی؟ کیا ہم اپنی مرضی کی زندگی کو بسر کرنے کے حقدار نہیں ہیں؟ ہماری زندگی میں بہت سے سوالوں کے جواب ہمیں مل بھی جائیں تو بھی ہم ان کے جوابات سے نظریں نہیں ملا سکتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ بالکل گمنامی میں رہ لیں جہاں ہمیں کوئی کچھ کہنے والا نہ ہو؟ مگر یکسر گمنامی تو دنیا میں ممکن ہی نہیں ہے کہ ہم اگر مر بھی جائیں تو بھی کوئی نہ کوئی کبھی نہ کبھی ہماری قبر پر آکر پھول رکھ دے گا اور ہم جہاں کوئی ہمارا ساتھی نہیں بھی ہوگا تب بھی کوئی ہمیں یاد رکھے گا، یہی زندگی ہے اور میں

ایسی ہی زندگی میں اب خوش ہونا چاہتی ہوں اور خوش ہو کر اب کرنا بھی کیا ہے؟جب انسان بہت کچھ کھولیتا ہے تو اس کے پاس مزید کچھ کھونے کو رہ ہی کیا جاتا ہے؟ میرے لئے زندگی اب بس ایک سفر ہے اور دیکھنا مجھے اب یہ ہے کہ سفر کا اختتام کب ہونا ہے؟بس ایک تشنگی باقی ہے کہ ایسا نہ ہوا ہوتا تو میں بھی ایک خوش نصیب ہوتی جس کے خواب پورے ہو جاتے اور میں بھی آج مکان لئے زندگی کے روزوشب کو خوش آمدید کہہ رہی ہوتی؟

انقلاب مارچ، عوام اور آزادی مارچ

پاکستان کا دستور عوام کے حقوق اور انکی رائے کا احترام کرنے کو کہتا ہے۔ ''آئین پاکستان کا تقاضا صرف انتخابات کروانا اور اقتدار آگے منتقل کروانا ہی نہیں بلکہ عوام پاکستان کے بنیادی حقوق پر مبنی آئین پاکستان کی پہلی 40 شقیں بھی توجہ کی متقاضی ہیں۔ان آئینی تقاضوں سے عمداروگردنی ملک و قوم کے ساتھ غداری کے مترادف ہے''۔

مگر جناب ایسی باتوں پر کون غور کرتا ہے یہاں تو آئین توڑ مروڑ کر اپنے فائدے اُٹھانا تو پاکستان میں ایک رواج بن چکا ہے۔ قیام پاکستان سے آج تک پاکستان کو جسے مسلمانوں نے اس لئے حاصل کیا تھا کہ یہاں وہ اسلامی طرز زندگی کے اصولوں کے مطابق زندگی گذر سکیں گے مگر یہاں تو روز اول سے ہی ایسی ریشہ دوانیاں شروع ہوئی ہیں کہ نہ تو اس ارض پاک کو استحکام حاصل ہو سکا ہے نہ ہی عوام کے حالات بہتر ہوسکے ہیں ۔اگرچہ یہاں وہ صورت حال نہیں ہے جو کہ قیام پاکستان سے قبل مسلمانوں کو درپیش تھی مگر بہت سے معاملات میں تاحال کوئی خاص تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے کہ یہاں ہمارے نامی گرامی سیاست دانوں اور نام نہاد لیڈران حضرات نے کچھ ایسا ہونے ہی نہیں دیا کہ ہم ایک

باوقار قوم کے طور پر اُبھر سکتے اور عوام بھی خوشحال ہو سکتی۔

پچھلے کئی سالوں سے پاکستان کو ایک تماشا گاہ بنا کر رکھ دیا گیا ہے اور نت نئے سیاسی حربے استعمال کرکے محض اپنے ہی فوائد حاصل کرنا ہمارے سیاسی رہنماؤں کو مطع نظر بن چکا ہے۔ یہاں کوئی انقلاب کے نعرے کے زور پر، کوئی اسلام کے نفاذ کے اعلان کے ساتھ اور کوئی ملک و قوم کی حالت بدلنے کے دعویٰ کے ساتھ میدان میں اُترتا ہے اور عوام کو بے وقوف بنا کر اپنے بنک اکاونٹس کرپشن کرکے بھرتے ہیں۔ اور نو دو گیارہ ہو جاتے ہیں اور عوام بیچاری یوں ہی غربت، بے روزگاری اور مہنگائی، دہشت گردی، خود کش حملوں میں پس پس کر مرتی رہتی ہے اور انکا کوئی پرسان حال نہیں ہے کہ تماشا گاہ میں بس عوام جو کہ مفاد پرست سیاست دانوں کیلیے ایک تماشائی کی حیثیت رکھتے ہیں کو وہ ہاتھ دکھا کر ''یہ جا، وہ جا'' پر عمل کرتے ہیں، بیچاری مفلس عوام بس تماشے سے لطف واندوز ہو کر ہی چپ سدھ لیتی ہے۔ عوام کی بھلائی کی خاطر اور پاکستان کے روشن مستقبل کی خاطر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب اور عمران خان نے لانگ مارچ اور انقلاب مارچ کا اعلان کیا اور رخت سفر اسلام آباد کی طرف باندھا اور حکومتی ہتھکنڈوں کے باوجود اسلام آباد کے ریڈ زون تک رسائی حاصل کر لی جو کہ محض عوام کی بھرپور شرکت کی وجہ سے ممکن ہو سکی، وگرنہ ایک وقت ایسا بھی آیا جب لگ رہا تھا کہ موجودہ نام نہاد جمہوری حکومت اس بار سخت

رد عمل سے دونوں کو اسلام آباد تک پہنچنے نہیں دے گی مگر جناب عوام کی بھرپور شرکت نے انکے خواب چکنا چور کر دیئے اور دونوں لیڈر تبدیلی کے حصول کے لئے یہاں دھرنا تمام تر مطالبات کی منظوری تک دینے کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔

پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں عمران خان اور طاہر القادری کے انقلاب / لانگ مارچ نے ایک بات توثابت کر دی ہے کہ عوام اب مزید بے انصافی، کرپشن، بے روزگاری، لوڈشیڈنگ اور دیگر بدعنوانی پر مشتمل عوامل کو برداشت کرنے کے حق میں نہیں ہے۔ یہاں بات تعداد کی نہ کی جائے تو بہتر ہے، حق کی آواز اکثر بلند کرنے والوں کی تعداد کم ہی ہوا کرتی ہے کہ سب بلند حوصلہ نہیں ہوا کرتے ہیں انکی وجہ سے اور لوگ میدان میں اترتے ہیں۔ بقول حضرت عمرؓ ''دریائے فرات کے کنارے اگرکتا بھی بھوک سے مرتا ہے تو وہ اسکے ذمہ دار ہونگے ''۔ یہاں انسان قتل ہو رہے ہیں اور کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہے؟ جمہوریت کی بات توسب ہی کرتے ہیں مگر افسوس کی بات ہے کہ جمہوریت کی بات کرنے والوں میں سے اکثر ہی کہیں نہ کہیں جمہوریت کی توہین کر جاتے ہیں اور دوسروں کو جمہوریت کی تلقین کرتے ہیں مگر خود جمہوریت کے تقاضوں پر عمل درآمد کرنے کی زحمت نہیں کرتے ہیں، لیکن نام نہاد جمہوریت میں حکمرانی کے خواہش مند رہتے ہیں اور نام نہاد جمہوریت کو بچا کر جمہوریت کے علمبردار بنتے ہیں ؟ذرا سوچ لیں دیگر ممالک میں جیسا واقعات پاکستان میں ہوتے ہیں وہ

ہوں تو حکمرانی چھوڑ دیتے ہیں یہاں تو عوام کو ہی سڑکوں پر ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے؟ خود دل پر ہاتھ رکھ کر جواب دیں کہ ماڈل ٹاؤن ۔لاہور میں پاکستان عوامی تحریک کے کارکنان پر جو ظلم و ستم کیا گیا ہے وہ کس کے کہنے پر ہوا تھا؟ کیوں ہوا تھا؟ ابھی تک حکومتی دعوؤں کے برعکس انکے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں کیا جا سکا ہے جب کہ مجرموں کو بھی کیفر کردار تک نہیں پہنچایا گیا ہے اور حد تو یہ ہو گئی ہے کہ ان شہدا کی ایف آئی آر بھی نہیں کاٹی گئی ہے آخر اس قدر بے حس حکومت کیوں ہو گئی ہے ؟ کہیں اس کے ہاتھ شہداکے خون سے تو نہیں رنگے ہوئے ہیں ؟ یہ سوالات بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا ہے؟ ہمارا میڈیا بھی حقائق کی درست تصویر نہیں دکھا رہا ہے ایک ایسا چینل جو ہر وقت اپنی وفاداری تبدیل کرتا رہتا ہے وہ خاص کر جب عوام اپنے حق کے حصول کے لئے عمران خان اور طاہر القادری کے ہمراہ اسلام آباد میں جمع ہے تب بھی اکثر میڈیا کے نام نہاد صحافی حضرات اپنے قلم کو لفافے کی سیاہی سے زرد صحافت بنا رہے ہیں اور نہ تو یہاں کوئی قاتلوں سے پوچھنے والا ہے اور نہ ہی ان مفاد پرست سیاستدانوں کا کوئی کڑا احتساب کرنے والا ہے؟

آپ تصویر کے دونوں رخ دیکھ کر فیصلہ کرلیں کہ کیا انتخاب میں دھاندلی کے

الزامات کی تحقیقات کروانا عمران خان کا غلط مطالبہ ہے؟کیا ماڈل ٹاؤن کے سانحے میں مرنے والوں کے خلاف ایف آئی آر کٹوانا اور انکو سزا دلوانا قانون کے خلاف بات ہے؟ملک میں دہشت گردی کے واقعات آج بھی ہو رہے ہیں اور مہنگائی کی وجہ سے غربت کے مارے لوگ خودکشیاں کر رہے ہیں مگر حکومت کے کان پر جوں تک نہیں رینگ رہی ہے اور نہ ہی الیکشن کمیشن کے دھاندلی میں ملوث افراد کے خلاف آئین کے مطابق کوئی کاروائی ہوئی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ غلط کوائف کے ساتھ الیکشن لڑنے اور جیتنے والوں کے خلاف بھی آئین کے تحت کوئی سزا کے لئے کاروائی حکومت کی جانب سے نہیں کی گئی ہے اور پھر بھی جمہوری حکومت کے عہدیداران کا دعویٰ ہے کہ وہ آئین کے مطابق حکومت کرنے کا حق رکھتے ہیں چاہے وہ نام نہاد جمہوریت پر مبنی حکومت ہے، چاہے وہ عوام کو کسی بھی طرح سے کوئی فائدہ نہ دے رہی ہو،چونکہ وہ لوگ ووٹ لے کر چاہے جیسے بھی لے کر اقتدار میں آئے ہیں تو مقررہ پانچ سال تک ہی حکومت کرنے کے اہل ہیں؟

عمران خان صاحب کی طرح ڈاکٹر طاہر القادری صاحب بھی ملک میں تبدیلی کے خواہاں ہیں مگر وہ عمران خان کی طرح تبدیلی نظام کے بدلے بغیر لانے کو تیار نہیں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ جب تک یہ نظام جس پر موجودہ جمہوری حکومت آئی ہے وہ ختم نہیں ہوا اس وقت تک حقیقی تبدیلی اس ملک میں رونما نہیں ہو سکتی ہے،نہ ہی عوام کے مسائل حل ہو سکتے ہیں، نہ ہی پاکستان کو معاشی استحکام

حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ وہ نقطہ ہے جس پر عمران خان کے ساتھ ڈاکٹر طاہر القادری کے درمیان خلیج پیدا ہو سکتی ہے کہ عمران خان موجودہ نظام میں رہتے ہوئے ہی تبدیلی پاکستان میں لاکر ''نیا پاکستان'' بنانے کا خواب دیکھ رہے ہیں جو کہ حقائق بتا رہے ہیں کہ یوں پورا ہونا ناممکن سا ہے۔ مگر عمران خان اپنی بھرپور کوشش کر رہے ہیں کہ وہ تبدیلی لے آئیں اور پاکستان کا مستقبل سنوار دیں۔ دوسری جانب ڈاکٹر طاہر القادری صاحب پاکستان کو ایک تماشا گاہ مزید نہیں رکھنا چاہتے ہیں اسی وجہ سے وہ عوام کی طاقت کے زور پر انقلاب لاکر پاکستان کے حالات بدلنے کے درپے ہیں۔ ڈاکٹر طاہر القادری کی یہاں میں اس لیے بات کرنا چاہوں گا کہ انہوں نے حمام میں ننگے سیاستدانوں کے کرتوں کو بے نقاب کر دیا ہے کہ وہ کس طرح سے اس ملک کی سادہ لوح عوام کے جذبات سے محض اپنے مفادات حاصل کرنے کے لئے کھیل رہے ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ پاکستانی عوام متحد ہو کر اپنے حق کے لئے پُرامن رہ کر اپنی آواز بلند کریں۔ ہمیں بحیثیت اچھے شہری و مسلمان ہونے کے یہ ہماری بنیادی ذمہ داری وفرض ہے کہ کلمہ حق بلند کریں۔ اگر آپ آج بھی گھروں میں بند رہ کر وقت گذارنا چاہ رہے ہیں تو یاد رکھئے گا کہ کل کو آپ آنے والی نسلوں کو جواب دہ ہونگے اور ہماری غفلت کی سزا ہمارے بچوں کو بھگتنا پڑ سکتی ہے۔ جب ہماری اپنی منتخب کردہ نام نہاد جمہوری حکومتیں ہی ہمارا بھلا

نہ کر سکیں تو ایسے حکمرانوں کو ہم سب متحد ہو کر ہی اقتدار سے بھگا سکتے ہیں؟ ذرا سی دیر اپنے لئے نہیں محض پاکستان کے لئے سوچیں اور میدان میں نکل کر ایک عظیم پاکستان کی بنیاد رکھیں ہو سکتا ہے اس پاکستان میں ہمارا بھی حصہ شامل ہو جائے۔ اگر انقلاب مارچ اور آزادی مارچ کے روح رواں عمران خان اور طاہر القادری نے عوام کی اُمنگوں کے خلاف اس بار کچھ کیا تو اس بار عوام انکو معاف نہیں کرے گی اور ہو سکتا ہے کہ انکا سیاسی کیریئر ہی انکے ساتھیوں سمیت ختم ہو جائے اس لئے انکو اپنے مطالبات حکومت سے لازمی منوانے چاہیں تاکہ اس سے عوام اور پاکستان کے حالات میں بہتری آ سکے کیونکہ اب وقت آگیا ہے کہ اس ملک میں کوئی انقلاب آئے ورنہ وہ وقت دور نہیں کہ لوگ اپنے حق کے لئے خود کھڑے ہونگے اور ایک تباہ کن صورت حال پاکستان کو درپیش ہو سکتی ہے۔ موجودہ حکومت بری طرح اب پھنس چکی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اس انقلاب مارچ اور آزادی مارچ سے اس کا مستقبل کس حد تک متاثر ہوتا ہے یا پھر کوئی ہاتھ عوام کے ساتھ سیاست دانوں کی وجہ سے ہوتا ہے؟؟؟؟

محبت، رقابت اور دل لگی

زندگی میں پہلی مرتبہ میرا واسطہ ایک رقیب سے پڑا ہے اور ایسا پڑا ہے کہ گذشتہ چند دنوں سے یہ سوچنے پر مجبور ہو رہا ہوں کہ محبت میں محبوب کی خوشی کا خیال رکھا جاتا ہے؟ یہ کیسی محبت ہے کہ آپ اپنی محبت زبردستی حاصل کرنے کے لئے یا کسی کے دل میں جگہ بنانے کے لئے کسی تیسرے فرد کو جس سے آپ کا واسطہ نہیں ہوتا ہے جا ٹکراتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایسا کرکے محبوب کے دل میں اس کے لئے بنی جگہ ختم ہو جائے اور آپ کی بن جائے تو ایسا نہ تو کبھی ہوا ہے ،نہ ہی کبھی ہوگا کہ دل میں اتر جانے والا یوں آپ کے ڈرانے سے ڈر جائے یا جان آپ لے لو تو محبوب کے دل میں آپ کی اسطرح گندی حرکات کرکے بن جائے۔

یہ کیسی محبت ہے کہ آپ کسی کو ڈرا دھمکا کر پھر اپنے محبوب کی محبت حاصل کرنا چاہیں جب کہ وہ آپ کو پسند بھی نہ کرتا ہو اور کسی کے ساتھ غلط سلوک کرکے آپ اپنی محبت کی خود توہین کرتے ہیں، چاہے یہ آپ کی اپنی سوچ ہو یا آپ لوگوں کے کہنے میں آکر محبوب کے محبوب کو کوئی نقصان دے کر محبت کی تذلیل کرتے ہو، حسد یوں بھی بری چیز ہے مگر جناب ہم اگر روز محشر کو یاد رکھیں تب

ہی برے کاموں سے رک سکتے ہیں۔ ہمیں کسی اور کا نہیں آپنا گریبان دیکھنا چاہیے کہ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔

دوسری بات میں ان نوجوان لڑکے لڑکیوں کو کہنا چاہوں گا کہ آپ اگر کسی کے ساتھ محبت ،پیار کرتے ہیں اور ان کے ساتھ سنجیدہ ہو جاتے ہیں تو اپنے والدین سے یا گھر میں کسی سے اس بات کا تذکرہ کرکے ایک ہونے کا کیوں نہیں سوچتے ہیں؟ آپ کا ضمیر کیوں سویا رہتا ہے یا آپ محبت کا اظہار کرکے پھر کیوں دنیا سے ڈر جاتے ہیں کہ والدین یا معاشرے کے افراد آپ کے بارے میں کیا سوچیں گے؟ خدارا آپ لوگ اس بات کا اس وقت کیوں نہیں سوچتے ہیں جب آپ کسی کے ساتھ پیار کی پینگیں بڑھا رہے ہوتے ہیں اور جب کوئی آپ کے ساتھ سنجیدہ ہو جائے تو آپ کو والدین کی عزت یاد آتی ہے؟ آپ پہلے کیوں سوئے رہتے ہیں؟ اگر آپ میں اتنا دم نہیں ہوتا ہے تو کیوں دوسرے کی زندگی برباد کرنے پر تل جاتے ہیں؟ کیا آپ اپنے آپ کو اللہ کی عدالت سے بری الذمہ سمجھتے ہیں؟ جہاں دل لگی کرنی ہو وہاں اگلے کو حد سے نہ بڑھنے دیں تاکہ وہ سکون سے اپنی زندگی گذار سکے۔

یہ مریضِ عشق کا حال ہے
کہ یہ زندگی بھی وبال ہے

کبھی درد ہے تو دوا نہیں

جو دوا ملی تو شفا نہیں

پیار .... پیار انسان کی فطرت میں شامل ایک جزو ہے، بلکل اِسی طرح جس طرح سانس لینا، کھانا کھانا، پانی پینا، سونا، جاگنا، انسانی فطرت کے جزو ہیں، اِسی لیے ہم ہر انسان سے بحثیت انسان پیار کرتے ہیں، ہم فطرت سے پیار کرتے ہیں، ہم اپنے دوستوں سے پیار کرتے ہیں، اپنے عزیزوں اور رشتے داروں سے پیار کرتے ہیں اپنے گھر والوں سے، ماں، باپ، بھائی، بہن، بیوی بچوں سے پیار کرتے ہیں، اپنے گھر، گلی، گاؤں، شہر اور ملک سے پیار کرتے ہیں، اور جانوروں سے پیار کرتے ہیں، یہ سب پیار کی مثالیں ہیں۔

محبت .... محبت بھی پیار ہی کی طرح ایک فطری جزبہ ہے مگر یہ پیار سے کچھ بڑھا ہوا ہوتا ہے اِس میں ایک خاص بات ہے اور وہ یہ کہ یہ عموما صرف ایک شخص سے ہوتی ہے، مگر کبھی کبھی ایک سے زیادہ لوگ بھی اِس کی تحریک کا سبب بن جاتے ہیں مگر اِس کی خاصیت یہ ہے کہ اِس جزبے کا محرک شخص باقی سب لوگوں سے خاص ہو جاتا ہے، اور اِس کے لیے بھی کسی باہمی رشتے کی ضرورت نہیں ہوتی، عموما یہ مرد اور عورت کے درمیان ہوتی ہے مگر یہ ضروری نہیں یہ کسی کو کسی سے بھی ہو سکتی ہے، کوئی شخص اپنے ملک سے بھی محبت کر

سکتا ہے، یعنی اُس کے لیے اپنا ملک باقی دنیا سے ممتاز ہو جاتا ہے منفرد ہو جاتا ہے، ایک ماں کے دس بیٹے ہو سکتے ہیں مگر ممکن ہے اُن میں سے کسی ایک سے کچھ زیادہ انسیت ہو جائے، وہ باقی بھائیوں کے مقابلے ماں کو زیادہ محبوب ہو جائے، دوستوں میں سے کسی دوست سے طبیعت زیادہ میلان کھاتی ہو، کسی کے پاس کئی جانور ہوں مگر ایک اُن مین سے کچھ زیادہ ہی پسند ہو، ایسی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں، مگر ہم اگر صرف مرد اور عورت کے درمیان ہونے والی محبت کا ذکر کریں تو بھی یہ اپنی خاصیت یونہی برقرار رکھتی ہیں، ایک محلے میں کئے خاندان رہتے ہیں اُن سب میں باہمی پیار ہمیشہ رہتا ہے مگر کسی نوجوان کو خاندان یا محلے کی کوئی لڑکی اچانک باقی لڑکیوں سے ممتاز لگنے لگے یا کسی کی کوئی ادا کوئی بات دوسروں سے منفرد لگنے لگے تو یہی محبت کی ابتداء ہے،اور یہی سب کچھ لڑکیوں کے ساتھ بھی ممکن ہے۔

اوپر بیان کردہ بات کافی عرصہ قبل کہیں پڑھی تھی تو آپ کو محبت و پیار کے بارے میں کچھ آگاہ کرنے کے لئے بیان کر دیا ہے۔ مجھے بتائے اس میں کہاں لکھا ہے کہ اگر آپ کا کوئی محبوب آپ سے پیار کا بدلے پیار نہ کرے اور وہ کسی اور کے ساتھ محبت کرتا ہو تو آپ اس سے حسد کرکے اس کے خلاف کچھ کریں؟ کیا ایسا کرنا ہی محبت کہلاتا ہے؟ محبت میں محبوب کی خوشی کا خیال کیوں نہیں ایسے لوگ رکھتے ہیں؟ کیوں وہ رقابت کی وجہ سے رقیب کے جانے کے دشمن ہو

جاتے ہیں؟ کیا ایسے لوگ محبت کی توہین کے مرتکب نہیں ہوتے ہیں؟

ایسے لڑکے اور لڑکیاں جو وقت گذاری کے لئے محبت کو بدنام کر رہے ہیں انکو آپ سے التماس کرتا ہوں کہ سمجھائیں کہ محبت کس بلا کا نام ہے؟ کسی کے سچے جذبات کو محض اپنے مفادات کی خاطر مت ٹھکرایں اگر کسی کے ساتھ محبت کا سفر شروع کریں تو کچھ بھی ہو اس کا ساتھ نبھائیں۔ محبت کرنا گناہ نہیں ہے مگر آپ دوسرے کا دل توڑ کر گناہ مول نہ لیں، یہ سوچنا غلط ہے کہ دوسرا انکو ایک دن معاف کر دے گا مگر اُوپر والی ذات انصاف کرنے والی ہے وہ ایک دن آپکو پکڑ سکتی ہے۔ محبت کی توہین مت کیجئے۔۔

آپ اگر محبت کرنے والوں کا ہاتھ پکڑنے کی بجائے ان سے دور جانے کی کوشش کریں گے تو یاد رکھئے گا آپ ایک دن تنہا ہونگے اور اس وقت آپ کو احساس ہوگا کہ آپ نے کسی محبت کی توہین کی تھی تب آپ کے پاس سوائے پچھتاوے کے کچھ باقی نہ ہوگا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اگر آپ محبت کا سفر جاری نہیں رکھنا چاہتے ہیں تو دوسرے فریق کو اعتماد میں لے کر اپنا راستہ الگ کرلیں، اگر آپ کے دل میں چور نیہں ہے تو سب معاملات کو ٹھیک سے حل کرکے دور ہو جائیں وگرنہ عمر بھر کا شکوہ اور ضمیر کی ملامت آپ کو کسی پل زندہ نہیں رہنے دے گی۔

محبت کو کسی بھی طرح سے بدنام کرکے آپ توہین محبت کے مرتکب ہوتے ہیں اور اللہ کی گرفت میں کسی کے ساتھ غلط کرکے آتے ہیں۔ کاش ہم جذبات کی بجائے حقائق کو دیکھ کر فیصلہ کرلیں تو رقابت میں کئے غلط کام پر کبھی شرمسار نہ ہوں۔ اللہ پاک مجھے اور آپ سب کو حاسد اور رقابت کرنے والوں کے جانی و مالی ہر طرح کے شر سے محفوظ رکھیں آمین ثم آمین۔

تماشہ محبت

آج کل محبت کا بھوت نوجوان نسل کے سر پر سوار ہو چکا ہے اور جس نے بھی جو بھی کچھ بُرا کرنا ہو اس کا نام لے کر رہا ہے اور یوں محبت کی توہین کے مرتکب ہماری نوجوان نسل ہو رہی ہے اور اس کو اس بات کا اندازہ بھی نہیں ہو رہا ہے۔ محبت تو اپنے محبوب کی خوشی کا خیال رکھنے کا نام ہے اور سب کچھ بنا صلہ کے اس کے لئے کیا جاتا ہے۔ مگر آج کے نوجوان اس بارے میں کچھ سوچنا ہی گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں ۔اس سے قبل بھی میں نے محبت کے حوالے سے کہانیوں میں عرض کیا ہوا ہے کہ محبت کرنے والے ہی اس جذبے کی شدت سے اس وقت تک ہی بے خبر رہتے ہیں جب تک ایک خاص موڑ انکی محبت میں جنم نہیں لیتا ہے اور تب ہی کسی کے ساتھ ہمارے تعلقات کے گہرے ہونے کا پتا چلتا ہے ۔اس لئے کہتے ہیں کہ جدائی ہو تو ہی پتا چلتا ہے کہ ہم کس سے کس قدر محبت کرتے ہیں؟

اب یہ ہم پر منحصر ہوتا ہے کہ اپنے محبوب سے کس طرح کا رویہ رکھتے ہیں یا کوئی ہم سے کیسا تعلق رکھنا چاہ رہا ہے۔ بہت بار ایسا ہوتا ہے کہ ہم سے کوئی محبت کا دعویٰ کرتا ہے مگر در حقیقت میں محض دل لگی کرنا چاہ رہا ہوتا ہے اور ہمیں یوں ظاہر کرتا ہے جیسے وہ بے پناہ پیار کرتا ہے اور ہم اسکی باتوں

میں آجاتے ہیں اور پھر وہ ایسے ایسے بہانے تراشتا، ادائیں دکھاتا ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اس بڑھ کر کوئی چاہنے والا ہو ہی نہیں سکتا ہے مگر پھر رفتہ رفتہ وہ ہمیں اپنے جال میں لیتا ہے اور اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کی طرف جاتا ہے جو وقت بتاتا ہے کہ محض محبت کو بدنام کرنے کے لئے اور اپنی ہوس پوری کرنے کیلئے اختیار کئے جاتے ہیں۔ دوسری طرف یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص (لڑکے ہو یا لڑکی) کو محبت، جس کو ہم محبت ہی کہیں گے وہ محبت نہیں جو دل لگی کو نام دے کر کی جاتی ہے، ہو جاتی ہے تو دوسرا اس کو گھاس نہیں ڈالتا ہے اور وہ کبھی اپنا محبت بیان کر کے یا ان کہی رکھ کر محبت کا بھرم رکھتا ہے اور ایسے لوگ ہی جو محبوب کو ہی مقدس جانتے ہیں انکی خوشی کا خیال رکھتے ہیں وہی سچا پیار کرتے ہیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کوئی ہمارے ساتھ ذہنی اعتبار سے بہت منسلک ہو جاتا ہے تو دوسرا بندہ اپنی جان چھڑوالیتا ہے اور ہماری جان پر بن آتی ہے کبھی ہم خود کشی کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی اپنے آپ کو کسی اور طرح سے اذیت دینے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی زندگی کو مزید اس قدر الجھا لیتے ہیں کہ جینا محال ہو جاتا ہے۔ اور اکثر اسی محبت کی وجہ سے ساری عمر ایک خاص خول میں ہی گم رہتے ہیں کہ اسیر محبت سب کو دکھائی دیتے ہیں؟ کچھ لوگ جب کوئی سچی محبت انکی دل لگی کے جواب میں کرنے لگتا ہے تو بھی کچھ نا عاقبت اندیش

پھر انکو اندھیری راہ میں چھوڑ کر اپنی راہ لیتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو محبت کا اظہار کرتے ہیں تو دوسرا مثبت جواب نہیں دیتا ہے اور جب وہ محبت میں گرفتار ہوتا ہے تو پہلا اس کو چھوڑ کر اپنے راہ لے چکا ہوتا ہے۔ محبت کرنے والے اور محبت کی دنیا دونوں ہی بڑے نرالے ہیں ،ازل سے لوگ اس میں گرفتار ہو رہے ہیں مگر ہر محبت کرنے والا سمجھتا ہے کہ اس کی محبت ہی انوکھی ہے۔

ابھی حال ہی میں ایک ایسے ہی سر پھرے عاشق کی ایک کاروائی سناتا ہوں جو ہوئی ہے،آپ پڑھ کر بتائیں کہ کیا جو کچھ اس نے کیا ہے وہ محبت ہی ہے یا کوئی اور جذبہ اس فعل میں کوئی اور ہی جذبہ کارفرما ہے۔بات کچھ یوں ہے کہ ایک نوجوان جس کا نام آپ سلمان فرض کرلیں وہ اپنی ایک رشتے دار لڑکی سے جس کا نام آپ شازیہ فرض کرلیں پر مر مٹا،اس کی ایک وجہ تو یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ چونکہ اس کے گھر میں رہتی تھی تو شازیہ اسے کم عمر ہونے کی وجہ سے بات چیت کرلیا کرتی تھی ،وہ نوجوان سا تھا ابھی اٹھارہ سال کا بھی نہیں ہوا تھا مگر دوستوں کی غلط صحبت نے شاید اس کو اس راہ پر چلنے پر مجبور کر دیا تھا،جس پر اس کو عمر کے ایک خاص حصے میں آکر شرمساری ہونی تھی، شاید اگر ضمیر جاگتا تو ہوتی یوں تو کسی کو بھی محسوس نہیں ہوتا ہے کہ وہ کچھ غلط کر رہا ہے۔دن پر دن گذرتے گئے مگر شازیہ نے اس کو وہ اہمیت نہیں دی جس کی وجہ

سے بعد ان اس کو سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا، جس میں کسی حد تک وہ خود بھی ذمہ داری تھی کہ ایسے واقعات جب رونما ہوتے ہیں تو عموماً لڑکیاں گھر والوں کے ڈر سے اپنی عزت یا کردار پر شک کی وجہ سے بتانے سے ڈرتی ہیں اور جب معاملہ حد سے گذرتا ہے اور پورے جہاں میں تماشہ ہوتا ہے تو پھر سوائے رسوائی کے اور کچھ بھی انکو حاصل نہیں ہوتا ہے، اس میں چاہے وہ قصوروار ہوں یا نا ہوں جب حد سے گذرتا ہے تو براہ راست انکی طرف انگلی اٹھتی ہے۔ لہٰذا اس کہانی کا جو مقصد ہے لکھنے کا وہ یہی ہے کہ جب کوئی بھی ایسا معاملہ ہو جس میں آپ کی مرضی شامل نہ ہو تو خصوصاً ایسے معاملے میں والدین کو اعتماد میں لے کر مسئلہ حل کریں، لڑکیاں نازک ہوتی ہیں ان پر کوئی بھی داغ لگے تو عمر بھر ساتھ رہتا ہے، لڑکے کسی کے ساتھ کچھ بھی کریں، کتنے ہی لڑکیوں کو اُلو بنائیں مگر وہ پھر بھی عزت دار رہتے ہیں، جبکہ لڑکیاں جس کو پسند نہ کرتی ہوں اور پھر بھی اس کو برداشت کریں تو سوائے دکھ، درد اور رسوائی کے کچھ بھی نہیں ملا کرتا ہے، جہاں وہ محبت رکھتی ہیں اور کوئی ان کی محبت کو نہیں سمجھتا ہے اور انکے جذبات سے کھیلتا ہے وہ ایک دن ضرور خدا کی پکڑ میں آتا ہے۔ دوسری طرف اگر لڑکیاں ایک بار جس کے ساتھ مخلص ہو جائیں اور دوسرا بھی عمر بھر ساتھ دینے کیلئے یعنی شادی کے لئے تیار ہو تو انکا لازمی ہاتھ تھام لیں کہ اسی میں انکی بہتری ہوتی ہے کہ اپنی من پسند جیون ساتھی کے ساتھ زندگی ہنسی خوشی گذاریں۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ سلمان کو کسی طرح پتا چل گیا کہ شازیہ کسی فرہاد نامی لڑکے کو بے پناہ چاہتی ہے ،تو وہ دوستوں کے کہنے پر یا از خود جذبہ رقابت میں آگیا اور شازیہ کو جان سے مارنے ،فرہاد کی ٹانگیں توڑنے کی باتیں کرنے لگا اور شازیہ نے یہ سب باتیں فرہاد کو بتا دیں تاکہ وہ ہوشیار رہے،فرہاد اپنی طرف سے ہوشیار تھ ا، اور جب اسے ایک فیس بک پر لڑکی کے نام کی آئی ڈی نے ایڈ کیا ،اور اس نے اسکی تفصیلات دیکھی تو وہ سلمان کے فرینڈز میں سے تھی تو اس نے سوچا کہ سلمان کو اب مزا چکھانے کا موقع ملا ہے ،اس نے سلمان کی لڑکی والی آئی ڈی پر یوں باتیں شروع کر دیں کہ جیسے وہ سچ میں اسے لڑکی سمجھا ہے جب کہ اس نے معلوم کر لیا تھا کہ یہ جعلی آئی ڈی سلمان کی ہے اس نے کچھ ایسی باتیں دیکھ لیں تھی جس نے اس کو یہ سچ ثابت کر وا دیا کہ وہ لڑکی نہیں ہے اور اسکے بعد کہانی آسان سی ہے کہ فرہاد اور سلمان کا آپس میں فون پر رابطہ ہوا اور یہ پتا چلا کہ سم تو سلمان کے اپنے نام پر ہے ، یہاں پر بھی فرہاد نے ایسی ویسی گھٹیا باتیں کی ،تاکہ پتا چل سکے کہ لڑکی بھی ہے یا نہیں ،تب اسکے ایس ایم ایس کے جوابات نے واضح کیا کہ وہ لڑکا ہی ہے اور سلمان ہی ہے۔ سلمان ہی تھا کیونکہ سم جو اسکے نام رجسٹرڈ تھی۔تب ہی سلمان نے جو کہ فیس آئی ڈی پر عالیہ آفرین بنا ہوا تھا،فرہاد سے ملنے کا کہا اور فرہاد چونکہ اسکے گھر کے افراد اور پتے سے واقف ہو چکا تھا اور فرہاد

نے سوچ لیا تھا کہ شازیہ کو اب سلمان کے چکر سے نکلوانا ہے یا پھر اسے سمجھانا ہے مگر وہاں جاتے ہیں، سلمان کے نو عمر دوستوں پانچ چھے آ گئے اور انہوں نے مار پیٹ شروع کر دی اور فرہاد نے جلدی بچاؤ کے لئے قسمیں کھا لی، اور دل میں سوچا کہ یہ عالیہ آفرین بڑی منہنگی پڑ سکتی ہے تو بول دیا کہ رابطہ اُس سے نہیں کروں گا، کہ انہوں نے کہا تھ اکہ گھر کے نمبر پر تنگ کرتے ہو، خیر انہوں نے فرہاد کا موبائل فون لیا، بٹوہ لیا اور اُسے جانے دیا۔

پھر سلمان نے شازیہ کے تمام فرہاد کو کئے ایس ایم ایس اور باقی تمام ایس ایم ایس کر دیئے کہ دیکھو تم کیسے شخص سے محبت کرتی ہو، تم ایسی ہو کہ اس کے ساتھ ایسی ایسی باتیں کی ہو اور آج بھی وہ اس کے سر پر ہے اور اسے مسلسل بلیک میل کر رہا ہے۔ دوسری طرف فرہاد سے شازیہ اس بات پر ناراض ہوئی ہوئی ہے کہ فرہاد نے اس کو سلمان عرف فوزیہ آفرین سے ملنے کا نہیں بتایا تھا اور کیوں اس سے ملنے گیا تھا، فرہاد آج بھی اس سے رابطہ کرنا چاہ تا ہے مگر وہ جانتا ہے کہ جب تک شازیہ خود نہیں چاہے گی ،فرہاد کی اس سے بات نہیں ہو پائے گی کہ وہ اس معاملے میں کچھ ضدی ہوئی ہوئی ہے۔ لیکن شازیہ کو بھی یہ ضرور سوچنا چاہیے کہ جب اظہار ہو جائے اور آپ کو کوئی آپکی محبت دینے کو تیار ہو تو پھر اسے ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے کہ آج ہم نے کسی کی محبت کو ٹھکرا دیا تو پھر ساری عمر ایک کسک سی دل میں باقی رہے گی کہ کاش ہم

ایسا نہ کرتے ،کاش ہم اُس پا لیتے ،اس ساری عمر کی جلن سے بہتر ہے کہ آپ محبت پا لیں اگر کوئی آپ کو دے رہا ہے۔

دوسری طرف سلمان نے جس طرح سے فرہاد اور شازیہ کو محبت کے نام پر خودیا دوستوں کے ساتھ مل کر زودکوب کیا ہے وہ محبت کی توہین کے مترادف ہے؟ یہ شازیہ کی کیسی محبت ہے کہ وہ اپنے چاہنے والے سے بے پناہ پیار کے بعد بھی اس سے دوری اختیار کئے ہوئے ہے؟ دوسری طرف فرہاد بھی شرمسار ہے کہ اس نے سلمان کے معاملے کو ٹھیک طور پر حل نہ کرنے پر اور جان سے مارنے کی دھمکی پر شازیہ کی طرف سے کوئی خاطر خواہ ایسا قدم نہیں اُٹھایا گیا جس سے وہ دونوں ساتھ رہ سکتے ہیں اور سلمان سے نجات مل جاتی ، جبکہ دوسری طرف سلمان آج بھی شازیہ کے سر پر ہے اور اسے بلیک میل محبت کے نام پر کر رہا ہے۔ سلمان کی محبت کے دعویٰ کو آپ لوگ کیا کہیں گے ؟کیا یہی محبت ہوتی ہے کہ آپ اپنے محبوب کو یوں تکلیف دیں،اس کی خوشی اگر کسی اور سے محبت کر کے مل رہی ہو تو اُسے چھین کر یا اُسے ہی رقابت کے انتقام کے طور پر اپنا آپ دیکھا کر کہ اگر مجھ سے محبت نہ کی، محبت کے بدلے محبت نہ دی تو یوں اس کو جان سے مار دوں گا،فرہاد کے موبائل سے ڈیٹا نکل کر شازیہ کو ہی بھیج دینا کس قدر بے حسی، کینہ پروری اور محبت کی توہین کے مترادف ہے؟فرہاد تو شازیہ سے شادی کرنا چاہتا ہے اسکی محبت اسکو دنیا چاہتا ہے تو پھر سلمان نے اپنے محبوب کی خوشی

کیلئے اپنی محبت کو قربان کیوں نہیں کیا ہے؟ کیوں وہ چاہتا ہے کہ دو لوگ جدا ہو جائیں اور وہ محض ایک اپنے محبت حاصل کرکے خوش ہو جائے؟ جناب بتائیں یہ کیسی محبت ہے؟ جہاں تک حقائق بتاتے ہیں وہ لفظ "محبت" کو درست طور پر جانتا ہی نہیں ہے کہ اس میں اپنا آپ مارنا پڑتا ہے اور محبوب کی خوشی کیلئے ہر طرح کی قربانی دی جاتی ہے؟ یہی دیکھ لیں فرہاد نے شازیہ کی محبت کی خاطر سلمان کے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہیں کی، اس کی عزت کا تحفظ جہاں تک وہ کرسکا کی ہے؟ مگر دوسری طرف سلمان نے محبت کے نام پر جہاں شازیہ کو اپنے دوستوں میں تماشہ بنایا ہے اور اسکی عزت کی دھجیاں اُڑا کر رکھ دی ہیں وہ ایک لڑکی ہی سمجھ سکتی ہے، وہ سارے معاملے کو دوستوں میں لایا ہے سوچیں ذرا ایک لڑکی کی عزت کتنی مقدس ہوتی ہے اور ایک مفاد پرست انسان نے ایک ایسے جذبے کو جس میں لوگ جان تک دے دیتے ہیں اسے تماشہ محبت بنا کر رکھا ہوا ہے اور افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ جس کے ساتھ وہ یہ سب کر رہا ہے وہ اس کے اپنوں میں سے ہے؟ کیا اسی کو محبت کہتے ہیں؟ آپ کیا کہتے ہیں، آپ کے جواب کا منتظر رہوں گا؟

زندگی عذاب مسلسل

آج عبدالشکور نے مجھے ایسی ایسی باتیں سنائیں کہ میرا جی چاہ رہا تھا کہ اس کا منہ نوچ لوں مگر میں چپ رہی کہ مجھ اس سے ابھی واسطہ ہی نہیں رکھنا تھا۔ لہٰذا ایک ایسے شخص کو جو آپ کی زندگی سے نکل رہا ہو اس کو کم از کم اتنا حق تو دینا چاہیے تھا کہ وہ آپ کو جی بھر کر دل کی بھڑاس نکال سکے۔ فیس بک پر اس کے پیغامات آتے رہے، میں اسے نظرانداز کرتی رہی کہ ہمارا تین سالوں کا رابطہ تھا جو کہ اب اپنے منطقی انجام کو پہنچ رہا تھا۔ زندگی کے عجب کھیل ہیں میں نے ابھی ہوش بھی نہیں سنبھالا تھا کہ میری ساتھ زندگی نے عجب تماشہ کھیلنا شروع کر دیا تھا۔ آج زندگی کے جس دوراہے پر کھڑی ہوں سمجھ نہیں آئی ہے کہ آخر میں ہی کیوں ان حالات کا شکار ہوئی ہوں شاید اللہ تعالیٰ نے سب کے لئے ایک جیسے حالات نہیں رکھے ہیں وہ چاہتا ہے کہ انسان دوسروں کے حالات سے سیکھے اور اپنی زندگی پر از سر نو غور کرے کہ آیا وہ ٹھیک راہ پر چل رہا ہے یا نہیں چل رہا ہے۔ میرا نام یوں تو کچھ اور ہے مگر آپ مجھے اسیرِ حیات کہہ لیں میں آج اپنی ذات سے جڑی کہانی سنا رہی ہوں ہو سکتا ہے بہت سے لوگوں کو مجھ سے ہمدردی ہو جائے اور کچھ میری ذات کو نشانہ بنا لیں مگر میں سب کچھ بیان کرنا چاہتی ہوں کہ شاید آج کل کی نسل کو اس سے کچھ عبرت مل سکے۔

ابھی میں بہت چھوٹی ہی تھی میں نے شعور میں قدم بھی نہیں رکھا تھا اور ایک دن میں وہ سہہ لیا جو آج بھی ذرائع ابلاغ کی زینت بنتا رہتا ہے۔جی ہاں آپ بخوبی سمجھ رہے ہونگے کہ میرا اشارہ کس جناب ہے؟ میں ابھی گڑیوں کے ساتھ کھیلنے کی عمر میں تھی، بے فکری تھی اور اپنے گھر میں چہکتی پھرتی تھی اور ایک رات جب میں سوئی ہوئی تھی تو میرے لحاف کے اوپر یوں لگا کہ جیسے کچھ آیا ہے اور میں مارے ڈر کے جو لحاف میں منہ چھپائے ہوئی تھی، چھپی رہی کہ پتا نہیں کیا چیز ہے اور کافی دیر بعد وہ لحاف پر آنے والا بوجھ ہٹا تو بھی اس دن بھر میرا اس چیز کا خوف سر پر رہا کہ وہ کیا تھا؟میں کمزور سی ننھی بچی تھی میری ابھی عمر ہی کیا تھی جو بہادر ہوتی اور آپ تو جانتے ہی ہیں کہ لڑکیاں عموماذرا کم حوصلہ ہوتی ہیں، ذرا سی بات پر گھبرانے والی ہوتی ہیں اور حالات کا مقابلہ بہت کم کرنے کی سکت رکھتی ہیں،اور کم عمری میں لڑکیاں یوں بھی اتنی ہمت والی نہیں ہوتی ہیں کہ تن تنہا محض میری طرح دس گیارہ سال کی عمر میں ایسی ہوں کہ سب کچھ سب کو بیان کرسکیں کہ اتنی عقل تب کہاں ہوتی ہے۔مجھے پتا نہیں چل رہا تھا کہ کبھی کبھی اندھیری رات میں مجھ پر لحاف کے اوپر کون سا بھوت،سایہ سا آجاتا تھا اور میں مارے خوف کے چپ ہی رہا کرتی تھی،گھر میں اماں کے ساتھ تو میرے تعلقات ہی خراب تھے انہوں نے کبھی پیار سے نہیں دیکھا نہ کبھی مجھ پر اتنی توجہ دی تھی کہ میں اپنی باتیں ان

سے بیان کرتی ۔

دن پر دن گذر رہے تھے اور رات کا یہ خوف بھی میرے ساتھ رہا اور پھر ایک دن مجھے خبر ہو گئی تھی کہ وہ سب کچھ کیا ہوتا تھا جو میں رات کے اندھیرے میں سہتی تھی ،وہ خوف کیا تھا ؟ جناب وہ خوف نہیں تھا ایک تلخ حقیقت تھی جس کو آج اس عمر میں سوچ کر میں خود بھی شرمسار سی ہو جاتی ہوں کہ رشتوں کا تقدس یہ ہوس کیوں ختم کر دیتی ہے ؟ وہ بوجھ ،وہ خوف وہ میرے ماں کے بھائی تھے ،جس کو ہم رشتے کے لحاظ سے ماموں کہتے ہیں ،جی ہاں وہی تھے جو اپنی ہوس کا مجھ شکار بنا رہے تھے ،میں انکی دھمکیوں میں آ گئی اور پھر جب تک میں نے میٹرک نہ کرلیا اور اسکول میں ان سے اور گھر کے ماحول سے چھٹکارہ کی خاطر ملازمت نہ کرلی ،تو پھر مجھ میں حوصلہ آیا اور میں نے انکو خوب سنائی جس کے بعد انہوں نے پھر سے مجھے جال میں پھنسانے کی کوشش نہیں کی اور یوں وہ سلسلہ جو تقریبا تین سال تک جاری رہا تھا۔ وہ میری ہی ہمت کی بدولت ختم ہوگیا لیکن میری زندگی تو برباد ہو چکی تھی ،ان کو ذرا سی بھی شرم و حیا نہیں تھی ، وہ کس قدر بے غیرت تھے کہ انہوں نے سگی بھانجی کے ساتھ ایسا مکرو فعل سرانجام دیتے رہے۔ انمجھے گھر میں بتانے کی اب بھی ضرورت محسوس نہیں ہورہی تھی کہ جس ماں کو اپنے گھر میں چھت کے نیچے ہوتے کھیل کی خبر نہیں ہوئی تھی، وہ جو اپنے بھائی پر جان چھڑکتی تھی کیسے اس پر لگا الزام سچ مان

سکتی تھی۔ تو میں نے اس بارے میں اپنا منہ بند ہی رکھ اور سوچنے لگی تھی کہ اب مجھے کیا کرنا ہے؟ ہم لڑکیاں بہت نادان ہوتی ہیں کہیں تو محبت کے جال میں ہوس کے پجاری ہمیں پھنسا کر اپنے ہوس کو پورا کرتے ہیں، کہیں اپنے ہی ہماری روح پر ایسے گھاؤ لگاتے ہیں کہ تاحیات اس کا اثر روح پر رہتا ہے۔ یہاں والدین کی بھی بڑی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ بچوں پر نظر رکھیں، پتا نہیں آج کل کی مائیں کیسی ہیں جو اپنے بچوں کی
سرگرمیوں اور رویے میں تبدیلی کو سمجھتی نہیں ہیں اس لئے آپ کو ہر روز یہاں وہاں ایسے ویسے واقعات پڑھنے، سننے اور دیکھنے کو مل رہے ہیں مگر بدقسمتی سے اس طرح کے واقعات سے ہم لوگ کوئی اثر نہیں لیتے ہیں اور یوں پھر سے تاریخ جیسے دہرائی جاتی ہے ویسے ہی یہ واقعات وہتے چلے آ رہے ہیں اور شاید چلتے رہیں گے کہ سب کے لئے ایسا ممکن نہیں ہوتا ہے کہ وہ ماضی سے یا حالات و واقعات سے کچھ سیکھ سکیں۔ لیکن میں نے جو سہہ ہے وہ اپنے بچوں کے ساتھ ہوتا نہیں دیکھ سکتی ہوں، میں نے انکی تعلیم و تربیت پر کڑی نظر رکھی ہوئی ہے۔ میری اس داستان حیات لکھوانے کا مقصد ہی ہے کہ آپ لوگ کچھ سوچیں سمجھیں اور جو کچھ ہوا ہے اس سے سبق لیں۔

میں نے جو سوچ تھا اس کے مطابق اپنی خالہ کے پاس جانا تھا اور میں ایک روز وہاں نکل گئی تھی، ایک بات جو میں یہاں بتانا بھول گئی کہ میرا تعلق ایک

نوجوان سے بننا شروع ہو چکا تھا جو کہ مجھ میں دلچسپی لے رہا تھ یہاں میں اس کا نام نہیں لکھوں گی کہ فرضی نام لکھوانا مجھے پسند نہیں ہے بہرحال اس کے ساتھ محبت بھری داستان شروع ہو گئی تھی اور ہماری ملاقاتیں بھی ہونے لگی تھیں ایک روز بہت پاس آنا چاہ رہا تھ اکہ شادی کے بعد بھی آنا ہی پڑے گا مگر میں نے واضح انکار کر دیا تھ ا کہ ماموں کی وجہ سے مجھے اس عمل سے ہی کراہت سی ہونے لگی تھی پہلے بھی بہت دل پر جبر کرکے برداشت کیا تھا اور آج تک اس پر افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے کیوں گھر میں نہیں بتایا تھا مگر جب خالہ کو بتایا تو انہوں نے کہا کہ پہلے کیوں نہیں بتایا ،وہاں اگرچہ چھپ چھپا کر گئی تھی مگر چند ماہ وہاں رہی ، میری خالہ نے ساری بات سنبھال لی تھی۔انہوں نے اس نوجوان سے بھی بات کی شادی کے حوالے سے مگر اس حوالے سے جو اس کا جواب تھا کہ وہ شادی کے لئے رضامند نہیں تھا اور یوں میں ایک بار پھر زندگی کے تھپڑ کھانے لگی وہ محبت جو کئی سالوں کے سفر پر محیط تھی یوں اچانک ختم ہو جائے گی اس نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔پھر میری شادی کے لئے بھاگ دوڑ شروع ہوئی اور ایک جگہ بالآخر ہو گئی ،اگرچہ وہاں ساس روایتی ساس کی مانند تھی مگر میں بہت خوش تھی کہ چلو جان چھوٹی اس گھر سے جہاں میری تلخ ترین یادیں وابستہ تھیں اور میں ایک نئے گھر میں آئی اور یہاں مجھے اپنے شوہر کی پہلی بیوی سے ایک بیٹی ورثے میں ملی جو بیٹی کو چھوڑ کر نئے راہ کی طرف چل دی تھی ، خیر کیا بتاؤں کیسے میں نے وہ دن گزارے تھے ،

ایک طرف ننھی بچی دوسری طرف ماں خود بھی بننے والی تھی تو ایک کڑا وقت تھا جو میں نے اس طرح سے گذارا تھا کہ شاید میری زندگی میں جو ایک کسک تلخ یادوں کی ہے وہ کم ہو جائے۔ مگر میں ذہنی طور پر آدھی پاگل ہونے کے قریب تھی جب میں نے ایک نہایت ہی غلط فیصلہ کر لیا تھ اجس نے مزید میری زندگی کو اجیرن کر دیا تھا۔ میں نے اپنے شوہر کو اپنے ماضی سے آگاہ کر دیا تھا یہ تو سب لڑکیاں بالخصوص جانتی ہیں کہ ایسا کرنا کیا مزید عذاب لاتا ہے۔ مگر میں جس طرح سے حالات کو.برداشت کرکے تنگ آئی ہوئی تھی کہ ایسا کرنا میرے ہی اپنے ہاتھوں پاؤں کو کاٹ کر رکھ دے گا اور میں نے جب انکو سچ بول دیا تو پھر ہمارے درمیان کشیدگی سی آگئ تھی اور وہ مجھ سے کھچ گئے تھے اور میرے موبائل فون پر اجنبی کالز کا بتانا بھی میرا جرم ٹھہرا تھا اور ایک دن مجھے یہ سننے کو مل گیا کہ پتا نہیں کس کس سے میرا واسطہ ہے اور یوں میں جو ماضی کو بتا کر پرسکون ہونا چاہ رہی تھی اور مزید ذہنی انتشار کا شکار ہو گئ تھی۔

میں اپنے تمام فرائض ٹھیک سے سرانجام دے رہی تھی مگر یہ سب مجھے وہ سکون نہیں دے رہا تھا جو میں چاہتی تھی اور اپنے شوہر کے طعنوں نے مجھ سے وہ غلطی کروادی، جو میری کم بختی کا منہ بولتا ثبوت بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس پر میں پھر گناہ کے دلدل میں گھس گئ تھی جی ہاں میری ایک نوجوان سے جو

اجنبی کالز کرتا تھا سے دوستی ہوئی۔اور پھر میں نے ایک دن سے اپنے گھر بلوایا اور پھر دو تین بار ہم بہت پاس آئے پھر اس سے رابطہ توڑا، پھر کسی اور سے جوڑا، پھر کسی اور سے اور پھر عبدالشکور آیا جس سے میں تنگ آئی تو اس سے دور ہونے کا سوچا یہ بھی میری اس مہربان ہستی کی وجہ سے ہوا جس نے میری داستان کو سن کر مجھے اپنی غلطیوں احساس دلایا اور میں جو گناہوں کے بوجھ سے، ذہنی الجھنوں کا شکار تھی دور ہونے لگی اور پھر رفتہ رفتہ اسکی دعائیں کام آئیں اور میں بہت پرُسکون سی ہو گئی کہ میرے شوہر نے بھی مجھ پر وہ الفت و توجہ دی اور کہا کہ مجھے چھوڑ کر مت جانا تو یقین مان لیں میں سب کچھ بھول گئی کہ سب کچھ ہی پا لیا تھا۔اور اب یوں لگ رہا ہے کہ زندگی کے عذاب مسلسل ساتھ چلے رہے تھے وہ کچھ کم ہونا شروع ہوئے ہیں۔

یہ میری اس مہربان ہستی کی وجہ سے ہوا جس نے میری عزت، وقار اور محبت کو سمجھا زندگی کے حالات سمجھائے۔تو مجھے عقل آئی ہوئی ہے اور میں اب باقاعدگی سے، نمازیں پڑھ کر اپنے گناہوں کی بخشش کی دعا کرتی ہوں کہ اللہ اس مہربان ہستی جس نے میری زندگی کو بدلنے میں اہم کردار ادا کیا ہے اسے اور مجھے، میرے شوہر، بچوں کی زندگیوں میں آسانی و خوشیاں لائے کہ میں جو بچپن سے محبت کی ماری ہوئی ہوں،اب زندگی کے اگلے سالوں میں پرسکون رہ سکوں اور اللہ مجھے میرے گناہوں کی سزا کم کر دے کہ بہت کچھ نادانی میں ہوا، ابھی میری

حیات باقی ہے اور میں اپنی اس فانی اسیر حیات کی قیدی ہوں، دیکھنا باقی ہے کہ کتنے روز اور اسیر حیات رہنا ہے؟ میرے لئے دعا کیجئے گا کہ اللہ مجھ پر اپنا فضل و کرم کرے اور میں آج کی مانند ہمیشہ پر سکون رہوں۔ آمین

بیٹیاں... یہ آبگینے بڑے نازک ھیں

کہتے ہیں لڑکیوں کی عزت شیشے جسی نازک ہوتی ہے ذرا سی ٹھیس سی ختم ہو سکتی ہے، مگر یہاں لڑکیوں کے ساتھ کوئی کتنا ہی تنگ کیوں نہ کرتا رہے وہ گھر والوں کی عزت کی خاطر چپ رہتی ہیں اور جب انکی عزت پر بن آتی ہیں تو سوچتی ہیں کہ ایسا میرے ساتھ ہی کیوں ہوا؟ کیوں میری عزت کو میری ذات کو نشانہ بنایا گیا؟ جب تک آپ میری بہنو! والدین کو اپنا دوست سمجھ کر گھر میں ایسی باتیں نہیں بتاوگے تو لوگ آپ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اپنے کو جینے کا حق بھی نہیں دیں گے، جہاں ایسا معاملہ نہ ہو دل کا معاملہ وہاں بھی گھر میں کسی کو لازمی بتاو تاکہ اسکا کوئی حل ہو؟ آپ میری بہنو! اکثر جذباتی ہو کر سوچتی ہو اسی لئے اکثر اپنے ساتھ خود ظلم کرتی ہو، ایسا مت کرو، آپ بھی مرد کی طرح جینے کا حق رکھتی ہو مگر شرط یہ ہے کہ آپ ناحق کسی کے ساتھ زیادتی مت کرو کہ پھر دلی سکون آپ کو تاحیات نہیں ملے گا۔

عورت میرے ناقص علم کے مطابق چھپا کر رکھنے والی چیز ہے اور عورت کے ساتھ ہی لفظ پردہ اور حیا منسوب ہے۔ جب عورت حیا اور پردہ کو چھوڑتی ہے تو اس کے لئے ہر طرح کے مسائل پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں، جب بھی وہ اپنی حدود سے

باہر نکلتی ہے تو معاشرے کے افراد اسے بری نظر سے دیکھتے ہیں اسی لئے حیادار عورت ہمیشہ پردے میں رہتی ہے اور پرسکون رہتی ہے۔۔جب بھی وہ اپنی حدود سے تجاوز کرتی ہے تو پھر معاشرے میں فساد کا سبب بنتا ہے۔

کیبل□ اور نیٹ□ نے جواں معاشرے کا خانہ خراب کر دیا ہے ، ل□کے تو□□□□□□□□□□□ □□□□ □□□□□□□□□□□ے تو اب لڑکوں کو بھی پیچ□ے چھوڑ دینے□□□□□□□□□ ہے ،اپنے والدین کو دھوکہ د□ ک□ آتی □ی□ اور ل□ک□□ کی تف□یح و □بع کا سامان بنتی ہیں ،می□ ل□کی□□ کی آزادی کے خلاف نہیں مگر□ے راہ راوی کا ک□□ مخال□ □□□ ،ل□کی اپنے گھر کی عزت ہوتی ہے وہ

ہے۔

بنا ضر□ورت کے کبھی بھی گھر□ے قدم باہر نہیں نکالتی۔یہاں چند جملے کہیں پڑھے تھے تو آپ کو سمجھانے کے لئے پیش کر دیئے ہیں کہ ایسا بھی یہاں ہو رہا ہے کہ ایک لڑکی ایک کے ساتھ چکر میں نہیں پھنسنا چاہتی ہے مگر وہ اس کی جان نہیں چھوڑتا ہے اور دوسرے کے ساتھ وہ خود محبت میں گرفتاری کی وجہ سے دور نہیں ہو پاتی ہے نہ اس کو دور کرتی ہے نہ خود کسی کی محبت سے باز آتی ہے اور نہ ہی ان میں سے کسی کے ساتھ تاحیات کا سوچ کر بھی گھر والوں کو آگاہ نہیں کرتی ہے تو بتائے اس میں لڑکوں کا قصور ہے یا پھر یہ لڑکیوں کی نادانی ہے کہ یہ نازک آبگینے خود اپنی عزت کھو دینے کے درپے ہوتی ہیں؟

بعض دفعہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ محبت کے دعوی پر ہوش کے شکاری یا محبت کے نام نہاد پ□ بلا ک□ انکی ع□ت کا جناز □ Dates دعوی دار ل□کے ان کو نکال ک□خ□د نئے شکار کی تلاش میں چل دیتے ہیں ۔کئی ج□ان ج□□□ کیفے میں بھی□ے ہیں ،بع□ می□ ان ل□کی□□ ک□ روتے ہوئے دیکھا ہے۔می□ی ب□نو□ معاف ک□نا اور مج□ے غلط نہ سمجھنا مگر کیوں چلی آتی ہو گھر□□□□ □□ د□□کہ دے کر اپنے آپ کو ڈراموں اور فلموں کی ہیروئن سمج□ ک□ ، ـے آپ کے ساتھ گزرے ہوئے وقت کی وی□ی□ بنا ک□اپنے جیسے□□□□□□ □□□ ل□گ□□ کی پ□ □□□ YouTube ہوس کو تسکین دینے کے لئے اور پھر انکی زندگی کو برباد کرکے اپنا مفاد حاصل کرتے ہیں یا کچھ لڑکیاں والدین کو نہ بتا کر کو د اپنے پاؤں کٹواتی ہیں تاکہ خاندان بھر میں انکی عزت قائم رہ جائے لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے جب وہ سامنے آتا ہے اور انکے پاس اپنے دفاع کے لئے بھی کچھ نہیں ہوتا ہے۔ایسی باتیں یہاں میں نے جو کہیں سے پڑھی ہیں یہاں لکھی ہیں وہ محض آپ کو سمجھانے کے لئے بیان کر دی ہیں کہ اچھی بات کو سب کو پتا ہونا چاہے۔

آخر میں اپنی بہنو کو یہی کہنا چاہوں گا کہ محبت کرنا جرم نہیں ہے مگر جب تک کوئی حتمی طور پر آپ سے شادی کا نہ بولے اور رشتہ کے لئے تیار نہ ہو اس

پر کبھی بھروسہ مت کریں، اگرچہ یوں لڑکے لڑکی کا ملاپ شرعی لحاظ سے درست نہیں ہے مگر موجودہ معاشرے میں یہ حرکتیں عام ہو گئی ہیں تو کم سے کم آپ خود اپنی عزت کا خیال کریں، ہر بات والدین کو آگاہ کر دیں وہ رشتہ جہاں آپ کرنا چاہتی ہیں آپ کی پسند کو دیکھ کر راضی بھی ہو سکتے ہیں، والدین کو بچوں کی پسند کا بھی خیال رکھنا چاہیے مگر مناسب رشتہ ہو تو بلاوجہ رد کرنا بھی برا طرز عمل ہے۔ آپ جب تک کسی میں خود سے دلچسپی نہ لے رہی ہوں کوئی تنگ کرتا ہو تو خدارا اس سلسلے میں والدین کو کچھ بھی ہو بتائیں یہ نہ ہو کہ کل کو کسی پر یا آپ پر اس وجہ سے کوئی پریشانی پیدا ہو جائے اور پھر آپ کہیں کہ ایسا میرے ساتھ ہی کیوں ہوا؟ کیوں کا جواب ہمارے پاس ہوتا ہے مگر ہم میری بہنو اس کا خود سامنا نہیں کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ آپ اپنے دامن پر کوئی دھبہ نہ لگنے دیں کہ ایسا ایک بار ہو گیا تو پھر آپ کو تاحیات اس کے اثرات بھگتنا پڑتے ہیں۔ اپنی جانب سے کم سے کم کسی کے ساتھ زیادتی بھی نہ کریں کہ آپ خود تاحیات کسک محسوس کرتی رہیں۔

خاموشی میں شور

کہتے ہیں کہ خاموشی بہترین انتقام ہے اور دنیا کی ہر بڑی سے بڑی سزا سے زیادہ سخت ترین ہے۔ بسا اوقات کسی کو انتقام کی قدرت رکھنے کے باوجود چپ رہ کر کچھ نہ کہنا بھی وہ انقلابی تبدیلی کسی انسان میں لا سکتی ہے جو کہ آپ کسی کو سزا دے کر یا سمجھا کر بھی نہیں لا سکتے ہیں۔ بقول میری ایک قاری آصفہ نورین کے کبھی کبھی خاموشی میں بھی بہت شور چھپا ہوتا ہے جو کہ محسوس کرنے والوں کو بخوبی سنائی دیتا ہے۔ جو لوگ اپنے جذبات کا اظہار کرتے رہتے ہیں وہ اُن لوگوں کی بانسبت کم خطرناک ہوتے ہیں جو کہ خاموش طبع ہوتے ہیں اور حالات کا دھارا بدلنے پر وہ ایک طوفان کی مانند سب کچھ اُلٹ پلٹ کرکے رکھ دیتے ہیں۔ ہر بات کی کہا جاتا ہے کہ حد ہوتی ہے اسی طرح ایک عمل کی ، ظلم کی بھی حد ہوتی ہے اور جب بھی حد سے زیادہ لوگ چپ رہتے ہیں تو انکی خاموشی میں چھپا شور اگر کوئی نہ سن رہا ہو تو پھر وقت آنے پر وہ ایک انقلاب کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ پاکستان کے موجودہ سیاسی ، معاشی حالات بھی نئی جمہوری حکومت کے آنے کے بعد سے مسلسل بدل رہے ہیں ۔ عوام میں ڈاکٹر طاہر القادری اور عمران خان کی وجہ انکو اپنے حقوق کی پامالی کا شدت سے احساس ہو رہا ہے۔ قیام پاکستان سے اب تک انکی خاموشی میں چھپے شور کو کوئی بھی مخلص سیاست دان نہیں سنا پایا

ہے اگر سنا بھی ہے تو اس کو کسی خاطر میں نہیں لا رہے ہیں۔اب جس طرح سے موجودہ حالات جا رہے ہیں لگ رہا ہے کہ اگر عوام کی خاموشی میں چھپے ہوئے شور کو نہ سنا گیا تو پھر پاکستان میں گذشتہ کئی دہائیوں سے اپنے حقوق کی متلاشی عوام جب حق کے لئے سڑکوں پر آ کر بول کر اپنے حقوق کی ادائیگی کا مطالبہ کرے گی تو پھر کوئی بھی طاقت انکو انکے حق سے محروم زیادہ دیر نہیں رکھ پائے گی۔

عمران خان اور طاہر القادری کے آزادی مارچ اور انقلاب دھرنوں کی وجہ سے کوئی خاص تبدیلی رونما ہونے کی باتیں کرنے والے اس خاموش تبدیلی کو رونما ہوتے دیکھ کر ڈرے ہوئے ہیں کہ اب کہ پاکستان کی سیاست میں انکی کوئی جگہ باقی نہیں ہے یا وہ جان بوجھ کر عوام کی نظروں میں اپنی قدر و قیمت انکو یوں نظرانداز کرکے بنانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں کہ اب کہ عمران خان اور طاہر القادری نے عوام کی سوچ کو بدلنے میں کسی قدر کامیابی حاصل کر لی ہے اور یوں خاموشی سے ایک بڑی تبدیلی آنے کی پاکستان میں امید ہو چکی ہے کہ شاید اب کہ محروم طبقوں کو انکے حقوق مل سکیں اور پاکستان جس مقصد کے لئے حاصل کیا گیا تھا وہ بھی پورا ہو سکے۔

پاکستان میں سب کچھ ہی غلط نہیں ہو رہا ہے یہاں ایدھی صاحب جیسے لوگ بھی

خاموشی سے بھلائی کا کام کر رہے ہیں اور انکے پس پردہ کارناموں کا شور سن کر بہت سے لوگ کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور مصیبت زدہ کی مدد کرتے ہیں۔ شوکت خانم ہسپتال کا نام تو کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے اس کے بارے میں لوگ کچھ بھی کہتے رہیں مگر وہاں بھی غریبوں کو بہترین کم نرخوں پر یا بالکل مفت علاج معالجے کی سہولیت دی جارہی ہیں۔ اسکے علاوہ پاکستان کے طول و عرض میں بے پناہ کرپشن کے باوجود اس ملک سے محبت کرنے والے اپنے فرائض منصبی نہایت ہی دیانتداری و محنت سے سرانجام دے رہیں اور ایسے لوگوں کے لئے ایک مثال بن رہے ہیں جو کہ آنے والے وقت میں اس ملک کی باگ دوڑ سنبھالے گی یا جن کے ہاتھوں میں اس ملک کے اداروں کا انتظام ہوگا۔ جہاں تک اچھے انداز سے اپنے فرائض کی ادائیگی کا سوال ہے تو یہاں میں بالخصوص جناب اسسٹنٹ کمشنر لیاقت پور ظہور حسین بھٹہ صاحب کا ذکر کرنا چاہوں گا کہ انہوں تعیناتی کے بعد سے آج تک اپنے فرائض کو ایمانداری اور فرض شناسی سے نبھایا ہے چاہے بات جعلی انتقال رجسٹریوں کی ہو یا دیگر معاملات کی انہوں نے اپنے کسی بھی، لمحے دباؤ میں آئے بنا عوام کو ہر لحاظ سے انصاف فراہم کیا ہے اور دن رات اسی میں مصروف عمل ہیں دوسری طرف کچھ ایسا ہی دسٹرکٹ لائیو سٹاک آفیسر سید سبطین بخاری کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے کہ وہ جب سے رحیم یار خان میں اپنے فرائض ادا کرنا شروع ہوئے ہیں، بہت سے معاملات بخوبی سرانجام دیئے جا رہے ہیں۔ پورے پاکستان میں ہر طرف اقربا پروری، ناانصافی اور کرپشن کا شور ہے

کہیں یہ کہا جاتا ہے کہ اچھے لوگ خاموش ہیں؟ لیکن یہاں پھر یہ بات کی جا سکتی ہے کہ، ہمارے معاشرے میں چھائی خاموشی میں بھی کہیں نہ کہیں شور ہو رہا ہے کوئی نہ کوئی کچھ نہ کچھ اچھا ضرور کر رہا ہے۔ اگر ہمارے ملک میں سید سبطین بخاری)ڈی ایل او، رحیم یار خان) اور ظہور حسین بھٹہ (اے سی، لیاقت پور) جیسے اچھے لوگ اپنے فرائض منصبی کو عمدگی سے سرانجام دے کر دوسروں کے لئے ایک اچھی مثال بن رہے ہیں۔ دوسری طرف پاکستان کے حالات میں تبدیلی آہستہ آہستہ رونما ہو رہی ہے اس میں سب کو مل کر اپنا اپن کردار ادا کرنا ہوگا تب ہی معاشرے میں امن وسکون ہو سکے گا اور بڑی تبدیلی رونما ہو سکے گی۔ جب تک ہم اپنے آپ کو اور اپنی سوچ کو نہیں بدلیں گے اس وقت تک ہمارے اور پاکستان کے مسائل حل نہیں ہو پائیں گے، نہ ہماری زندگی میں خوشیاں آسکیں گی، نہ ہی ملک کو استحکام حاصل ہو سکے گا۔

زنجیر ٹوٹنے کو ہے

جتنے منہ ،اُتنی باتیں سب ہی طاہر القادری کے دھرنے کے اختتام پر انکو کڑی تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں اور ستم ظریقی یہ بھی ہے کہ انکو نہ صرف سیاسی بلکہ مذہبی حوالے سے بھی انکی ذات پر انگلیاں اُٹھائی جا رہی ہیں اور دلچسپ امر یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگوں کے اپنے دامن بھی داغدار ہیں مگر سیاست میں یہ سب چلتا رہتا ہے اور اسی وجہ سے ہمارے مفاد پرست عناصر لیڈران ملک کا بیڑہ غرق کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔آپ اگر گذشتہ قیام پاکستان سے اب تک سالوں کا بغور جائزہ لیں تو پتا چلے گا کہ یہاں جس نے بھی حق پر مبنی بات کی ہے تو اس کو بھرپور کڑی تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔یہاں اگر کھلے ذہن سے دیکھا جائے تو پہلی مرتبہ عوام نے گھروں سے نکل کر دھرنوں میں شرکت کی ہے چاہے یہ دھرنے پاکستان عوامی تحریک کی جانب سے منعقد ہوئے ہیں یا پھر پاکستان تحریک انصاف کی جانب سے دیئے گئے ہیں۔اپنے حق کے حصول کے لئے نکلی عوام کو اگرچہ اپنے مقاصد میں عمران خان اور طاہر القادری کی قیادت میں دھرنوں سے خاطر خواہ اگر کامیابی نہیں ملی ہے تو انکو یکسر ناکامی کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑا ہے۔

پہلے کھلے عام یوں سیاست پر باتیں نہیں کی جاتی تھیں اور اس میں نوجوانوں

کی شرکت بھی اس قدر بھرپور نہیں ہوا کرتی تھی جو کہ آج کل پاکستان تحریک انصاف میں نوجوانوں کے جوش و خروش کو دیکھ ملک کے تمام طبقوں کے نوجوانوں میں پیدا ہو رہا ہے اور وہ دھرنوں میں چاہے محدود وقت کے لئے ہی سہی شرکت کے اپنی سوچ کے زوایے کو بدلنے کا عندیہ دے رہے ہیں۔دھرنوں کے بارے میں باتیں کرنے والے محض اپنے انجام کے ڈر سے یوں بیانات جاری کر رہے ہیں ورنہ وہ بھی جانتے ہیں اگر تبدیلی کی لہر چل پڑی تو پھر انکی سیاست ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے گی اور اسی وجہ سے کرپٹ عناصر کے حامی ان پر شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار بننے کی کوشش میں تنقید کر رہے ہیں ورنہ وہ بھی جانتے ہیں کہ کرپٹ عناصر اب حمام میں ننگے ہو چکے ہیں۔

پاکستان عوامی تحریک اورپاکستان تحریک انصاف عوام کی بھلائی کے جہد وجہد کر رہے ہیں اور اس سلسلے میں انکو کرپٹ عناصر سے واسطہ پڑا ہوا ہے جو کہ محض اپنے مفاد کی خاطر ان کے حقوق کو غصب کر رہا ہے۔اور ایسے عناصر سے لڑائی صبر آزما کام ہے کہ حق کی بات کرنے والے یہ بات جانتے ہیں کہ بہت کچھ غلط ہو رہا ہے مگر وہ اپنے ساتھ عوام کی ہمدردیاں تو رکھتے ہیں مگر عوام ماسوائے چند محروم طبقوں کے سوا باہر سڑکوں پر آنے یا دھرنوں میں شرکت سے گریزاں ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ حقیقی تبدیلی کے لئے بہت وقت چاہیے اور سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام کی سوچ بدلی جائے کیونکہ یہاں

دھرنوں، جلسوں اور انقلاب کی باتوں سے خوش ہونے والی عوام عملی طور پر بھرپور قدم اُٹھانے سے قاصر ہے؟ کیونکہ ہماری عوام جب وقت آتا ہے تو ووٹ ایسے عناصر کو ہی دیتی ہے جو کہ آزمائے ہوئے ہیں یا پھر اپنی خاندانی روایات یا مفاد پرست کی وجہ سے مخصوص ناموں یا جماعت کو دیتی ہے اور اچھے لوگ اپنی یا تو ضمانت ضبط کر والیتے ہیں یا پھر آئندہ الیکشن لڑنے سے ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ جس سے ہمارے ملک اور عوام کے حالات میں اتنے سال گذر جانے کے باوجود بھی کوئی خاطر خواہ تبدیلی واقع نہیں ہو ئی ہے۔اب جا کر کچھ باشعور عوام نے پاکستان تحریک انصاف کو تبدیلی کے لئے منتخب کیا ہوا ہے۔

اگر حالات کو دیکھا جائے تو عوام پہلے سے زیادہ بدحالی کی جانب جا رہی ہے جہاں عوام کو دو وقت کی روٹی کے لئے دشواری کا سامنا ہے، وہاں گیس، بجلی کی عدم دستیابی اور طبّی سہولتوں کا فقدان اور تعلیم کے شعبہ میں لاپرائی نے عوام میں غم وغصے کی لہر پیدا کی ہوئی ہے ،اگر عوام اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کرنا چاہے تو اس کو پہلے گھر کے چولہے کی فکر ہے کہ اگر وہ سڑکوں پر نکل پڑی تو ان کے گھروں میں فاقے ہو سکتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ کھل کر اپنی آواز بلند نہیں کر پا رہے ہیں۔جہاں تحریک انصاف پاکستان اپنے دھرنے پر اپنے مقاصد کے حصول تک ڈٹی ہوئی ہے ،وہاں جمہوری حکومت کی دعویٰ دار حکمران جماعت ٹس سے مس نہیں ہوئی ہے ،حالانکہ اب حالات انکے خلاف وقت کے ساتھ ساتھ

جارہے ہیں، بہت سے عناصر جماعت کے اندر بھی اس حقیقت کو جان چکے ہیں کہ کسی بھی لمحے حکومت گر سکتی ہے اور حکومت کو قائم رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش ہو رہی ہیں مگر یہاں افسوس ناک عمل یہ ہے کہ میٹرو بس جیسی سہولت کے لئے تو عوام کے اربوں روپے ڈبوئے جارہے ہیں مگر عوام کو لوڈشیڈنگ جیسے مرض سے چھٹکارے کیلئے کوئی بندوبست نہیں کیا گیا ہے اور نہ ہی گیس کی سردیوں میں کمی کا کوئی بندوبست نظر آرہا ہے۔ یہاں تو سیلاب آتا ہے تو ہر حکومت پچھلی حکومت پر الزام دھر کو خود پاک صاف ہو جاتی ہے حالانکہ اب وقت ہے کہ مستقبل کے لئے کوئی مضبوط حکمت عملی اختیار کی جائے کہ سیلاب کے نقصان سے بچا جاسکے مگر یہاں عوام کی بھلائی کون سوچے گا؟ یہاں سیلاب سے نقصان پر اربوں روپے تو بانٹے جا سکتے ہیں مگر اس سے بچاؤ کے لئے لاکھوں روپے خرچ کرنا حکومت وقت کے لئے گناہ کبیرہ ہے، کیونکہ میٹرو بس کے لئے پیسہ جو خرچ کرنا تھا حالانکہ اس سے ملک بھر کی سالوں سے ٹوٹی سڑکیں باآسانی مرمت کروائی جا سکتی تھیں۔ مگر جناب یہاں جب عوام کے لئے سوچنا محال ہے جب تک ایسا نہیں ہوگا ہماری عوام یوں ہی پس پس کر مرتی رہے گی، مگر عوام کو بھی اب اُٹھنا ہوگا کہ اب بہت ہو چکا ہے، حکومت وقت کو بھی سنبھالنا ہوگا وگرنہ انکو پھر اقتدار میں عوام آنے کا موقع نہیں دے گی۔ کیونکہ دھرنوں کی وجہ سے ذہنی سوچ میں تبدیلی کا انقلاب آنا شروع ہو چکا ہے، عوام کو بہت حد تک مفاد پرست سیاستدانوں کی سچائی آشکار ہو چکی ہے اب کرپٹ عناصر سے ملک کو چھٹکارہ ملنے

کی امید ہو چلی ہے؟ کیونکہ اب غلامی سوچ کی زنجیر ٹوٹنے کو ہے؟

دو رنگے لوگ

اکثر مجھے ایسے لوگوں کو دیکھ کر بہت کوفت ہوتی ہے جو کہ اپنے لئے تو ایک بات یا عمل پسند کرتے ہیں مگر دوسروں کے لئے انکا نقطہ نظر یکسر مختلف سا ہو جاتا ہے۔ابھی اس بات کو یوں سمجھ لیں کہ ایک شخص جو اپنے عقیدہ کے مطابق اسلام کی حقیقی روح پر خود تو عمل پیرا ہوتا ہے،اور اسکی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی زندگی میں کسی بھی شخص کی کوئی مداخلت نہ ہو اور وہ یوں ہی اپنی زندگی کو اپنے عقیدے کے مطابق بسر کر دے۔ مگر جب کوئی دوسرا شخص اپنے عقیدہ کے مطابق جو کہ اُس شخص کے عقیدہ سے قدرے مختلف عمل کرتا ہے تو اُس کو یہ بات پسند نہیں آتی ہے اور وہ اس پر اپنی تنقید کی برسات شروع کر دیتے ہیں یوں کہہ لیجئے کہ وہ اس قدر اس کو تنگ کرتا ہے کہ اس کا جینا بھی حرام ہو جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں یہ بدعت عام سی ہو گئی ہے اور ہم میں سے اکثر لوگ اس میں مبتلا ہیں۔ ہمارے معاشرے میں جو یہ فرقہ پرستی کی وبا عام ہوئی ہے اس کی بڑی وجہ ہم لوگوں کی دو رنگی سوچ ہے جو کہ نہ صرف ہمارے لئے بالکل دوسروں کے لئے بھی مسائل کھڑے اکثر کر دیتی ہے۔ حالانکہ ہمارا دین تو واضح حکم دیتا ہے کہ جو ہم اپنے لئے پسند کریں، وہی اپنے بھائی کے لئے بھی منتخب کریں مگر ہم مفاد پرست اور دو رنگے لوگ دین کی بھی بس اپنے مطلب کی باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں

جو کہ ایک لمحہ فکریہ ہے۔

دوسری طرف ایسے لوگوں کی بھی آج کل کمی نظر نہیں آرہی ہے جو کہ محبت کے نام پر معصوم لڑکیوں کو اپنے چنگل میں پھانس کر انکو مختلف تفریح گاہوں، ریسٹورنٹس اور دیگر مقامات پر لے جاتے ہیں، جہاں ان میں سے اکثر کی عزت بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے یا پھر وہ اپنوں کی نظر میں آ کر انکی نظروں سے گر جاتی ہیں اور انکی رہی سہی عزت جو، ہوتی ہے وہ بھی محض دل پھینک مفاد پرست عاشقوں کی بدولت ختم ہو کے رہ جاتی ہے۔ مگر ایسے نام نہاد عاشق حضرات دوسرے کی بہنوں کو تو بڑی خوشی سے Dates پر لے جاتے ہیں مگر جب انکی اپنی بہن کے ساتھ کوئی ایسی ملاقات کر لے تو بہن کی شامت کے ساتھ ساتھ اس کے عاشق کی بھی خاطر مدارت کی جاتی ہے۔ اپنے بہن کی عزت کی تو پرواکی جاتی ہے مگر دوسرے کی بہن کو محض تفریحا تفریح گاہوں میں لے جایا جاتا ہے، فوٹو بنوائے جاتے ہیں اور کبھی کبھی انکی گفتگو بھی موبائل فونز کے ذریعے ریکارڈ کر لی جاتی ہے اور بڑے فخر سے " بھابی" کہلوانے والے لڑکی کی عزت کی دھجیاں اُڑا کر رکھ دیتے ہیں، انکی تصویروں اور انکے جدید دور کا فتہ ایس ایم ایس دوستوں کو دکھائے جاتے ہیں اور بعض بدبخت انکے موبائل نمبرز تک بھی دوستوں کو ان سے دوستی کے لئے دے دیتے ہیں، اور تو اور کچھ ایسے سر پھرے بھی دکھائی دیئے جو کہ Dates پر اپنے دوستوں کو بھی ساتھ لے جاتے ہیں اور

اپنی نئی نویلی ''محبوبہ'' کے دیدار کا موقع یوں دیتے ہیں جیسے چڑیا گھر میں نئے جانور رکھے گئے ہوں۔اور جب بات اپنی بہن کی ہوتی ہے تو اگر وہ خدانخواستہ پسند کی شادی کر لیتی ہے تو یہی بھائی جو دوسروں کی بہنوں کے ساتھ تماشے کرتے پھرتے ہیں یہ ''بے غیرت بھائی''اُنکو جو کہ معاشرے میں عزت سے مذہب کی رو سے جائز طریقے سے ایک دوسرے کے ہوتے ہیں مگر یہاں بھی غیرت کے نام پر اُنکو قتل کرتے ہیں، جبکہ درحقیقت ایسے لوگوں میں خود غیرت نام کی کوئی چیز پائی بھی نہیں جاتی ہے۔دوسروں کی بہنوں کو سرعام بدنام کرنے والے پتا نہیں کیوں اپنی بہن کو کیوں بھول جاتے ہیں کہ کل کلاں کو کوئی اسکی طرف بھی بُری نگاہ سے دیکھ سکتا ہے؟کاش ایسا ہم لوگ سوچ لیں تو کم سے کم بہت سی لڑکیوں کی عزت محفوظ رہے۔جو لوگ دوسروں کی بہنوں کی عزت کو مقدس جانتے ہیں ،وہ انکی بدنامی کا سبب نہیں بنتے ہیں ،یہاں لڑکیوں سے بھی کہوں گا کہ جب تک کوئی آپ کے ساتھ مخلص نہ ہو،زندگی بھر ساتھ دینے کے لئے تیار نہ ہو،اُسوقت تک کم از کم اپنی عزت کو زیادہ خطرات کا شکار مت ہونے دیں، خودیا اُس پسندیدہ شخص کو گھر والوں سے ملا دیں تاکہ باعزت طریقے سے آپ اسکی زندگی کا حصہ بن سکیں اور یہاں میں ایسے لوگوں کے بارے میں بھی کہوں گا کہ جو دین کے حوالے سے تو بڑی چڑھ کر بات کرتے ہیں مگر عملی طور پر ''صفر''ہوتے ہیں۔اگر ایسے لوگ اپنے بچوں کی پسند میں خیال رکھیں تو وہ بھی من پسند زندگی گذار سکتے ہیں مگر یہاں ہم فرسودہ خیالات رکھتے ہیں اور پھر

جب حالات ہمارے خلاف جاتے ہیں تو سوچتے ہیں کاش ہم ویسا کر لیتے ہیں تو بدنامی مقدر نہ ہوتی؟ خود ہم اپنے فرائض سے غفلت برتیں تو نیک قرار پاتے ہیں مگر کوئی رشوت لے تو وہ ہماری نظر میں گناہگار ہے؟ خود اپنی غلطیوں، گناہوں کی پردہ پوشی کر کے فرشتہ بنتے ہیں اور دوسروں کو شیطان یا واجب القتل قرار دیتے ہیں؟

آج کے دور میں ہر لکھنے والا اپنے انداز میں معاشرتی مسائل کو اُجاگر کر رہا ہے مگر ہم لکھنے والے لکھ کر خوش ہو جاتے ہیں کہ شاید کوئی اس سے سبق پڑھ لے مگر ایسا کم کم ہی ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ تحریر بھی مجموعی طور پر مردوں کے خلاف جا رہی ہے مگر اگر حقائق کی بات کی جائے تو ایسا حقیقت میں بھی ہو رہا ہے کہ ہم میں سے اکثر دو رنگی سوچ کے حامل مرد ہی زیادہ تر خواتین کے لئے مسائل پیدا کرتے ہیں۔ محبت کے نام پر لوگ سب کچھ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محبت میں سب جائز ہے مگر ایسے کہنے والے دو رنگے لوگ یوں کہہ کر اس محبت کی توہین کرتے ہیں۔ محبت میں محبوب کی خوشی سے زیادہ کچھ اہم نہیں ہوتا ہے مگر لوگ محبت میں بھی محبوب کے محبوب سے رقابت کا جذبہ رکھتے ہیں، حالانکہ محبوب کو اگر وہ خوش دیکھنا چاہتے ہیں تو اسے اسکے محبوب کے ساتھ خوش دیکھنا بھی عمدہ فعل ہے مگر ہم خود تو محبوب کو خوشی دینا چاہتے ہیں مگر جب کوئی اور دینا چاہے تو ہم اسکے دشمن بن جاتے ہیں۔ اپنے ارد گرد

نظر ڈالیں تو بہت سے معاملات میں دو نقطہ نظر پر مبنی سوچ بخوبی ظاہر ہو گی، ہمیں اپنے گریبان میں جھانکنا پڑے گا تب ہی حقیقی تبدیلی رونما ہو سکے گی؟

!!!لوگ کیا کہیں گے۔۔

ارے یوں مت کرو! ایسامت کرو! ویسامت کرو! لوگ کیا کہیں گے؟ اس حوالے سے ہم لوگ ہمیشہ ہی سوچتے رہتے ہیں؟ کس قدر بے حسی کی بات ہے کہ ہم نے کبھی یہ اپنے اعمال سرانجام دیتے ہوئے نہیں سوچا ہوگا کہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ جو ہمارے لئے ساری ساری رات عبادت میں گذار کر ہمارے حق میں دعا کرتے تھے، وہ ہمارے بُرے اعمال پر روز محشر کیا محسوس کریں گے یا ہم اس حوالے سے اپنے رب کو کیا جواب دیں گے؟ روز مرہ زندگی کے تمام معاملات میں اکثر و بیشتر ہم یہی سوچ رکھتے ہیں اور اپنی زندگی کو مزید مسائل کا شکار یہی سوچ رکھ کر بنا لیتے ہیں؟ اس حوالے سے مسکان خان کہتی ہیں کہ اگر ہم اپنے ارد گرد نظر ڈالیں تو ہر انسان ہی ذہنی غلامی میں نظر آتا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے ہماری زندگیوں کے المیوں میں سے ایک بڑا المیہ ہے، کیونکہ اس نے ہم سے آزاد رہنے کا حق چھین لیا ہے۔ ہم بچپن سے لے کر بڑھاپے تک ہر دور میں زندگی کے ہر آگے بڑھنے والے قدم پہ، اپنی منزل تک پہچانے والی سیڑھی کے ہر اک قدم پہ ہمیں ہر لمحہ یہی خوف رہتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے؟ مسکان خان اس حوالے سے مزید یہ کہتی ہیں کہ حقیقت یہی ہے کہ ہماری پرورش ہی ایسے ماحول میں ہوئی ہے کہ ہمارے گھر کے بزرگوں، بچے تک سے لے کر شعور رکھنے والوں تک سب میں یہ خوف بدرجہ اتم موجود

ہے کہ ہمارے قدم اُٹھانے پر لوگ کیا کہیں گے؟

میں یہاں اُن معاملات پر بات کروں گا جو کہ مجھے اہم لگ رہے ہیں ان میں سے ایک تو لڑکیوں کی شادی کا معاملہ ہے۔بہت سے لوگ اگر کبھی چھوٹی بہن کا رشتہ مانگ لیں تو اس وجہ سے اس کی شادی نہیں کرتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے کہ بڑی گھر میں بیٹھی ہوئی ہے اور آپ نے چھوٹی کی شادی کر دی ہے؟اگر آپ حقائق کو دیکھیں تو آج کل کے دور میں یوں بھی لڑکیوں کی شادی ایک اہم مسئلہ بنتا جا رہا ہے اور بہت سی لڑکیاں ایسی بھی ہیں جن کے بالوں میں چاندی اتر جاتی ہے مگر وہ پیا دیس نہیں سدھار پاتی ہیں۔اگرچہ اس میں بہت سے وجوہات کا دخل ہے مگر اسمیں ایک بڑی وجہ کا مناسب رشتہ آنے کے باوجود بھی لڑکیوں کے والدین کا انکے رشتہ نہ کرنا ہوتا ہے؟لیکن جہاں تک بات ہے کہ چھوٹی کی شادی نہیں کرنی ہے کہ بڑی گھر میں ہے تو یہاں میری اپنی ناقص رائے یہ ہے کہ والدین نے ایک نہ ایک دن تو اپنی بیٹی کی شادی کرنی ہے تو اگر اچھا رشتہ مل رہا ہے اور اسکی عمر اس قدر ہے کہ اسکی شادی کر دینی چاہیے۔ تو اس حوالے سے لوگ کی باتوں کو زیادہ اہمیت نہ دیں۔ کیونکہ یہی لوگ ہی ہوتے ہیں جب کسی کی بیٹی کی شادی دیر سے ہو رہی ہو یا نہ ہو پا رہی ہو تو کہتے ہیں کہ ''کب تک بیٹی کو گھر میں بیٹھا کر رکھو گے''؟لوگ تو کسی طور پر بھی خوش نہیں ہوتے ہیں چاہے ہم کتنا مرضی ہی کیوں نہ زور لگا لیں ، کہیں نہ کہیں کوئی کسر باقی رہ جاتی

ہے؟

دوسری طرف اگر کہیں لڑکا بن جہیز کے کسی لڑکی کو اپنے گھر میں لانا چاہ رہا ہو تو بھی اس حوالے سے بالخصوص لڑکے اور لڑکی کے گھر والوں کی طرف سے زور لگایا جاتا ہے کہ جہیز تھوڑا بہت ضرور لیا جانا چاہیے ؟ یہاں بھی وہی لوگ کیا کہیں گے کہ بہو جہیز نہیں لے کر آئی ہے یا پھر بیٹی/بہو کو جہیز میں کچھ نہیں دیا ہے؟ جیسے طعنے سننے کو لڑکے و لڑکی والوں کو ملتے ہیں؟ اب یہاں ان باتوں کو کہنے والوں سے کہوں گا کہ کیا یہی ہمارے دین کی تعلیمات ہیں جیسا کہ ہم لمبی چوڑی جہیز کی فہرستیں فراہم کرکے کسی پر ناحق بوجھ ڈالتے ہیں؟ آپ شادی کی تقریبات کی مثال دیکھ لیں کتنے ہی غریب گھرانوں کی بیٹیوں کی شادی اس رقم سے ہو سکتی ہے جو کہ محض نمود و نمائش کی خاطر خرچ کر دی جاتی ہے۔ یہاں بھی سادگی سے شادی کرنے والوں کو طنز کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور اسی وجہ سے لوگ کیا کہیں گے ،کا سوچ کر دھوم دھام سے شادی بیاہ کی رسومات کی جاتی ہیں اور لاکھوں روپے محض چند گھنٹوں کے اندر اُڑا کر رکھ دیے جاتے ہیں؟ محض لوگوں کی باتوں سے بچنے کے لئے اکثر ایسا کیا جاتا ہے؟ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہم لوگوں کی تو سن لیتے ہیں مگر اُس خدا کی نہیں سنتے ہیں جو کہ ہماری شہ رگ سے بہت قریب ہے ؟نہ ہی ہم اس دین کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا سوچتے ہیں جس کے ہم بڑے علمبردار بنے پھرتے ہیں، دنیا جہاں

میں مسلمان اپنے آپ کو کہلواتے ہیں مگر اچھا مسلمان بننے کی طرف نہیں جاتے ہیں؟
کبھی کبھی ہم محض لوگوں کی باتوں سے جل بھن کر ایسا کام کرنے کا سوچتے ہیں جو کہ ہم نہ بھی کریں تو ہمارے حق میں بہتر ہوتا ہے مگر ہم یہی سوچ کر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں لوگوں کی باتوں سے نجات مل سکے؟مگر اس میں ہمیں کامیابی کم ہی ملتی ہے اور وقت بہت ضائع ہو جاتا ہے مگر ہم پھر اس تگ و دو میں لگے رہتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے ؟ہم ایسا نہیں کر سکتے ہیں ہم ایسا کر پائیں گے ؟یہی خوش فہمی ہمیں ایک دن ذلیل و رسوا بھی کرتی ہیں؟بہت سے لوگ غیروں میں اچھا رشتے مل رہا ہو تو بھی انکو جانے دیتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے ؟ اپنوں میں اتنے قابل فخر تھے تو غیروں کو کیوں دی؟ بہت سے نا عاقبت اندیش لوگ ایسے ہی مفکر دانشوروں کی باتوں میں آ کر اس سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور بعدازں اگر کوئی مسئلہ ہو تو انکو یا اپنے آپ کو کوستے رہتے ہیں مگر یہ بات پھر بھی نہیں سمجھ پاتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں کی بجائے اگر اللہ کے حکم کے مطابق چلتے تو یوں نہ ہوتا؟
میری ایک قاری بہن قراۃ العین نے اس حوالے سے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ بہت سے لوگ اپنی بیٹیوں کو اس لئے بھی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے

بعد یا شادی کے بعد نوکری کی اجازت نہیں دیتے ہیں کہ لڑکی کو اس لئے پڑھایا تھا کہ اُس سے نوکری کروانی تھی؟اس لئے وہ اپنی صلاحیتیں رکھنے کے باوجود بھی گھر کے چولہے تک محدود رہتی ہیں کہ پھر انکے گھر والوں کو یا سسرال والوں کو لوگ کیا کیا کہتے پھرتے ہیں سننا پڑتا؟ دوسری طرف ایک قاری بہن نمل خان نے نشاندہی کروائی ہے کہ اکثر جب بھی لڑکیاں والدین سے تعلیم کے بعد نوکری کا کہتی ہیں اور خواہش ظاہر کرتی ہیں کہ وہ باہر جا کر کچھ کمائی کرلیں تو والدین اکثر اس بات پر انکار کرتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے؟ بہت سے نوجوان پاکستان میں رہ کر معمولی نوکری نہیں کرنا چاہتے ہیں مگر باہر یورپی ممالک میں جا کر ادنی سی نوکری بڑے فخر سے کرتے ہیں اور یہاں اپنے آپ کو پاکستان میں رشتے داروں کے سامنے یوں ظاہر کرتے ہیں جیسے وہاں کے لوگوں پر حکمرانی کرتے ہوں؟ محض اس وجہ سے کہ لوگ کیا کہیں گے باہر جا کر بھی یہ کام کرنا تھا تو باہر کیوں گئے؟ دوسری طرف قبائلی علاقہ جات میں بھی لڑکیوں کو اسکول نہیں بھیجا جاتا ہے کہ قدیم روایات کے مالک لوگ کیا کہیں گے کہ لڑکی کو کیوں پڑھنے کے لئے بھیج دیا ہے؟

آخر ہم کب تک دوسروں کی سنتے رہیں گے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ہمارے پاس ہے بھی تو بھی اس کا جواب ہم جاننا نہیں چاہتے ہیں؟جو جانتے بھی ہیں وہ بھی محض لوگوں کے ڈر سے چپ رہتے ہیں اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ

لوگوں سے ہی ڈرا کرتا ہے اور جب تک اللہ کا ڈر نہیں ہوگا تب تک ہم کو لوگ کیا کہیں گے ! کا خوف ہمیشہ ایسے کام کرنے پر اُکساتا رہے گا جو اس کے حکم کے خلاف ہونگے یا ایسے ہونگے جو کہ فائدہ کا سبب بننے والے ہونگے ؟اگر ہم یہ سوچنا چھوڑ دیں کہ لوگ کیا کہیں گے تو نہ صرف ہم خود بلکہ اپنے ساتھ تعلق رکھنے والوں کو بھی اس کی غلامی سے نجات دلا سکتے ہیں بلکہ مستقبل میں آنے والی نسلوں کو بھی اس سے محفوظ رکھ سکتے ہیں اور انکی زندگیوں کے لئے اس عذاب سے نجات دلا کر راستہ آسان بنا سکتے ہیں۔آخر میں صرف ایک چھوٹی سی بات کہ اگر ہم یہ سوچنا شروع کر دیں کہ لوگ کیا کہیں گے ؟ تو لوگ کیا کر لیں گے ؟یہ لوگوں کا کام ہے یہ اُن کو کرنے دیں اور اپنی زندگی کو اپنی سوچ کے مطابق آسان بنائیں ، کل کو کوئی آپ کے مسائل حل کرنے کو نہیں آئے گا۔آپ کو اپنے مسائل تنہا حل کرنے ہونگے تو لوگوں کی بجائے اپنے زور بازو پر یقین کامل کے ساتھ اپنے کاموں کو سرانجام دیں۔

اک اور لو اسٹوری

آج میری سالگرہ کا دن تھا اور میں بڑی بے چینی سے زوہیب کی جانب سے سالگرہ مبارک کی منتظر تھی ،مگر ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے کی طرح میرا دم تو نکل رہا تھا مگر خواہش کے پورا ہونے کی اُمید پوری نہیں ہوئی، بہر حال پھر میں نے ایسے احسان فراموش شخص کو پھر سے یاد کرنے کی کوشش نہیں کی مگر ایک کسک دل میں باقی رہ گئی کہ کیا محبت ایسی ہی سنگدلی کا نام ہے کہ آپ محبت کا دعویٰ رکھ کر بھی اپنے پیارے کو تنہا چھوڑ کر اپنی زندگی میں مشغول ہو جاؤ؟ یہ اس لئے بھی کہہ رہی ہوں کہ میری ہی کلاس فیلو نے میری خاطر اپنا چہرہ تک تباہ کر لیا تھا، بہت محبت کے دعویٰ کئے تھے ،جب میں نے گھاس تک نہیں ڈالی تو میری جان چھوٹی، مگر کسی اور کی جان آج کل عذاب میں آئی ہوئی ہے کہ وہ میری ہی کلاس فیلو لڑکی کے ساتھ پیار کی داستان پھر سے شروع کئے ہوئے ہے، وہی وعدے ، قسمیں ہیں؟ یہ ہے آج کل کے پیار کی سچائی اور مردوں کا بہروپ ، محبت کی کہانیاں کی انوکھی دو دن کی کہانیاں ہیں ؟میں اپنے بارے میں زیادہ تفصیلات تو نہیں بتاؤں گی کیونکہ میں جو بتا رہی ہوں وہ میری زندگی کا ایک حصہ ہے اور میں چاہتی ہوں کہ مجھ جیسی لڑکیاں جو دل لگی کو کسی کی پیار سمجھ کر سنجیدہ ہو کر اپنی زندگی برباد کر لیتی ہیں وہ کچھ سیکھ سکیں۔

محبت اک ایسا دریا ہے
کہ بارش روٹھ بھی جائے تو
پانی کم نہیں ہوتا

میری زندگی کی کہانی بھی کچھ ایسے ہی ہے،جب میں محبت کے دریا میں اُتری تو دریا نے ہی اپنا رُخ بدل ڈالا اور اس کی وجہ سے میری زندگی بھی بدل کر رہ گئی ہے۔میں نے سنا ہوا ہے کہ محبت روشنی کی مانند ہے جو ہماری زندگی کو اندھیرے سے روشنی کی جانب لاتی ہے۔یہ محبت ہی ہے جو ہمیں زندگی میں کچھ کرکے دکھانے پر مجبور کرتی ہے۔محبت ہم سے وہ کچھ بعض اوقات کرواتی ہے جس کے بارے میں خواب وخیال میں بھی ہم نے سوچا نہیں ہوتا ہے۔ہماری زندگیوں میں سچی اور بے غرض محبت کی بڑی اہمیت ہے یہ علم کی مانند وہ دولت ہے جس کو ہم سے کوئی چرا نہیں سکتا ہے۔اور یہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ شدید سے شدید تر ہوتی چلی جاتی ہے۔اور بعض اوقات بہت زیادہ محبت کرنے والے حالات کی وجہ سے یا دیگر عوامل کی بناء پر ایک دوسرے سے محبت سے زیادہ نفرت کرنے لگتے ہیں۔بہر حال محبت کی دولت جس کے پاس ہوتی ہے اس کے لئے دنیاوی مال ودولت کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔اور اسی کے سہارے زندگی کو ہنسی خوشی گذارہ جاسکتاہے کہ کوئی تو ہے جس سے ہمیں یا اسے ہم سے محبت رہی ہے۔اور میں بھی زیبی (زوہیب) سے محبت رکھ کر اب شاید کچھ ایسی ہی سوچ کی حامل بن گئی ہوں۔

نہ جانے یہ لوگ مجھے خوش دیکھ کر جلتے کیوں ہیں
فیضؔ کی تو عادت ہے غموں میں مسکرانے کی

میری زیبی (زوہیب) سے ملاقات اُن دنوں ہوئی تھیں جب ہم کالج میں ایک دوسرے کے سامنے آئے تھے ،اُن دنوں وہ میرے کالج کے پروفیسر کے پاس ٹیوشن پڑھنے آیا کرتا تھا،انھی دنوں میں میرے کالج کے سپورٹس مقابلے کی اُسے ایک لڑکی نے متاثر کیا تھا،جب میرے کالج اطلاع آئی کہ میں نے مقابلہ جیت لیا ہے تو پوری کلاس نے جیت کی خوشی کو بھرپور منایا۔اسی دوران اس کا مجھ سے رابطہ ہوا تھااور وہ مجھے عائشہ کے نام سے جانتا تھااور اُس نے مجھ سے میرے ہی بارے میں جاننے کی خواہش کا اظہار کیا تھا کیونکہ تب وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ سپورٹس مقابلہ میں نے ہی جیتا تھا۔اگرچہ اُن دنوں میں اپنی ذات میں گم رہتی تھی اور غیر نصابی سرگمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی اور آج تک میرا یہ عمل جاری بھی ہے۔اُن دنوں اپنی زندگی سے بے پناہ خوش تھی اور مجھے خبر نہ تھی کہ آنے والے دنوں میں کتنے ہنگامے ہو جائیں گے اور میں پل پل سکون کو ترسوں گی۔زیبی (زوہیب)کے ساتھ میرا رویہ شروع سے ہی عجیب سا رہا تھا، میں نے کبھی اسکی پسندیدگی کو گھاس نہیں ڈالی تھی، میں ایسے جذبات کو خاطر میں نہیں لا رہی تھی ،مجھے خبر نہیں تھی کہ وہ کس حد تک اپنے جذبات میں سچا ہے، وہ گاہے بگاہے اپنی پسندیدگی کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتا

شروع کر چکا تھا، مگر وقت کے ساتھ ساتھ میں اس کے ساتھ پہلے بیزاری کا رویہ رکھے ہوئے تھی وہ آہستہ آہستہ ختم ہونے لگا۔ وہ مجھے اپنے بارے میں ہر چھوٹی سے چھوٹی بات تک سچ سچ بتا چکا تھا اور میں اسکی باتوں پر یقین کرنے لگی تھی۔ میں اپنی ذات میں تبدیلی محسوس کرنے لگی اور اسکی جانب جھکنے لگی۔جب کی اسکی والدہ کی موت ہوئی اور اس کی حالت ابتر ہوئی اور نوبت خودکشی تک پہنچی تو میں نے اس کو سہارا دینے کا سوچا اس کی حالت زار کے بارے میں مجھ ایک پڑوس کی لڑکی سے معلوم ہوا تھا۔اس کے، پاس میرا موبائل نمبر تھا مگر اس نے کبھی ناجائز استعمال نہیں کیا تھا اور ہمارے درمیان دوستی کا رشتہ قائم ہو گیا تھا اس عہد کے ساتھ کہ ہمارے درمیان محبت نہیں آئی گی؟ یوں بھی جہاں تک میں جانتی ہوں محبت ایک ایسا جذبہ ہے جسکے لئے اظہار کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اسی بخوبی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ محبت کی نہیں جاتی ہے یہ تو بس کسی سے کسی وقت بھی ہو سکتی ہے۔اس بات کا دارومدار قسمت پر ہوتا ہے کہ فریق ثانی بھی محبت کا جواب محبت سے دے۔اکثر اوقات ہمیں ان لوگوں اور اشیاء سے بھی محبت و پیار ہو جاتا ہے جو کسی طور ہماری دسترس میں نہیں آسکتی ہیں ؟لیکن کیا کریں محبت تو بن صلہ کے سب کچھ کسی پر نچھاور کر دینے کا نام ہے۔کہتے ہیں کہ محبت اندھی ہوتی ہے لیکن پڑوسی نہیں ہوتے ہیں۔اسی لیے میری

اکثر دوستوں کو میری حالت زار سے شک وشبہات ہو رہے تھے کہ میں کسی میں مگن ہوتی جارہی ہوں ،مگر مجھے جیسے زیبی کو میرے سوا کوئی نظر نہیں آتا تھا ویسے ہی مجھے اس کے بنا زندگی ادھوری لگنے لگی تھی اور میری پڑھائی بھی کسی قدر متاثر ہونے لگی تھی مگر میں اپنی محبت میں رفتہ رفتہ کھوئی جارہی تھی۔زیبی نے اپنی محبت کا اظہار کر ڈالا تھا اور ایک دن میں نے بھی اس کے بے پناہ محبت کے جذبے کو دیکھتے ہوئے اپنی آمادگی بھی ظاہر کر دی تھی۔مگر وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ اس کا مجھ سے تعلق کچھ عجیب سا ہو گیا تھا اور وہ مجھ سے دور ہونے لگ گیا تھا۔اور ایک دن وہ مجھے تنہا چھوڑ کر چلا گیا۔اس نے میری کوئی التجا نہیں سنی ،بس اپنا فیصلہ سنا کر چھوڑ کر چلا گیا ؟

اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں

فیضان محبت عام سہی، عرفان محبت عام نہیں

محبت میں انسان اپنی خوشی سے زیادہ اپنے محبوب کی رضا وخوشنودی کا خیال رکھتا ہے۔محبوب کی خاطر وہ سب کچھ سرانجام دیا جاتا ہے جسے وہ شخص پسند اپنے لئے نہیں کرتا ہوتا ہے۔محبت میں جتنا کچھ کیا جاتا ہے وہ احسان کرنے کے زمرے میں نہیں آتا ہے۔محبت کرنے والوں کا ایک دوسرے کے پاس ہر وقت موجود رہنا ضروری نہیں ہوتا ہے۔میں جو تاشفین کے بنا اپنے آپ میں ادھورا پن محسوس کرنے لگی تھی اور ہم رفتہ رفتہ بہت پاس ہوتے جارہے تھے،جب میں ذہنی طور

پر اس کے بہت پاس ہو گئی تو ایک دن اُس نے اپنی اُس محبت کو جس کو وہ اپنا سب کچھ سمجھتا تھا، حاصل کئے بنا ادھورے راستے میں ہی چھوڑ کر اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہو گیا۔ تو میں ذہنی انتشار کا شکار ہو گئی مگر بعد ازں بعض اوقات دوری سے ہی محبت کی گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے، جیسا کہ اب مجھے اس کے جانے سے ہوا تھا۔ بعض اوقات محبوب کے زیادہ دیر تک ساتھ نہ نبھانے یا جلد ساتھ چھوڑنے پر سچی محبت کرنے والے اس بات پر یقین کامل رکھتے ہیں کہ

اس کے یوں ترک محبت کا سبب ہوگا کوئی

جی نہیں مانتا وہ بے وفا پہلے سے تھا

اگرچہ آج میں اس کے کردار اور ماضی کی باتوں کی وجہ سے کچھ اُداسی کا کبھی کبھی شکار ضروری ہو جاتی ہوں مگر مجموعی طور پر میں خوش ہوں اور اسی حال میں جینا چاہتی ہوں کہ محبت محض پا لینے کا نام نہیں ہوتا ہے، اگرچہ اس بات کا دکھ ضرور رہتا ہے کہ میں نے اپنی محبت کو جس کا حق بنتا تھا اُسے شاید نہیں دیا تو ہی یوں میرے ساتھ ہوا ہے، اب میں اس جذبے کو اپنے جیون ساتھی کے لئے مختص کر چکی ہوں کہ وہی میری محبت کا حقیقی وارث ہو گا کہ میری نادانی کی وجہ سے اتنا کچھ ہوا ہے اگر میں اس سے محبت کا اظہار نہ کرتی تو شاید آنے والے دنوں میں اسکی حقیقت خود ہی سامنے آجاتی تو میں یوں اپنے آپ سے شرمسار نہ ہوتی ہے کہ میں نے جس سے اظہار کیا وہ ہی مجھے تنہا چھوڑ گیا

ہے، بہر حال میرے پاس میرے اپنے ہیں جن سے میں بے پناہ پیار کرتی ہوں اور کرتی رہوں گی۔اور یوں بھی اس محبت نے مجھے بدل کر رکھ دیا ہے اور زندگی کے حقیقی رنگوں سے لطف واندوز ہونا بھی کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں ہے، میرے ساتھ جو ہوا وہ تو گذر گیا ہے مگر مجھے ان حالات وواقعات نے بہت مضبوط کر دیا ہے، میری آج بھی بھرپور زندگی گذر رہی ہے۔ایسے مفاد پرست لوگوں کے لئے میں ایک انا پرست ،ہٹ دھرم اور اپنوں کے لئے وہی لاپرواہ لڑکی، بچگانہ ذہن رکھنے والی اور اپنی ذات میں مگن لڑکی ہوں۔اور میں یوں ہی اپنے حال میں خوش رہنا چاہتی ہوں کہ اپنوں کی محبت سے بڑھ کر دنیا میں کچھ اور نہیں ہے اور یہی میرے لئے بہت ہے ؟اور ہاں یہ تو بتانا بھول ہی گئی زیبی نے واپس مجھے پانے کے لئے بہت کوششیں کی مگر میں اب اس کے جال میں پھنسنے والی نہیں تھی تو اس کی ہر کوشش کو ناکام کر دیا ہے کہ مجھے پتا چلا گیا کہ محبت کس بلا کا نام ہے اور سچے دل سے محبت کرنے والے کیسے ہوا کرتے ہیں؟

وقت ایک دولت اور زندگی انمول ہے

ایک بادشاہ نے اعلان کیا کہ جو شخص جھوٹ بولتے ھوئے پکڑا گیا اس کو پانچ دینار جرمانہ ھوگا.. لوگ ایک دوسرے کے سامنے بھی ڈرنے لگے کہ اگر جھوٹ بولتے ھوئے پکڑے گئے تو جرمانہ نہ ھو جائے..

ادھر بادشاہ اور وزیر بھیس بدل کر شہر میں گھومنے لگے.. جب تھک گئے تو آرام کرنے کی غرض سے ایک تاجر کے پاس ٹھہرے.. بادشاہ نے تاجر سے پوچھا..

"تمھاری عمر کتنی ھے..؟"

تاجر نے کہا.. "40 سال.."

بادشاہ نے پوچھا.. "تمھارے پاس دولت کتنی ھے..؟"

تاجر نے کہا.. "70 ھزار دینار.."

بادشاہ نے پوچھا.. "تمھارے بچے کتنے ھیں..؟"

"..تاجر نے جواب دیا.. "ایک

واپس آ کر انھوں نے سرکاری دفتر میں تاجر کے کوائف اور جائیداد کی پڑتال کی تو اس کے بیان سے مختلف تھی.. بادشاہ نے تاجر کو دربار میں طلب کیا اور وھی تین سوالات ..دُھرائے.. تاجر نے وھی جوابات دیے

بادشاہ نے وزیر سے کہا.. " اس پر پندرہ دینار جرمانہ عائد کردو اور سرکاری خزانے میں جمع کرادو کیونکہ اس نے تین جھوٹ بولے ھیں.. سرکاری کاغذات میں اس کی عمر 65 سال ھے' اس کے پاس 70 ھزار دینار سے زیادہ رقم ھے اور اس کے پانچ لڑکے ھیں

.."

تاجر نے کہا.. " زندگی کے 40 سال ھی نیکی اور ایمان داری سے گزرے ھیں اسی کو ..میں اپنی عمر سمجھتا ھوں

اور زندگی میں 70 ھزار دینار میں نے ایک مسجد کی تعمیر میں خرچ کیے ھیں اس کو اپنی ..دولت سمجھتا ھوں

اور چار بچے نالائق اور بد اخلاق ھیں ایک بچہ اچھا ھے اسی کو میں اپنا بچہ سمجھتا ھوں
"..

یہ سُن کر بادشاہ نے جرمانے کا حکم واپس لے لیا اور تاجر سے کہا.. "ھم تمھارے جواب سے خوش ھوئے ھیں..

میرے عزیز بہن بھائیوں آپ نے اکثر اپنے آس پاس لوگوں کو وقت کی کمی کا رونا روتے ہوئے دیکھا ہوگا،اور وہ ایسے لوگ ہونگے جو کہ قیمتی وقت کو فضول کاموں میں ضائع کر کے پھر وقت کے نا ہونے کا بہانہ کرتے ہیں کہ یار ہمارے پاس تو اتنا وقت بھی نیہں ہے کہ ہم منہ ہاتھ دھو سکیں۔دوسری طرف وہ فضول قسم کے ایس ایم ایس کرنے، بازار میں غیر محرم عورتوں کو اپنی نظروں میں رکھنے اور انکو تنگ کرنے جیسے کام کو فخر سے سرانجام دیتے ہیں۔وقت ایسی دولت ہے جو سب کو یکسر میسر ہے لیکن بس وہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں جو اپنے آپ کو اللہ کے حضور جواب دہ سمجھتے ہیں اور ایسا کام نہیں کرتے ہیں جس سے روز محشر انکو شرمسار ہونا پڑے۔

قارئین ! بہت سے کام ایسے ہیں جو اللہ اور آپ کے درمیان پوشیدہ ہوتے ہیں اور وہ ذات آپ کی نیت کو دیکھ کر سزا دینے سے آپ کو رعایت دے سکتی ہے مگر اس کی

اس رعایت کو ناجائز طور پر استعمال کرنا بھی غلط طرز عمل ہے کہ یوں آپ شیطان کے بہکاوے میں آکر بھی اسکی راہ سے بھاگنے لگتے ہو۔آپ جب کسی کے ساتھ بھی وقت گذارو تو ایسا گذارو کہ وہ آپ کے لئے اور اس کے لئے یادگار ہو اور آپ جب ساتھ ہوں تو اس کو یاد کرکے ہمیشہ خوش ہوں، کسی کو بھی ایسا موقعہ نہ دیں کہ آپ کی وجہ سے اسکا وقت غم و رنج میں بسر ہو کہ وقت ایک بڑی دولت ہے اور زندگی انمول ہے اسے یوں ہی برباد کرنا اللہ کی نعمت کی توہین کرنا ہے۔لہذا کوشش کریں کہ اپنی زندگی کو نیک مقاصد کے لئے استعمال کریں۔

جان دی، دی ہوئی اس کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

درود شریف کی اہمیت، احکامات اور فضیلت

ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے میرے اوپر درود شریف نہ پڑھا اس کا کوئی دین نہیں۔ (کشف النعمہ صفحہ 272)

قرآن کریم میں سورۃ آل عمران میں ہے "اے رسول ﷺ آپ لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے دوستی کا دم بھرتے ہو، تو میری پیروی کرو۔ خدا تمہیں اپنا دوست بنائے گا۔"

اسی طرح سے سورۃ احزاب میں ہے " بیشک اللہ اور اسکے فرشتے نبی ﷺ پر درود پڑھ رہے ہیں۔ اے مومنو تم بھی انکے اوپر درود پڑھو اور پوری طرح سلام بھیجو"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے مجھ پر درود پاک نہ پڑھا اس کا وضو نہیں ہے۔

(کشف النعمہ صفحہ 272)

درود شریف ایک سلام ہے جو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے اور اسکے بے

بہا فوائد ہیں جس سے دنیا و آخرت کی بھلائی اور کامرانی ممکن ہے۔درود شریف پیارے نبی ﷺ پر سلام بھیجنے کو کہا جاتا ہے۔ درود شریف ایک دعا بھی ہے جس سے اللہ کے پیارے رسول ﷺ پر رحمت طلب کی جاتی ہے اور سلامتی بھی طلب کی جاتی ہے۔

حضرت شیخ صادقؒ نے شرح ورد الاروید میں بیان کیا ہے کہ حضرت شیخ عارف محمد حقیؒ نے ''خزینتہ الاسرار'' میں لکھا ہے کہ درود شریف تقریباً چار ہزار قسموں کے ہیں۔ایک روایت میں بارہ ہزار بھی لکھا ہے۔ان میں سے ہر ایک درود دنیا کی کسی نہ کسی جماعت کا اپنے اور حضور ﷺ کے درمیان تعلق و اُنس کے اعتبار سے پسندیدہ ترین ہے۔دنیا میں موجود ہر مسلمان اپنی مرضی کا من پسند درود پڑھ کر اپنے پیارے نبی ﷺ کی خوشنودی حاصل کی جستجو کرنے میں لگا ہوا ہے اور اس کی بہت سی مشکلات و مسائل سے اس کی بدولت نجات ممکن ہوتی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس مادی دنیا میں جس طرح سے پھولوں پھلوں کو خاص شکل وصورت دی ہوئی ہے لیکن پھولوں کا سردار گلاب ہے اور آم پھلوں کا سردار ہے اُسی مانند درود شریف کو بھی عبادات میں خاص امتیاز حاصل ہے اور یہ ورد وظائف کا سردار ہے۔

مشکل جو سر پر آپڑی تیرے ہی نام سے ٹلی

مشکل کشا ہے تیرا نام تج پر لاکھوں درود و سلام

ہر مسلمان کے لئے جنت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے قرب کا حصول بھی اس کے پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ خود بھی درود پڑھ رہا ہے اور اسکے فرشتے بھی درود بھیجتے ہیں۔درود شریف اللہ تعالیٰ کے ذکر اور بنی کریم ﷺ کی تعظیم پر مبنی ایک بہترین عبادت ہے۔ہم تو صرف اللہ کے ساتھ ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور بڑے سے بڑا فائدہ حاصل کر لیتے ہیں۔اس کو پڑھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم با وضو ہوں اور چلتے پھرتے پڑھتے رہیں اور اپنے تمام ترضروری کام کاج بھی کرتے رہیں،دل میں یا زبان سے باآواز بلند بھی پڑھ سکتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی غوث الاغطمؒ اپنی معرکتہ الآرا تصنیف ” غنیط الطالبین“ میں فرماتے ہیں کہ اُمت کا نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا شفاعت کا طلب کرنا ہے۔حضرت غوث الاعظمؒ مزید فرماتے ہیں کہ درود شریف کا مطلب پیروی کرنا اور حرمت کرنا بھی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہ مرحوم فرماتے ہیں کہ (درود شریف) اللہ سے رحمت مانگنی اپنے پیارے نبی ﷺ پر اور ان کے گھرانے پر.بڑی قبولیت رکھتی ہے۔ان پر ان کے لائق رحمت اُترتی ہے اور ایک دفعہ مانگنے سے دس رحمتیں نازل

ہوتی ہیں۔جو مانگنے والے پر اُترتی ہیں اور جب جس کا جی چاہے اتنی ہی رحمت حاصل کر لے۔

حضرت علامہ زرقانی ''شرح مواہب''میں نقل کرتے ہیں کہ دورد شریف پڑھنے سے اللہ تعالی کی بارگاہ میں قرب حاصل ہوتا ہے۔جس کو بھی اللہ تعالیٰ کا قرب آسانی سے ملا ہے تو درود شریف کی وجہ سے ہی ملا ہے اور جس کو والایت حاصل ہوئی ہے تو اسکی بدولت ملی ہے۔

درود شریف پڑھنے والے کو دنوں طرف سے.برکات ملتی ہیں اللہ تعالیٰ کے دربار میں مقبولیت اور حضورﷺ کے دربار میں قبولیت ۔یہ ایک نہایت آسان اور بابرکت تجارت ہے جس سے آدمی کو بلاتکلیف صرف منافع ملتا ہے۔یہی وہ واحد وظیفہ ہے جس کے پڑھنے کے اُلٹ اثرات نہیں پڑتے ہیں اور ہم کثرت سے پڑھ سکتے ہیں۔

حضرت علامہ احمد بن المبارک اپنی مشہور کتاب ''لبریز'' جو غوث الزمان.برالعرفان سیدنا عبدالعزیز رحمت اللہ علیہ کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔گیارہویں باب میں فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ سے اس قول کے بارے میں فرماتے سنا تھا کہ بنی کریم ﷺ پر درود شریف ہر ایک شخص سے قطعی طور پر قبول ہے۔اس میں قطعی شک وشبہ نہیں کہ درود شریف تمام اعمام سے افضل ہے اور یہ ملائکہ کا بھی ذکر ہے

جو کہ جنت میں رہتے ہیں ۔ یہ ملائکہ جب بھی درود شریف کا ذکر کرتے ہیں ، توجنب کشادہ ہو جاتی ہے اور یہ کشادگی نبی کریم ﷺ پر درود شریف کی برکات کی بدولت ہوتی ہے۔جنت بڑھنا اس وقت بند کر دیتی ہے جب ملائکہ تسبیح پڑھنا شروع کرتے ہیں اوراللہ تعالیٰ ان پر تجلی ڈالتا ہے ، جونہی تجلی پڑتی ہے ، ملائکہ تسبیح بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ تسبیح سنتے ہیں جنت ٹھہر جاتی ہے۔

ایک بات یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مگر اللہ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ قرآن میں بھی پڑھتا ہوں اور تم بھی پڑھو۔ لیکن درود شریف کے متعلق صاف صاف کہہ دیا کہ میں بھی سلام بھیجتا ہوں ، ملائکہ بھی اور مومنو تم بھی بھیجو۔اس کے معنی صرف درود شریف پڑھنے سے ہی ہم ''مومن'' ہو جاتے ہیں۔بہت سے لوگ اپنے آپ کو مومن توبڑی خوشی سی کہلواتے ہیں مگراُن میں سے اکثریت ایسی ہے جو کہ درود پڑھنے کی توفیق تک نہیں رکھتے ہیں۔

:قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

ترجمہ: یعنی بلند کیا ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر

علامہ قاضی عیاضؒ تفسیر فرماتے ہیں کہ حق تبارک تعالیٰ نے اپنے حبیب احمد مجتبیٰ ﷺ سے ارشاد فرمایا ہے کہ :۔

میں نے تمہیں اپنی یاد میں سے ایک یاد کیا، جس نے تمہارا ذکر کیا، اس نے میرا ذکر ”
کیا، اس کا صاف اور صاف مطلب یہ ہے کہ جس نے حضور ﷺ پر صلوۃ و سلام پڑھا تو
اس نے تحقیق اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا۔

حضرت مولانا محمد علی خان رامپوری مرحوم اپنی مشہور کتاب ”فلاح دین و دنیا“ میں فرماتے ہیں کہ جو شخص صدق دل سے ایک مرتبہ حضرت محمد ﷺ پر درود شریف بھیجتا ہے۔ تو گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے ابھی ابھی پیدا ہوا ہو۔ ایک لاکھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اس کے نامہ اعمال میں اور اسکا نام بھی زندہ اولیاء میں تحریر ہوتا ہے۔

رہے عزت و احترم محمد ﷺ
کہ بعد از خدا ہے مقام محمد ﷺ
ثبوت اس کا قرآن کی آیتیں ہیں
کلام خدا ہے کلام محمد ﷺ

ایک سائل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کی کہ مجھے کچھ دیجئے، میں تنگدست ہوں۔ حضرت علیؓ کے پاس اس وقت دینے کے لئےکوئی چیز نہ تھی۔ آپنے دس بار درود پڑھ کر سائل کی ہتھیلی پر پھونک مار کر فرمایا۔ ہتھیلی بند کر دو۔ سائل نے باہر جا کر جب ہتھیلی کھولی تو سونے کے دیناروں سے بھری پڑی

(تھی۔ (فضل الصلواۃ واسلام صفحہ 132

جب جفرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے درود پاک کے فضائل بیان فرمارہے تھے تو پانچ درویش آئے اور عرض کیا ہم مسافر ہیں؟ خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے جار ہے ہیں لیکن پیسہ نہیں۔یہ سن کر حضرت شیخ فرید شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ نے مراقبہ کیا اور سر اُٹھا کر کھجور کی چند گٹھلیاں لیں اور کچھ پڑھ کر ان سب مسافروں کو دے دیں۔درویشوں نے جب باہر جاکر انکو دیکھا تو وہ سونے کی اشرافیاں تھیں۔آپ کے رفیق حضرت شیخ بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ نے بتایا کہ بابا فرید گنج شکر نے کھجور کی گھٹلیوں ں پر درود شریف پڑھ کر پھونکا تھا جس کی برکت سے وہ گٹھلیاں سونا بن (گئیں۔(آب کوثر صفحہ 133

امام شافعیؒ کے بڑے شاگرد حضرت امام اسمٰعیل مزنی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعد مرنے کے امام شافعیؒ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ رب تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟ بولے مجھے فورا بخش دیا اور فرشتوں کو حکم ملا کہ امام شافعیؒ کو بڑے عزت و احترام کے ساتھ جنت میں لے آؤ۔یہ سب اس درود شریف کی برکت کی وجہ سے ہوا تھا جو (میں پڑھا کرتا تھا۔ (روضتہ احباب

حضرت عمر بن خطابؓ کی خلافت کے زمانہ میں ایک شخص مالدار تھا۔ لیکن اس کا کردار اچھا نہیں تھا۔ درود پاک سے اسے بڑی محبت تھی درود پاک سے کبھی غافل نہیں رہتا تھا۔ جب اس کا آخری وقت آیا تو اس کا چہرہ سیاہ ہوگیا اور بہت زیادہ تنگی لاحق ہوئی۔ اسی حالت میں اس نے ندا دی کہ اے اللہ کے محبوب ﷺ میں درود پاک کی کثرت کرتا ہوں۔ اچانک ایک دم ایک پرندہ آسمان سے نازل ہوا اور اپنے پر اس شخص پر پھیر دیئے۔ فوراً چہرہ نور سے لبریز ہوگیا۔ کستوری کی خوشبو مہک گئی اور وہ کلمہ پڑھتا ہوا دنیا سے رخصت ہوا۔ مدفون ہونے کے بعد جب رات ہوئی تو ایک شخص نے دیکھا کہ وہ زمین اور آسمان کے درمیان چل رہا ہے اور پڑھ رہا ہے ''ان اللہ وَملائکہ یصلون البنی یا ایھا الذین آمنو صلوا علیہ وسلمو تسلیما''

(درہ الناصحین صفحہ 172)

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر

وہی قرآن وہی فرقان وہی یسیٰن وہی طٰہٰ

دنیا میں شاعر تو کئی گذرے ہیں لیکن جو بلند مرتبہ علامہ محمد اقبالؒ کو ملا ہے وہ کسی اور کا نصیب نہیں بنا ہے۔ علامہ اقبالؒ ایسے شاعر ہیں جنکا کلام اب تک دنیا کی تقریباً ہر بڑی زبان میں ترجمے کے ساتھ چھپ چکا ہے۔

اسکے علاوہ دنیا کے کئی اسکالروں نے علامہ محمد اقبالؒ پر تحقیقی کام کیا ہے اور کر رہے ہیں ۔حیرت انگیز بات یہ ہے کہ پاکستان اور ہندوستان سے زیادہ مغربی ممالک میں علامہ محمد اقبالؒ پر تحقیقی کام ہو رہا ہے اور ہر جگہ آپؒ کی برسی بالخصوص جرمنی اور انگلستان میں منائی جاتی ہے۔ عوام الناس نے آپؒ کو ''شاعر مشرق'' کا نام دیا تو برگزیدہ بزرگوں نے ''مفکر اعظم'' کہہ کر پکارا۔ علامہ محمد اقبالؒ کوئی پیر، مفتی یا ولی کامل نہیں تھے پھر بھی یہ اعزازت دنیا بھر میں سے مل رہے ہیں یہ کیا راز ہے؟ یہ راز صرف نبی اکرم ﷺ کے ساتھ لازول محبت اور عشق بنی ﷺ کی وجہ سے ہے جس کا ثبوت صرف اس ایک شعر سے ہی مل سکتا ہے جس میں اقبالؒ فرماتے ہیں:۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روز محشر عذر ہائے من پذیر
در حسابم را تو بینی نا گزیر
از نگاہ مصطفٰے پنہاں بگیر

اقبالؒ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے ہیں کہ تو دونوں جہانوں کا امیر ہے اور میں ایک (فقیر، مجھ سے کیا حساب کتاب لوگے، قیامت میں مجھے بخش دینا، لیکن اگر حساب کتاب لینا ضروری ہے تو حضور ﷺ کی نگاہ سے چھپ کر لینا تاکہ میرا پیارا نبی ﷺ میری خطاؤں کو نہ دیکھے ورنہ انکے سامنے مجھے بڑی شرمندگی

ہو گی۔)اقبال اللہ تعالیٰ سے شرم نہیں کر رہے ہیں،ماں باپ سے بھی نہیں، استادوں سے بھی نہیں، اپنے مرشد سے بھی نہیں صرف اپنے پیارے آقا ﷺ سے شرم کر رہے ہیں۔

یکم دسمبر 1931 کو جب علامہ قبالؔ مصر پہنچے اور دو دسمبر کو ان سے ملنے مصر کے مشہور صاحب طریق بزرگ سید محمد ماضی ابو العزائم اپنے دو صاحبزادوں کے ساتھ اس ہوٹل آئے جہاں اقبال ٹھہرے ہوئے تھے۔ اقبالؔ انہیں ہوٹل میں دیکھ کر پریشان ہوئے اور کہا کہ آپ نے تکلیف کیوں کی، میں خود حاضر ہو جاتا۔ انہوں نے کہا ''خواجہ دوجہاں ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے دین سے تمسک کیا ہو اسکی زیارت کو جاؤگے تو مجھے خوشی ہو گی۔ لہٰذا میں اس ارشاد کے اتباع میں چلا جاتا ہوں تاکہ میرے آقا ﷺ مجھ سے خوش ہوں۔''۔ اقبال ان کی بات سن کر بے تاب ہو گئے۔ سید ابو العزائم دیر تک بیٹھے نصیحتیں کرتے رہے یہ بھی کہا کہ میں بادشاہوں کی ملاقات کیلئے بھی گھر سے باہر نہیں نکلا لیکن آپ کی ملاقات کیلئے آیا ہوں۔ جب وہ چلے گئے تو آنسوؤں کا سیلاب اقبالؔ کی آنکھوں سے بے اختیار بہہ نکلا: ''ایسا زمانہ آگیا ہے کہ لوگ مجھ جیسے گناہ گار کو متمسک بالدین سمجھ کر حضور خواجہ دوجہاں ﷺ کے ارشاد کے اتباع میں بغرض ''خوشنودی آنحضرت ﷺ ملنے آتے ہیں۔

اس راز سے پتا چلا کہ کیوں اللہ کے بندے صرف اقبالؒ ہی اقبالؒ پکار رہے ہیں ۔ خاص طور پر پاکستان میں تو کوئی ایسا طالب علم نہیں ہوگا جس کو اقبالؒ کے کچھ نہ کچھ اشعار یا د نہ ہوں ۔ واقعی اقبالؒ نے حضور کریم ﷺ سے وفا کی ہے ۔ علامہ محمد اقبالؒ کا دنیوی مرتبہ تو ہم دیکھ رہے ہیں یقینا لوح و قلم پر بھی وہ جنتی لکھے ہوئے ہیں۔

ہمیں تو اسم محمد ﷺ سے اک خزانہ ملا
جو بے یقین تھے انہیں گھر کا راستہ نہ ملا

سابق وزیر قانون ایس ایم ظفر کے استاد مولانا بشیر احمد اخگر فرماتے ہیں کہ ”مولانا اشرف علی تھانوی نے 1945 میں الیکشن کے زمانے میں تھانہ بون (یو۔پی) کی جامع مسجد میں وعظ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگ کہتے ہو کہ محمد علی جناح ایسا ہے ایسا ہے مگر جو رات میں نے منظر دیکھا ہے وہ کچھ اور ہے۔ ”میں نے دیکھ کہ ایک وسیع و عریض میدان ہے جس میں کروڑہا تعداد میں لوگ ہیں درمیان میں ایک مرصع تخت ہے جس کے حسن و خوبی بیان کرنے کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں وہ کسی اور دنیا کا تخت ہے۔ اس تخت پر حضور کریم ﷺ رونق افروز ہیں۔ حضور ﷺ کے پہلو میں اسی تخت پر ایک انسان بیٹھا ہوا ہے میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں ؟ یہ کون ہے ؟ حضور

سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "یہ محمد علی جناح ہے۔" (نوائے وقت 22 ستمبر 1989)

اس منظر اور اس حقیقت سے یہ حدیث شریف بھی یاد آتی ہے کہ فرمایا آقائے نامدار ﷺ نے کہ قیامت کے روز وہ شخص سب سے زیادہ میرے قریب ہوگا جس نے دنیا میں مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجا ہوگا ظاہر ہو گیا کہ قائداعظمؒ کثرت سے دورود شریف پڑھتے تھے۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

حضرت ابو بکر شبلیؒ کو وقت کے بادشاہ نے بلوا بھیجا اور عرض کی یا حضرت میری بیماری کو چھ مہینے گزر گئے لیکن کہیں سے آرام نہ آیا۔ حضرت شبلی نے فرمایا فکر مت کرو، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ابھی آرام آجائے گا اور آپ نے درود شریف پڑھ کر اس بادشاہ کے جسم پر پھونکا۔ بادشاہ اسی وقت تندرست ہوگیا اور اس کا مرض جاتا رہا۔ (راحت القلوب صفحہ 61)

دامن مصطفیٰ ﷺ سے جو لپٹا یگانہ ہو گیا

جس کے حضور ﷺ ہو گئے اسکا زمانہ ہو گیا

دارمی شریف میں ہے بینہ بن وہبؓ سے مروی ہے کہ کعب احبار رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور حاضرین نے حضور ﷺ کا ذکر کیا تو کعب احبارؓ نے کہا کہ کوئی ایسا دن نہیں آتا جس میں ستر ہزار فرشتے نہ آتے ہوں۔ یہاں تک کہ رسول اکرم ﷺ کی قبر شریف کو احاطہ کر لیتے ہیں اور آپ ﷺ پر درود شریف پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ شام ہو جاتی ہے اور وہ آسمان پر چڑھ جاتے ہیں اور انکی جگہ دوسرے فرشتے اُترے ہیں اور وہ بھی ایسا کرتے ہیں۔

قرآنی احکامات

اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جس نے اپنے پیروکاروں کی اخلاقی اور روحانی دونوں اعتبار سے تربیت کرکے انکو اس بات کی جانب راغب کیا ہے کیا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے لئے جہد وجہد کریں بلکہ ساتھ ساتھ دوسروں کی بھی مدد کریں اور آگے بڑھنے میں مدد کریں ،انکا خیال رکھیں اور اپنی خوشیوں میں دوسروں کو بھی شریک کریں نہ کہ انکے دلوں کو دکھی کریں۔قرآن کریم کا موضوع ہی انسان ہے تو اس میں انسان کے لئے ہر حوالے سے احکامات موجود ہیں جس پر وہ عمل کرکے اپنی زندگی کو پرسکون طریقہ کار کے مطابق بسر کرسکتا ہے۔مگر وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ہم مسلمانوں نے خاص طور پر اس الہامی کتاب کے احکامات پر عمل درآمد کرنا تقریبا چھوڑ ہی دیا ہے جس کی وجہ سے ہم گوناگوں مسائل کا شکار ہو رہے ہیں۔قرآن مجید میں بیان کردہ احکامات ہر دور کے لئے یکساں ہیں ۔یہ طرہ امتیاز اسی آسمانی کتاب کو حاصل ہے کہ اس میں زیر زبر تک کی ہیر پھیر ممکن نہیں ہے اور اس میں بیان کردہ احکامات پر کسی بھی لمحے انسان عمل کرکے اپنی نجات کو ممکن بنا سکتا ہے۔قرآنی احکامات محض ایک دو موضوعات پر مبنی نہیں ہیں یہ اُن تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں جس سے انسان کو واسطہ پڑتا ہے۔آج اسی حوالے سے میں ان احکامات کا خاص طور پر ذکر کروں گا جو کہ ہمارے لئے آج کے موجودہ دور میں

بے حد کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں اگر ہم اُن پر خلوص نیت سے عمل پیرا ہو جائیں۔
وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ مسلمان دین سے دور ہونے لگے ہیں اور آج حالات یہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ وہ غیر مسلم اقوام کے ہاتھوں ذلیل ورسوا ہو رہے ہیں۔ وہ دین کی باتوں پر عمل نہیں کر رہے ہیں۔ جن میں سے سب سے اولین اہمیت نماز کی ہے سب سے زیادہ نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے مگر ہم کسی نہ کسی بہانے سے اس حکم، سے روگردانی کرے ہیں اور کہتے ہیں کہ حقوق العباد معاف نہیں ہونگے تو وہ ادا کرنا ضروری ہیں، جبکہ حقوق اللہ تو وہ ذات باری معاف کر سکتی ہے۔ نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے میدان کربلا میں بھی اس کو ادا کیا تھا۔ نماز ہی کے بارے میں روز محشر سب سے: پہلے پوچھا جائے گا تو ہم اس اللہ کے حکم سے کہ نماز قائم کرو، جو اکی الہامی کتاب میں سات سو سے زائد مرتبہ آیا ہے تو کیوں اس کی خلاف ورزی کر رہے ہیں؟ نماز تو کسی بھی صورت میں معاف نہیں ہے تو پھر ہم لوگ کیوں اذان سن کر بھی نماز کی ادائیگی سے کیوں گھبراتے ہیں؟ کیا ہم اس قدر گناہ گار ہیں کہ اللہ کے دربار میں حاضری سے بھی ڈرتے ہیں؟ نماز کو دین کا ستون کہا جاتا ہے اور ہم اس ستون کے بنا ہی اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ نماز کی اہمیت کے حوالے سے درج ذیل

آیتوں کا ملاحظہ کیجئے۔

اے محمد ﷺ سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک (ظہر، عصر، مغرب، عشا کی) کی نمازیں اور صبح کو قرآن پڑھا کرو، کیوں کہ صبح کے وقت قرآن کو پڑھنا موجب حضور ملائکہ) ہے۔)

سورہ بنی اسرائیل 17۔آیت نمبر78

صبر اور نماکے ذریعہ (اللہ تعالیٰ سے) سے مدد طلب کرو۔یہ (نماز) بہت بھاری ہوتی (ہے سوائے ان لوگوں کے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔(سوراہ البقرہ:54

گناہگاروں سے پوچھ رہے ہونگے کہ آخر دوزخ میں کون سی چیز گھسیٹ لائی تو وہ لوگ (کہیں گے کہ ہم نہ تھے نماز پڑھنے والے (سورہ المدثر۔آیت 41۔43

تم سب اللہ کی عبادت کرو،اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ،ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو،قریبی رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ،اور پاس والے پڑوسی سے،اجنبی ہمسایہ سے،ہم مجلس اور راہگیر (مسافر) سے اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں سے جو تمہارے قبضے میں ہوں،احسان کا معاملہ رکھو یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو قطعاً پسند نہیں کرتا جو (غرور سے) اپنے،

آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور (بڑے فخر سے) شیخی کی باتیں بگھارتا ہے۔ (سورہ النساء ترجمہ آیت 36)

والدین کی اطاعت کے حوالے سے مذکورہ آیت کو اگر آج کی ہماری نوجوان نسل ہی پڑھ لے تو شاید ان میں سدھار ممکن ہو سکے جو کہ اپنے ماں باپ کی نافرمان ہو چکی ہے اور انکو قتل تک کرنے سے باز نہیں آتی ہے جس کا اندازہ اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ ہم نام نہاد مسلمان ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآنی احکامات کی یوں دیدہ دلیری کے ساتھ خلاف ورزی نہ کر رہے ہوتے۔ رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ جو آج کے دور میں ہم سلوک رکھ رہے ہیں وہ ہم سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، آپ میں سے اکثر لوگوں نے یتیموں کے حق کو بھی مارتے دیکھا ہوگا اور تنگ دستوں کو دھتکارتے بھی دیکھا لیا ہوگا۔ ہم اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرکے کبھی دنیا میں خوش و خرم نہیں رہ سکتے ہیں، جو والدین کی فرماں بردار اولاد ہوتی ہے وہ کبھی دنیا میں اپنی جائز خواہشات سے محروم نہیں رہ سکتی ہے کہ جس سے باپ راضی ہوتا ہو اُس سے خدا کیسے ناراض ہوگا؟ او پھر ماں کے پاؤں میں جنت رکھی ہے تو اللہ کے احکامات جو کہ قرآن میں موجود ہیں کوئی عمل کرتا ہے تو پھر کیسے وہ رب جو اپنے بندہ کو ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والا ہے، اپنے بندے کو جنت سے محروم رکھ سکتا ہے۔

بہت سے لوگوں اس قرآنی حکم کو آج تک نہیں سمجھ سکے ہیں اور آپس میں گلے شکوے کرتے رہتے ہیں کہ ہم کو کیوں غریبی میں رکھا ہوا ہے؟ ہمارا دوست یا ہمارا پڑوسی تو بہت دولت مند ہے پھر ہم کو اس قدر دولت سے کیوں محروم رکھ کر یوں ہمیں دنیا میں تنگدستی کا شکار کیا گیا ہے؟ایسے لوگ اس قرآنی حکم کو بغور پڑھ لیں تو شاید انکی زندگی آسان ہو جائے۔

رہا دنیا کا رزق، تو اللہ کو اختیار ہے، جسے چاہے بے حساب دیتا ہے۔(سورہ البقرہ: 213)

ہمارے آج کل کے معاشرے میں سچ بولنے والوں کی بہت کم لوگ قدر کرتے ہیں اور ہر جگہ بیچارہ سچا انسان شرمسار ہو رہا ہے کہ وہ کہاں آکر پھنس گیا ہے۔قرآن میں جابجا سچ بولنے کی تلقین کی گئی ہے لیکن پھر بھی ہم لوگ اس پر عمل نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے بچوں کو اسکی اہمیت کے بارے میں زیادہ شدومد سے آگاہ کرتے ہیں کہ کہیں ہمیں انکی وجہ سے شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑ جائے۔ہماری باوجود کوششوں کے بھی بعض اوقات ہمارا جھوٹ چھپ نہیں پاتا ہے ایک سچ کو چھپانے کے لئے ہزار جھوٹ بول کر بھی کچھ حاصل نہیں ہو پاتا ہے کیونکہ سچ بہرحال سامنے آ ہی جاتا ہے۔اس حوالے سے قرآنی احکامات اس قدر سخت

ہیں کہ اپنے خونی رشتوں کے خلاف بھی سچ بولنا پڑے تو حکم ہے کہ وہ بھی بولا جائے مگر ہم لوگ مفاد پرستی کو اللہ کے حکم پر ترجیح دیتے ہیں اور آج کے دور میں سچی گواہی دینے سے بھی جان چلی نہ جائے تو دینے سے باز رہتے ہیں۔

ہمارے سیاستدانوں کے بیانات بھی ہمارے سامنے ہیں کہ پاکستان جیسے اسلامی مملکت میں کس طرح سے وہ اپنی سیاست کی دکانداری کو چمکا رہے ہیں ہر روز اپنی باتوں سے مکر جاتے ہیں ؟صرف اپنے مطلب کی خاطر دوسروں کو الو بنا کر بیان دیئے جاتے ہیں کہ ہماری باتیں حرف آخر نہیں ہیں ؟جناب جب زندگی کا کچھ پتا نہیں کہ کب ختم ہو جائے تو حضرت انسان کی باتوں پر اعتبار کرنا تو بے وقوفی ہی ہوئی نا؟جب چور اپنی چوری آسانی سے تسلیم نہیں کرتا تو ایک جھوٹا شخص کس طرح سے اپنی باتوں کو جھوٹ تسلیم کرے ۔آپ خود فیصلہ کر لیجئے دہشت گردی کے خاتمے، بجلی ، بے روزگاری، منہگائی سے نجات اور خودکش حملوں کے خلاف کیا کچھ بیانات نہیں آتے ہیں حالات جوں کے توں ہی ہیں ؟آخر سچ بول کے دوسرے ایماندار لوگوں کو انکے فیصلہ کن کردار کیوں ادا نہیں کرنے دیا جاتا ہے ۔جب ہم جانتے ہیں کہ سچ کبھی نہ کبھی سامنے آنا ہی ہے تو پھر ہم لوگ کیوں جھوٹ کے پردے میں سچ کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں ؟آج کل موبائل فونز پر،انٹرنیٹ چیٹنگ اور روزمرہ کی گفتگو میں جھوٹ بولنے شاید اس بات سے بے خبر ہو چکے ہیں کہ وہ اپنے اعمالوں کا کسی روز حساب کتاب دیں گے ؟لیکن شاید ہم لوگ اس قدر بے حس

ہو چکے ہیں کہ ہمیں آخرت کے نفع کی بجائے دنیا کے مفاد زیادہ عزیز ہو چکے ہیں ہم اپنے آپ کو ہر طرح کے حساب کتاب سے ماورا سمجھ رہے ہیں ۔ اللہ ہم پر رحم فرمائے آمین)۔ سچ بولنے کا فائدہ یہ ہے کہ ہمیں کچھ یاد نہیں رکھنا پڑتا ہے جب کہ جھوٹ بول) کر بہت سی باتوں کو یاد بھی رکھنا پڑ جاتا ہے۔ سچ بول کر ہم بہت سی مشکلات اور مسائل سے بچ سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ذرائع ابلاغ اور بالخصوص والدین کو اپنے طور پر بھرپور کوشش کرنی چاہیے کہ نوجوان نسل سچ کی اہمیت سمجھے اور سچائی کو معاشرے پھیلانے میں اپنا کردار سرانجام دے تاکہ روز حشر اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے سامنے شرمسار نہ ہونا پڑے۔

آج کل خامخواہ ایک دوسرے پر غصہ کرنے کا رجحان بھی بڑھتا جا رہا ہے ،خاوند اپنی بیوی پر،ماں باپ اپنی اولاد پر اور مالک اپنے نوکر پر غصہ کرکے اسے اپنے رعب میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق اُن سے اپنے کام کاج کروا سکیں ۔ایسے لوگ اگر قرآن احکام کو اس حوالے سے پڑھ لیں تو انکی ذات میں سدھار ممکن ہے ۔ابھی قرآن کی ای آیت کو لیجئے جو کہ میں یہاں پیش کر رہا ہوں۔

اور غصہ کے ضبط کرنے والے لوگوں سے درگذر کرنے والے اور اللہ تعالیٰ ایسے (نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔ (3:134

سورہ البقرہ میں ہے کہ اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو، اور سلوک واحسان کرو، اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ قرآن میں جا بجا بیان ہوا ہے کہ اپنی دولت کو ایک جگہ مرکوز کر کے مت رکھیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں اور اللہ اس دولت کو ہماری سوچ سے بھی زیادہ بڑھا کر ہمیں پھر سے عطا کرتا ہے مگر بہت سے کم عقل لوگ بھی اس قرآنی حکم کو سمجھنے سے قاصر ہیں یا پھر وہ جیسے کہ قرآن میں ہی ہے کہ کچھ لوگ کان رکھتے ہیں مگر سنتے نہیں ہیں، زبان رکھتے ہیں مگر بولتے نہیں ہیں، دیکھتے ہیں مگر سمجھتے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم انسانوں کو اتنا کچھ عطا کیا ہوا ہے کہ ہم اس رب کا شکر ادا کرنے کے قابل نہیں ہیں مگر پھر بھی وہ ذات ہمیں بس دیئے جا رہی ہے اور ہماری دولت سے اُس کو کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا ہے جبکہ اُسکی عطا کردہ دولت سے ہم اپنے لئے آسائش وغیرہ خرید سکتے ہیں۔

بہت سے لوگ ایسے بھی دنیا میں ہیں جو اُس واحد لاشریک کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود بنا لیتے ہیں یا کسی اور کو سب کچھ عطا کرنے والا سمجھتے ہیں؟ یہ ایک ایسا گناہ ہے جس کی اللہ نے کوئی معافی نہیں رکھی ہے اور باقی تمام گناہ وہ بخشنے والا ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگ گمراہی میں مبتلا ہو کر شرک کر جاتے ہیں

اور ہمیں اس کی خبر تک نہیں ہوتی ہے۔اللہ کے ہاں بس شرک ہی کی بخش نہیں ہے اس کے سوا اور سب کچھ معاف ہو سکتا ہے ،جسے وہ معاف کرنا چاہے جس نے اللہ کے، ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔سورہ النسا۔آیت 116
عدل اللہ تعالی کی صفت ہے۔قران میں بھی بار بار اس بارے میں احکام بیان کئے گئے ہیں۔قران میں ایک جگہ پر اس کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ ''میں بندوں پر ظلم نہیں کرتا جبکہ دوسرے مقام پر یہ بات یوں کہی گئی ''اے رسول ﷺ جب آپ انکے درمیان'' فیصلہ کریں تو عدل کے ساتھ فیصلہ کریں بیشک اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' جبکہ سورۃ شوریٰ میں اسطرح سے حضور ﷺ کی زبان سے قران میں کہلایا گیا کہ ''کہو مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ تمھارے درمیان عدل کرو''۔
وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ نہ صرف اسلام کے دعویٰ دار ممالک بلکہ غیر مسلم معاشرے میں بھی عدل و انصاف کی فراہمی کم سے کم تر ہوتی جا رہی ہے جس کی بناء پر مختلف انواع اقسام کے مسائل پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی مثال ہمارے سامنے ہے جس کو ناکردہ گناہوں کی سزا دی ہے۔حالانکہ وہ پہلے ہی بہت اذیت اور تشدد کا سامنا کر چکی ہے لیکن عدل و انصاف کے دعویٰ دار

امریکہ اس کو شاید اپنے خلاف آواز بلند کرنے کی سزا دینے پر تلا ہوا ہے۔اور ہمارے اسلامیہ جمہوریہ پاکستان میں موجود ہیومین رائٹس کی تنظیمیں اور سیاست دان اپنے مطلب پرستی کی سرگرمیاں میں مصروف ہیں کسی کو اپنی مسلم بہن کی پکار سن کر اس کو انصاف فراہم کرنے کی فکر نہیں ہے۔شاید ہم لوگ بے حس ہو چکے ہیں جب تک خود پر کچھ نہ ہو کسی کے لئے بھلا کرنے کی توفیق نہیں ملے گی۔ چند اسلامی ممالک کی حد تو عدل وانصاف کی فراہمی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے لیکن ہمارے ارض پاک میں قیام کے آغاز سے ہی اس کے بارے میں ایسا سلوک کیا گیا ہے کہ حقدار بھی اپنے حق سے دستبرار ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔

قرآن میں عورتوں کے ساتھ بھی انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور انکو اپنی زندگی آزاد و مرضی سے بسر کرنے کا حق دیا ہے مگر آج اس پر بھی بہت کم عمل درآمد کیا جاتا ہے۔بہت سے حق ، حق کا نعرہ لگانے والے ہی انصاف کی فراہمی میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں پھر بھی کہتے ہیں کہ وہ انصاف پسند ہیں۔انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ قرآن کے احکامات کے مطابق مرد اُسی وقت چار شادیاں کرے جب وہ ہر ایک زوج کے ساتھ انصاف کر سکتا ہو۔اگر ایسا نہ کیا تو وہ روز محشر اس بابت خداوند کریم کو جواب دہ ہوگا؟اسکے ساتھ رشوت کا رجحان تو عام پاکستان میں ہوچکا ہے جبکہ اس حوالے سب بھی قرآنی احکام سخت ہیں مگر ہم ہیں کہ تنخواہ کے علاوہ رشوت لینا بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں اور جو دیتے ہیں

انکی وجہ سے جو نہیں دے سکتا ہے وہ بھی بحالت مجبوری دیتا ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم قرآنی احکامات کو سمجھ کر اپنی زندگیوں کو گذاریں تاکہ معاشرے میں بدامنی ختم ہوسکے اور روز محشر ہم حضورﷺ اور اللہ کے سامنے بھی سرخرو ہو سکیں۔

دوسرا چہرہ

فیس بک کا ہمارے پاکستانی بھائی جس طرح سے استعمال کر رہے ہیں وہ تو آپ سب بخوبی واقف ہونگے کہ کیسے کر رہے ہیں،اس میں ہماری کچھ بہنیں بھی برابر کی شریک ہیں اگرچہ انکا طریقہ واردات کچھ اور ہے مگر آج بھائی لوگ میرا موضوع ہیں۔مجھے کافی دنوں سے اس حوالے سے کہا جا رہا تھا کہ لکھوں تو آج ہمت کرکے لکھ رہا ہوں اگر سطور پسند آئیں تو لازمی شیئر کریجیے گا۔۔۔۔!!!
فیس بک پر بہت سے میرے بھائی حضرات خواتین ÷ لڑکیوں کی پروفائل پر بیہودہ، گھٹیا اور اخلاق سے گرے ہوئے ان بکس پیغامات ارسال کرتے ہیں اور انکو گندی بات چیت کے لئے مجبور کرتے ہیں یا دوستی کے لئے کہا جاتا ہے یا پھر ڈیٹ پر ملنے کی آفریں کی جاتی ہیں؟ یہ سب بلا تفریق سب کے ساتھ وہ کرتے ہیں انکو ذرا بھی عقل و شعور نہیں ہے کہ بندہ کو دیکھ کر اپنی بات کریں؟ شاید ایسے نا عاقبت اندیش لوگوں کی وجہ سے ہی ہم لوگوں پر عذاب آتے رہتے ہیں؟ اپنی ماں بہن کی عزت کو مقدس جانتے ہیں اور باقی سب کو بس عورت ایک جنس ہے سمجھتے ہیں؟ ایسے لوگ پتا نہیں کیوں جو دوسرے کی عزت کی قدر نہیں کرتے ہیں اکثر اپنی انکی عزت پوشیدہ طور پر نیلام ہو رہی ہوتی ہے اور وہ بے خبر ہوتے

ہیں؟ بہت سے باغیرت بھائی اکثر معاملات میں بے غیرت ہوتے ہیں؟ یہ فیس بک آپ کا اصل چہرہ ایک دن بے نقاب کرتی ہے اگر آپ کسی کو بے نقاب کرنے کی کوشش کریں گے تو وہ تو ہو ہی گا آپ بھی ہو جائیں گے؟ فیس بک استعمال کرنے والے اس بات سے ناواقف ہیں شاید کہ یہ انکا دوسرا اصل چہرہ بھی بے نقاب کرکے رکھ دیتی ہے اور آپ کو سمجھ تب آتی ہے جب سب کی انگلی آپ کی طرف اشارہ کررہی ہوتی ہے۔

اگرچہ اس معاملے میں لڑکیوں کا کردار بھی بہت اہمیت کا حامل ہے اگر وہ خود ہی اپنی تصویروں کو ایسے اندار کی شائع کریں گی تو پھر انکو اس طرح سے لوگ لازمی تنگ کریں گے اور آپ کو مجبورا فیس بک پر ان حضرات کو بلاک کرنا پڑے گا اگر آپ لڑکیاں ہی تھوڑا خیال کرلیں تو اس طرح کے مسائل سے چھٹکارہ مل سکتا ہے آپ کو از خود بھی جان لینا چاہیے کہ آپ کی عزت بہت نازک ہے اور ذرا سی ٹھیس بھی آپ کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔

کم سے کم ایسے حضرات جہاں کوئی لڑکی انکا ساتھ نہ دیے تو انکو تنگ کرنے سے باز رہنا چاہیے، بصورت دیگر مکامات عمل ہوگا تو پھر شاید آپ کو عقل آجائے مگر عقل کے اندھوں کو ہدایت کم ہی وصول ہوتی ہے۔ایسے افراد روز محشر ایک دن اپنے حساب کے لئے تیار رہیں، وہاں انکا اصل دوسرا چہرہ لازمی بے نقاب ہوگا

اور پھر منہ چھپانے کو جگہ بھی نہیں ملے گی۔

شرم ہم کو، مگر تم کو نہیں آتی

ہمارے ملک میں آوئے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے یہاں کوئی سیاست دان یا لیڈر یا اعلی افسران کسی بھی حوالے سے کسی بارے میں جواب طلبی کرنے میں یا جوابدہی میں دلچسپی نہیں رکھتا ہے۔جوں جوں وقت گذرتا جا رہا ہے ۔ محترم طاہر القادری اور عمران خان کی تمام تر باتیں سچ ثابت ہوتی جا رہی ہیں کہ اس ملک میں جب تک ہر شعبے میں قانون کے مطابق عمل درآمد نہیں ہوگا حقیقی تبدیلی رونما نہیں ہو پائے گی۔آپ لوگ اگر موجودہ حکومت کی کارکردگی پر نظر ڈالیں تو پتا چلے گا کہ جس عوام نے جو کچھ سوچ کر موجودہ حکمران جماعت کو اقتدار میں لانے کا سوچا تھا وہ بہت حد تک پورا نہیں ہو پایا ہے اور نہ ہی اس بات کی کوئی توقع ہے کہ وہ کچھ خاص تبدیلی رونما ہو سکے گی۔طاہر القادری صاحب کے بارے میں جو گروہ بھی بات کرتا ہے وہ بے بنیاد بات کرتا ہے ورگرنہ سب جانتے ہیں کہ وہ ''حمام میں ننگے '' ہو چکے ہیں مگر باتوں کے شیر عملی طور پر بالکل ناکام ہو چکے ہیں۔ڈاکٹر طاہر القادری اور عمران خان اگر انقلاب کی بات کرتے ہیں تو تمام تر شعبوں میں اس پر عمل درآمد کے خواہاں ہیں اور اسکی شروعات جب تک الیکشنز سے نہیں ہوگا تو کچھ بھی تبدیل نہیں ہو پائے گا آپ خود دیکھ لیں جناب کہ الیکشن میں کیا کچھ ہوا تھا آج تک کی اخبارات کا بغور معائنہ کرلیں سب ظاہر ہو جائے گا

اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ عوام کی بھلائی کس قدر ممکن ہو پائی ہے؟جو سلسلہ کرپشن کے حوالے سے اور میرٹ کے قتل کا ماضی کی حکومتوں نے جاری کیا تھا وہ آج کسی نہ کسی شکل میں جاری و ساری ہے۔یوں سمجھ لیں کہ کام وہی ہے جو باقی کرتے رہے ہیں مگر چہرے بدل گئے ہیں اب ہمیں نظام بدلنا ہوگا یا پھر نظام کو چلانے والوں کو بدلنا ہوگا تب ہی تبدیلی حقیقی رونما ہوسکے گی؟مگر عوام کے ووٹ لے کر انہی کے لئے مسائل کھڑے کرنے والوں کو شرم نہیں آتی ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں مگر آج ہماری پاکستانی عوام کا ایک بڑا طبقہ شرمسار ضرور ہوگا کہ انہوں نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی چلوا کر اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالا ہے جس کا ازالہ اگر وہ آئندہ الیکشن میں کر لیں تو ملک کے ساتھ انکی بھی قسمت سنور سکتی ہے؟

اس کے ساتھ ساتھ سوال یہ ہے کہ کیا اس وطن عزیز میں اپنا حق حاصل کرنے کے لئے اگر میرٹ ناکافی ہے تو کیا لوگوں کو محنت اور لگن کی بجائے کسی وزیر، مشیر یا جاگیر دار کی سفارش ڈھونڈنی پڑے گی یا پھر اپنی زندگی کی جمع پونجی بطور رشوت کسی افسر کی جیب کی نظر کرنی پڑے گی؟ یہ بھی اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میرا ذاتی تجربہ ایسا حال ہی میں ہوا ہے کہ ایک نائب تحصیل دار نے محض ذاتی عداوت اور رشوت نہ دینے کی بنا پر ہمیں 17 مرلے زرعی اراضی سے محروم کر دیا اور اسکی دیدہ دلیری دیکھئے کہ وہی رقبہ محض چند ماہ میں

دوسرے افراد کے نام بھی منتقل بھی کروا دیا حالانکہ اصولی طور پر وہ رقبہ بھی حقیقی وارثان کے نام آنا چاہیے تھا مگر جناب ذاتی انا اور رشوت نہ دینا شریف آدمی کو شرافت کی قیمت ادا کرواتی ہے؟اب اس کیلئے میں تو کوئی قانونی چارہ جوئی خود کروں گا لیکن سوال یہ ہے کہ ہمارے محکمے از خود درست طور پر کام کیوں نہیں کرتے ہیں؟ہر بار سپریم کورٹ کو از خود نوٹس لے لے کر ہی عوام کی بھلائی کے کام کرنا ہونگے آخر عوام کب اس ملک میں میرٹ کے اوپر تمام تر کام ہوتا دیکھیں گے؟کیا دوسرے ممالک میں جا کر کام کرنے والے یہاں پاکستان میں قانون کی پاسداری نہیں کر سکتے ہیں؟آخر ہم کب سدھریں گے؟اب تصویر کا دوسرا رُخ اگر میں آپ کو دکھانا چاہوں تو یہ دیکھ لیجئے کہ لیاقت پور میں محترم محمد مظہر فرید اسسٹنٹ ڈائریکٹر لینڈ ریکارڈ صاحب نے روایتی دفتری کاروائی کی بجائے اپنی ذمہ داری و فرائض یوں نبھائے کہ آج میں اُنکا گرویدہ ہوگیا ہوں کہ انہوں نے میرے جائز کام کو فوراً سے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا، حالانکہ جس قدر اُنکی مصروفیت کا عالم تھا میرے جائز کام میں چند دن صرف ہو سکتے تھے مگر انہوں نے احساس کیا جس کی بنا پر میں تاحیات اب اُنکا مشکور رہوں گا۔جناب بات کہنے کی یہ ہے کہ اگر ہمارے سرکاری دفاتر میں محترم محمد مظہر فرید اسسٹنٹ ڈائریکٹر لینڈ ریکارڈ صاحب جیسے لوگ اپنی ذمہ داری کا احساس کرلیں تو ہمارے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں وگرنہ میرے محترم نائب تحصیل دار صاحب کی طرح وہ تاخیری حربے استعمال کرکے مسائل بھی کھڑے کر سکتے

ہیں اور آپ کو کچھ دیئے بنا چارہ نہیں رہتا ہے ؟ مگر ایسے میں آپ مجبورا کچھ دے کر شرمسار تو ہو جاتے ہیں مگر لینے والوں پر جوں تک نہیں رینگتی ہے کہ وہ ایسا کر کے آخر روز محشر اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دہ ہونگے ؟

دعا کیجئے گا

ہم انسان بھی بڑی عجیب و غریب مخلوق ہیں جب تک ہم تکلیف میں نہیں مبتلا ہوتے ہیں اُسوقت تک اپنے خالق کو یاد کرنے کی ضرورت تک محسوس نہیں کرتے ہیں؟ حالانکہ دعا کے بارے میں تو کہا جاتا ہے کہ ہر وقت کرنی چاہے کوئی بھی لمحہ قبولیت کا ہو سکتا ہے اور ہم آنے والی بیشتر مشکلات سے بچ سکتے ہیں۔ ہمارے مسائل بھی حل ہو سکتے ہیں مگر ہم اس جانب توجہ مرکوز کرنے کی ہمت و کوشش نہیں کرتے ہیں اور جب جوں ہی ذرا سی چوٹ لگنے کی دیر ہوتی ہے ہم سر آسمان کی جانب اُٹھا کر منہ سے ایسے ایسے کلمات نکالتے ہیں جیسے ہمارے ساتھ کوئی بہت بڑا ظلم ہوگیا ہے؟ اور کبھی کبھی تو ہم نعوذ باللہ یوں باتیں کرتے ہیں جیسے اللہ نے ہمارے ساتھ ہی ناانصافی کر دی ہو؟ دعا کو تو پتا نہیں کیا چیز سمجھتے ہیں یوں دور لوگ بھاگتے ہیں جیسے موت سے ڈر لگ رہا ہو، اکثر مجھے ایسا منظر دیکھنے کو ملا ہے کہ دعا ہو رہی ہے اور لوگ مسجد سے، محفل سے اُٹھ کر دور جا رہے ہیں جیسے انکو اس دعائیہ کلمات سے فائدے کی امید نا ہو یا دعا سے زیادہ اہم کام اُنکو سرانجام دینا ہوں۔ مجھے بس یہی کہنا ہے کہ دعا ہماری عبادات کا مغز ہے اس کے بنا عبادات کچھ ادھوری سی ہیں تو ہر حال میں دعا کیجئے تاکہ ہماری بات بن سکے اور ہم خوشگوار زندگی بسر کر سکیں۔

آپ اس حوالے سے اگر کبھی غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اکثر لڑکیاں جب بھی کچھ غیر متوقع ہو تو کہتی ہیں کہ ایسا میرے ساتھ ہی کیوں ہوا ہے؟جب کہ اللہ کے ہر کام میں حکمت چھپی ہوتی ہے جس کو ہم کم عقل انسان سمجھ نہیں سکتے ہیں؟ لیکن ہم دعا کی بدولت آنے والی مشکلوں سے بچ سکتے ہیں مگر نہ تو ہم خود اپنے لئے دعا کرتے ہیں نہ ہی کسی کو اپنے حق میں دعا کے لئے کہتے ہیں اور نہ ہی کسی کو دینے کے لئے رضا مند ہوتے ہیں کہ ہماری انا اور حسد پن کیوں کسی کو آگے بڑھتا دیکھے یا کسی کے فائدے کے لئے دل سے خوش ہوں، شاید یہی وجہ ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگ ہی اپنی زندگی میں بے پناہ مسائل کو شکار رہتے ہیں مگر دعا کرنے سے بار رہتے ہیں؟آج ایسے افراد کو آپ بھی دعا کی جانب مائل کریں گے تاکہ وہ بھی دعا کی برکات سے فیض حاصل کر سکیں۔یاد رکھئے گا جب تک آپ کو اپنے آپ پر اعتماد نہیں ہوگا اس وقت تک آپ کامیابی حاصل نہیں کر سکتے ہیں اور دعا بھی تب ہی قبولیت کا شرف حاصل کرتی ہے جب آپ کو یقین کامل ہوتا ہے کہ سننے والی ذات ہی ہماری شنوائی کرے گی تو ہی دعا مقبولیت کا درجہ پاتی ہے۔

یوں تو ہمارے والدین بھی ہم بچوں کے حق میں دعا کرتے رہتے ہیں اور اکثر ہم انہی کی وجہ سے بے شمار مسائل سے محفوظ رہتے ہیں مگر ہم میں سے کچھ نا

عاقبت اندیش ان کی موجودگی سے فائدہ نہیں اُٹھاتے ہیں اور جب وہ خود والدین بنتے ہیں تو اُن میں سے کچھ کو پتا چلتا ہے کہ ماں باپ کی دعا اور انکی موجودگی کیا اہمیت رکھتی ہے؟ اب آپ سے آج التماس کرتا ہوں کہ ایسے افراد کے حق میں دعا کیجئے گا کہ وہ بھی ہدایت پا سکیں اور والدین کی بھرپور خدمت کر سکیں۔ دوسری طرف ہمیں دوسروں کے لئے بھی دعا کرنی چاہیے کہ ایسا کرنے سے ہماری اپنی بے شمار دعائیں بھی دوسروں کی وجہ سے قبول ہو جاتی ہیں۔ اس دنیا سے رخصت ہونے والوں کے لئے بھی بہترین تحفہ دعا ہے اور اچھی اولاد ہی اکثر والدین کی بخشش کے لئے دعا کیا کرتی ہے وگرنہ بہت سے لوگوں کو تو اس کی بھی توفیق نہیں ہوتی ہے۔ میرے ایک مہربان دوست محمد مظہر فرید (اسسٹنٹ ڈائریکٹر لینڈ ریکارڈ، لیاقت پور) ہیں، اُن کے بھائی کی حال ہی میں وفات ہوئی ہے، یہاں انکے لئے، میرے والد ظہور احمد بخاری اور بالخصوص تمام مسلمانوں کے لئے جو وفات پا چکے ہیں، دعا کیجئے گا کہ اللہ اُنکی منزلیں آسان کریں اور مغفرت فرمائیں، اور انکے درجات بلند فرمائیں۔ (آمین ثم آمین)

کبھی کبھی مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے جب میرے بارے میں میری پیاری بہنا القا اسراہیم فکر مند ہوتی ہے اور ہر روز مجھے اپنی خیریت آگاہ کرنے کا کہتی رہتی ہے۔ میرے لئے ہر پل دعا گو رہتی ہے کہ میں محفوظ رہوں اور کوئی بیماری مجھے لاحق نہ ہو، شاید تمام بہنیں ہی یوں ہی اپنے بھائیوں کے لئے دعا گو رہتی

ہیں ؟مگر میں چونکہ آج کل کچھ زیادہ ہی حق بات کے لئے بولنے لگا ہوں، اور کچھر کرپٹ افراد کے خلاف جنگ شروع کی ہوئی ہے تو مجھے جان لیوا دھمکیاں مل رہی ہیں تو وہ بے حد پریشان سی ہو جاتی ہے اور مجھے بارہا مرتبہ اسکو سمجھانا پڑتا ہے مگر بھائی سے محبت اسکو مجبور کرتی ہے کہ ایسا کرنے سے روکے۔تو جناب ان سطور کے لکھنے کا مقصد تو یہی ہے کہ آپ دعا کیجئے گا کہ میری پیاری بہنا القا ابراہیم کے میرے حوالے سے خدشات ریت کا محل ثابت ہوں اوراللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے حق پر ثابت قدم ہو کر کھڑے رہنے کی ہمت عطا فرمائیں اور مجھے میرے تمام تر نیک مقاصد میں کامیابی عطا فرمائیں اور حاسدوں و دشمنوں کے شر سے نہ صرف مجھے بلکہ آپ سب کو محفوظ رکھیں، زندگی میں برکت اور صحت سلامتی بھی قائم رہے۔(آمین ثم آمین)

یہاں میں ان سطور کے ذریعے نہ صرف آپ لوگوں کو بلکہ پیاری بہنا القا ابراہیم کو بھی کہنا چاہوں گا کہ اگر آپ دعا خلوص دل سے کرتے ہو تو پھر وہ خداوند کریم کی بارگاہ میں لازمی قبولیت کا درجہ حاصل کرتی ہے اگرچہ کچھ دعائیں فورا قبول ہو جاتی ہیں،کچھ پر وقت لگتا ہے اور کچھ کی بدولت ہمارے گناہ بخشے جاتے ہیں۔اور کچھ ایسی دعائیں ہوتی ہیں جن کا پورا نہ ہونا ہمارے حق کے لئے بہتر ہوتا ہے۔مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہوتا ہے کہ آپ دعا کرنا ہی چھوڑ دیں یا یوں بے دلی سے دعا کریں کہ جیسے قبولیت کا یقین نہ ہو ؟ تو

کیا جناب پھر آپ کی دعا قبول ہوگی جب آپ کھیلنے سے قبل ہی ہار تسلیم کرنے کے عادی ہوچکے ہونگے؟ تو جناب دعا سے بڑھ کر اور کوئی تحفہ کسی کے لئے نہیں ہو سکتا ہے تو آج سے ہی اپنی سوچ کا دائرہ وسیع کیجئے اور دعا کیجئے گا کہ دعا ہی افضل عبادات میں سے ایک عبادت بھی ہے۔

سرپھرا

ارے تم بہت شریف آدمی ہو، یہاں شرافت کی کوئی قدر نہیں ہے۔ یوں مت اتنی لچک اپنے اندر پیدا کرو؟ یہاں تو لوگ جہاں کسی کو کمزور دیکھتے ہیں اُسی کو زیادہ دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جہاں کوئی کمزور اپنے حق کے لئے آواز بلند کرتا ہے اُس کو جان لیوا دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ کمزور کو اپنی طاقت کا اندازہ نہیں ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ تنہا ہے تو وہ کچھ بھی کر لے وہ کبھی بھی ہاتھی جیسے بپھرے شخص کو نہیں زیر کر سکتا ہے۔ دیکھو! ہماری یہی منفی سوچ ہی اکثر ہمیں لے ڈوبتی ہے اور ہم جو اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں سے فائدہ نہ اُٹھا سکیں تو پھر اس میں ہمیں قسمت کو دوش دینے کی کیا ضرورت ہے؟ دیکھو! اللہ نے ہر انسان میں حالات سے مقابلے کی طاقت رکھی ہوئی ہے اور اکثر تم نے سنا بھی ہوا ہوگا یا دیکھا بھی ہوگا کہ چیونٹی کیسے کئی گنا بڑے ہاتھی کو مار گراتی ہے۔ یوں ہی انسان بھی اگر ہمت سے کام لیں تو وقت کے فرعون کے سامنے کھڑے ہو کر اسکی فرعونیت کو ختم کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں مگر اس راہ میں ثابت قدم رہنا ہی بنیادی شرط ہے۔

آج پھر مجھے میرے جگری دوست مظہر فرید نے بھرپور قائل کرنے کی کوشش کرلی

تھی۔ میں کافی دنوں سے اپنے چچا نصراللہ سے زمین کے معاملات پر ذہنی طور پر الجھا ہوا تھا اور میری شکل پر متواتر بارہ بجے ہوئے تھے اور کافی دنوں سے میں جان بوجھ کر مظہر فرید کا سامنا کرنا نہیں چاہ رہا تھا۔ مجھے پتا تھا کہ وہ اپنے دلائل سے مجھے مطمئن کر لے گا اور پھر میرا دل خود ہی حق کی جنگ کی طرف لڑنے کا مائل ہو جائے گا۔ میں خود بھی اپنی تحریروں سے قارئین کو متاثر کرنے کی جستجو میں لگا رہتا ہوں مگر آج مجھے معلوم ہوا کہ دنیا میں ایسے سرپھروں کی کمی نہیں ہے جو ذہنوں کو مسخر کر سکتے ہوں۔

میں جو یوں ہی ایک رسالے کو سرسری سا دیکھ رہا تھا اچانک قرآن کی ایک آیت پر نظر ٹھہر سی گئی "اور انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے"۔

اس کے ساتھ ہی دیوار کے "ڈھے" جانے میں جو کسر باقی تھی وہ پوری ہوئی اور میں نے سوچ لیا کہ وہی ہوگا جواب تک مظہر فرید مجھ سے کہتا چلا آ رہا تھا، میں بھی فرعون کی فرعونیت ختم کرنے کے لئے سرپھرا بننے کو تیار ہو گیا تھا کہ کوئی تو ہو جو برائی کے خاتمے کے لئے اپنا کردار سرانجام دے۔

دو گز زمین

ظہور احمد نے میٹرک کرتے ہی گاؤں سے نکل جانے کو ٹھان لی تھی۔اُس کو معلوم تھا کہ زندگی میں اگر کچھ کرنا ہے تو پھر یہاں سے دور جا کر اپنی زندگی کو ایک ڈھنگ سے طریقے پر ڈال کر ہی وہ اپنے خوابوں کی تکمیل کر سکتا ہے۔ یہاں اُسکی بوڑھی ماں کے علاوہ کوئی بھی تو اس کا اپنا نہ تھا جس کو وہ اپنے دل کی باتیں سنا سکتا تھا۔اُس کا دل ہی بہتر حال جانتا تھا کہ والد کے بچپن میں ہی انتقال کرنے اور اسکی والدہ کی دوسری شادی کے بعد اُس کی ذہنی حالت کس کرب میں گذر رہی تھی۔ایک بھائی تھا مگر وہ اپنے حال میں مست تھا اور بہن تو بس شادی کے بعد اپنے ہی گھر کو پیاری ہو چکی تھی ۔ لہٰذا اُس کو اپنی زندگی کسی کے سہارے کے بنا ہی جینا تھی اور وہ شروع سے ہی کچھ ایسا مزاج رکھتا تھا کہ اُسکی اپنے سوتیلے بھائیوں سے بھی کبھی نہ بن سکی تھی تو اس کے لئے بہتر تھا کہ وہ گاؤں سے دور پہلے بھاولپور شہر میں جا کر اپنی کچھ تعلیم مکمل کرے اور پھر روشنیوں کے شہر کراچی میں روزگار میں مشغول ہو جائے۔اُس کی بوڑھی ماں یوں بھی بے پناہ محبت کے باوجود اُس کو زیادہ اپنے پاس نہ رکھ سکتی تھی کہ وہ بھی اپنی نئی زندگی میں متوجہ ہو چکی تھی اور گاہے بگاہے پیش آنے والے حالات و واقعات نے ظہور احمد کے دماغ پر یہ بات ثبت ہو چکی تھی کہ وہ ''تنہا ہے ،اور کوئی اسکا

ہمدرد نہیں ہے''۔

ظہور احمد اپنے آپ کو زیادہ چالاک و ہوشیار تو نہیں سمجھتا تھا مگر بعض معاملات میں وہ ایسے حاضر جوابی سے مسئلوں کو حل کر لیتا تھا کہ اُسکے دوست بھی اُس پر رشک کرتے تھے اور حسد کرنے لگ گئے تھے ، جیسے عملی زندگی میں آنے سے قبل اُسکے سوتیلے بھائی کرنے لگے تھے اور اُسکو گاؤں سے نکلنا پڑ گیا تھا۔ اپنے آپ کو تعلیم سے آراستہ کرنے کے بعد وہ بطور اُستاد ،ملازمت کرنے لگا اور پھر وکالت میں دلچسپی نے وکیل بننے پر بھی مجبور کر دیا ۔اُسی دوران اُسکی شادی ہو گئی اور پھر اُسکے جو خواب تھے وہ کچھ دھرے کے دھرے رہ گئے کہ اُس کو اب اپنے گھریلو زندگی پر بھی توجہ دینے پڑ گئی اور وہ جو اپنے پیارے پاکستان کے لئے کچھ کرنا چاہتا تھا پھر اپنی ہی دو وقت کی روٹی کی مشقت میں ہی کھو سا گیا۔ رفتہ رفتہ بچوں کی پیدائش نے بھی اس کو مزید اُنکی محبت میں گرفتار کر دیا اور اُنکے لئے اپنے آپ کو بھول سا گیا ۔اِسی دوران اسکی والدہ کا انتقال ہو گیا اور وہ جو پہلے ہی ذہنی طور پر الجھا ہوا سا تھا اور ٹوٹ سا گیا کہ پہلے چھوٹا بھائی بھی ایک حادثے کا شکار ہو کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

اپنی زندگی میں وقت کے سرد گرم سے گذرتے ہوئے وہ بھی اُس عمر میں آ پہنچا

تھا جب کچھ آرام طلبی کی ضرورت ہوتی تھی مگر اُس نے خود داری قائم رکھی، اپنی جہد وجہد کو جاری رکھا اور دو وقت کی روٹی کے لئے اپنی وکالت آخری وقت تک نہ چھوڑی اور یہی عادت اپنے بچوں میں بھی پیدا کی اور اپنی مانند حق سچ کے لئے لڑنے کے لئے قربانی دینے پر اُکسایا۔ وقت نے ظہور احمد کو وہ سب دیا جو وہ چاہتا تھا مگر اس نے اپنی شرافت سے نام تو پیدا کیا مگر بچوں کو مکان نہ دے سکا۔ چونکہ لڑائی بھڑائی میں مہارت حاصل نہ تھی، اکیلے پن کا بھی خوف تھا اور قانون سے بھی محبت تھی تو اُس نے اپنے بچوں کو ویسا بنایا جیسا وہ چاہتے ہوئے بھی نہ بن سکا تھا۔ اُسکی فطری شرافت خودداری نے وارثت میں بہت کچھ جائیداد میں حقدار ہونے کے بس یہی صلہ ملا جب اُ، س کا آخری وقت آیا تو اسکو اپنی مٹی میں دفن ہونے کو بھی دو گز جگہ نہ ملی اور اُسے وہاں جہاں اس نے عملی زندگی شروع کی وہیں دفن ہونا پڑا۔

پبلک فگر

سالار آفریدی کو بہت خوشی ہو رہی تھی کہ اُس کو باالآخر ایک ریڈیو چینل پر بطور ڈی جے کام کرنے کا موقع ملا رہا ہے۔اُس نے اپنے سارے دوستوں اور رشتے داروں کو ایس ایم ایس ، فیس بک اور وٹس اپ کے ذریعے یہ بات آگاہ کر دی تھی ۔ سالار آفریدی کا دل چاہ رہا تھا کہ اُس کے پہلے ہی پروگرام میں ٹیلی فون کالز اس قدر آ جائیں کہ اُس کے پروگرام کی مشہوری پہلے دن سے ہو جائے ۔جب وقت مقررہ پر اُس کا پروگرام شروع ہوا تو اُس نے اپنی خود اعتمادی کی بدولت بہترین آغاز کیا اور اُسکے وہ چاہنے والے جس کو اُس نے پہلے ہی اطلاع دی ہوئی تھی اُس کی تعریفوں کے قصیدے پروگرام کے درمیان لے جانی والی ٹیلی فون کالز پر سنانے لگے اور وہ جو پہلے ہی خوشی سے پھولا ہوا تھا اب کچھ اور ہی اِترنے لگا تھا۔

جوں جوں دن گذر رہے تھے اُس کے چاہنوں والوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔اُس کی آواز کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا تھا۔ سالار آفریدی کو پبلک فگر بننے کی بہت خوشی ہو رہی تھی اور وہ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے لگا تھا کہ اس کے پرستاروں میں اکثریت لڑکیوں کی تھی۔ وہی دن رات اُس کے پروگرامز میں کالز،ایس ایم ایس کے ذریعے اُس کو خوبصورت آواز اور شخصیت ہونے کے حوالے

سے اپنی دلچسپی کا اظہار کرتی تھیں اور سالار آفریدی کو اس بات کا زعم ہو رہا تھا کہ وہ ہی اب ریڈیو کی دنیا میں راج کرے گا اور کوئی بھی اس کے مقابلے میں ٹھہر نہیں پائے گا۔اُس کی شہرت دائمی ہے جس پر کبھی زوال نہیں آنا ہے۔

سالار آفریدی نے چونکہ مخلوط ماحول میں تعلیم حاصل کی تھی تو اُس کو اس بات کا احساس نہیں ہو رہا تھا کہ جن پرستاروں کو وہ اپنا ذاتی موبائل نمبر دے رہا ہے وہ اُس کے ساتھ بہت جذباتی طور پر منسلک بھی ہو سکتے ہیں، حفصہ رشید ایک ایسی ہی پرستار تھی جو کہ شادی تک کرنے پر رضامند ہو گئی تھی۔اُس کی ایک پرستار نے محض اُس کی آواز اور خوبصورتی پر فدا ہو کر اُس کو موٹر سائیکل تک تحفے میں دے دی اور دوسری پرستاروں میں سے کوئی اس کو کچھ نہ کچھ تحائف دے رہا تھا اور وہ یہ سب دوسروں کو خوشی سے بتایا کرتا تھا کہ دیکھو! کیسے لوگ اُس سے محبت کرتے ہیں؟ حالانکہ اکثر ہی وہ باتوں باتوں میں ایسی باتیں کرتا تھا جس سے جذباتی طور پر پاگل پن کا شکار لڑکیاں ازخود ہی تحائف دینے پر مجبور ہو جایا کرتی تھیں کہ وہ ایک پبلک فگر سے انس رکھتی ہیں۔ناسمجھ لڑکیاں چونکہ بے حد جذباتی ہوتی ہیں تو اچھائی.برائی کی تمیز کیئے بن ہی وہ کچھ ایسا کر جاتی ہیں جس پر تاحیات اُنکو پچھتاوا رہتا ہے۔حفصہ رشید بھی اس کے آگے اپنا دل ہار گئی تھی اور روز.بروز اسکے لگاؤ میں اضافہ

بھی ہو رہا تھا جبکہ دوسری طرف سالار آفریدی دوسری پرستار عطیہ شاہ جو امیر کبیر تھی پر مہربان ہو رہا تھا۔

حفصہ رشید کو اس بات کا بخوبی اندازہ بھی تھا کہ سالار آفریدی ایک پبلک فگر ہے مگر اُس کو اپنے دل پر قابو نہیں تھا،اسی لئے وہ گاہے بگاہے اسکو تحائف دے رہی تھی اور وہ بھی بڑی خوشی سے لے رہا تھا کہ مفت میں تو انسان شراب بھی ملے تو پی سکتا ہے۔مگر ایک دن جب اُس نے تحائف دینے سے انکار کیا تو پھر سالار آفریدی کو بے چینی ہوئی کہ وہ ایک پبلک فگر ہے اور اسکی اہمیت ہے کوئی اسکو محض اس وجہ سے کیوں نہ دے جب وہ محض دوست رہ سکتا ہے مگر شادی نہیں کر سکتا ہے ؟ تو اس نے حفصہ رشید سے تعلق ختم کرنے میں ہی بہتری سمجھ لی اور اپنی دنیا میں مگن سا ہوگیا۔مگر مکافات عمل بھی دنیا میں ہوتا ہے ابھی کچھ ہی عرصہ ہوا تھا جب سالار آفریدی کو اُس کے ایف ۔ایم چینل سے وجہ بتائے بنا فارغ کر دیا گیا،دوسری طرف ایک اچھے خاندان میں حفصہ رشید کی شادی ہو گئی اور ماضی کو بھول کر مستقبل کی طرف دیکھنے لگی۔

خوب صورت

فاریہ کو پھر آج کوفت ہونے لگی تھی ایسا ہر اُس دن ہوتا تھا جب بھی کوئی اس کے رشتے کیلئے آتا تھا۔اُسکی ماں ہر بار ایک نئی اُمید پر آنے والوں کی دعوت کا انتظام کروایا کرتی تھی کہ ہو سکتا ہے کہ ابھی وقت باقی ہے بات بن ہی جائے گی ۔کونسا بیٹی اُس عمر میں جا رہی ہے جہاں رشتوں کی کمی ہو جاتی ہے۔بالوں میں چاندی سی اُتر جاتی ہے اور پھر تنہائی کا روگ لگ جاتا ہے۔مگر فاریہ جو کہ انتہائی شریف و دین دار گھرانے سے تعلق رکھتی تھی ،اُس وقت بے بس ہو جاتی تھی جب آنے والے اسکے گھر کی حالت کو دیکھ کر ہی منہ بنا لیتے تھے اور پھر کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر رشتے سے انکار کر دیتے تھے۔اور پھر فاریہ کئی دن تک اپنے کمرے میں قید ہو جاتی تھی اور اپنی قسمت پر کئی کئی گھنٹے رویا کرتی تھی۔فاریہ خوبصورت تو تھی مگر قسمت کچھ روٹھی ہوئی تھی ورنہ اتنے رشتوں میں سے کوئی تو ہاں کرلیتا اور اُسکی زندگی کچھ سہل ہو جاتی۔

فاریہ شکل و صورت کے اعتبار سے ایسی تھی کہ جو بھی اُس پر نظر ڈالتا تھا اُس کی معصومیت دل کو چھو لیتی تھی۔آنکھیں باتونی تھیں، لمبے گہرے بال ، نین

نقش اچھے ہونے کے باوجود اُس کی سیرت بھی بہترین تھی جس کی گواہی آس پاس کی ہر پڑوسن کیا کرتی تھی اور فاریہ کی یونیورسٹی کی تمام دوست جن میں بریرہ کے ساتھ اُس کی گہری دوستی تھی ،اُس کی اداوں پر بہت مرمٹتی تھی۔لیکن دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ فاریہ کی زندگی میں ابھی تک کوئی ایسا نہیں آیا تھا جس نے اُس کی خوبصورتی کو سراہاکے اپنی زندگی میں شامل کرنے پر آمادہ کیا ہو۔

اس دفعہ جو رشتے دیکھنے آئے تھے انہوں نے اُس پر تنقید تو نہیں کی مگر گھر کی سفید پوشی سے اُنکی مالی حالت دیکھ کر بھی وہ پُر سکون رہے تھے۔فاریہ کو اس بار آنے والے لوگ اچھے لگ رہے تھے انہوں نے فاریہ کو اُن نظروں سے نہیں دیکھا تھا جیسے پہلے آنے والے دیکھا کرتے تھے۔یہ فاریہ کی بچپن کی دوست عطیہ کے محلے میں رہنے والے تھے۔ ذوالقرنین کی والدہ کو فاریہ پہلی ہی نظر میں بھا گئی تھی اور انہوں نے فاریہ کی والدہ کو اپنی آمدگی ظاہر کر دی تھی۔عطیہ کو جب فاریہ نے یونیورسٹی کی چھٹیوں کے بعد آکر یہ بات ہوسٹل کے کمرے میں آکر بتائی تو وہ بے حد حیران سی رہ گئی اور اُسکی قسمت پر رشک کرنے لگی تھی۔فاریہ نے اپنی دل پر ذوالقرنین کو پہلی مرتبہ دیکھ کر جو حالت ہوئی تھی کی روداد بتائی تو عطیہ نے کئی دنوں تک اسکو مذاق کا نشانہ بنے رکھا۔

دن پہ دن گذرے رہے تھے فاریہ اکثر یونیورسٹی میں اپنے سے زیادہ خوبصورت لڑکیوں کو دیکھا کرتی تھی،ان کے نت نئے فیشن سے کبھی متاثر بھی ہو جایا کرتی تھی۔اُن کے ایکنڈلز کی کہانیاں بھی ہر سو پھیلی ہوئی تھیں مگر فاریہ کو خوب صورت ہونے سے زیادہ خوب سیرت بننے کا زیادہ شوق تھا۔ تبھی اس نے ذوالقرنین کے لئے حامی بھرلی تھی جب اُسکی والدہ نے محض فاریہ کی خوب صورت شکل کی بجائے سیرت کو ترجیح دی تھی،حالانکہ ذوالقرنین زیادہ خوب صورت تو نہ تھا مگر شادی کے بعد فاریہ کو معلوم ہواذوالقرنین بہت باتونی ہے اور اُسے دل میں اُتر جانے کا ہنر بخوبی آتا تھا۔ وہ روز بروز اس کی محبت میں مزید گرفتار ہوتی چلی جارہی تھی۔فاریہ کو ہر گذرتے ہوئے دن کے ساتھ احساس ہوتا جارہا تھا کہ خوب صورت ہونا ہی کافی نہیں ہوتا ہے،انسان کی سیرت ہی باقی رہنے والی ہے، اسکے بنا انسان کچھ نہیں ہے۔قسمت انسان کی اچھی ہوجائے توسب بہتر ہو جاتا ہے جیسے ذوالقرنین کو شادی کے ایک بونس ملا تو انھوں نے گاڑی خرید لی۔

فاریہ کافی دنوں سے سارہ کو ملنے جانا چارہی تھی مگر ذوالقرنین کے پاس اتنا وقت کہاں ہوتا تھا کہ اُسکو لے جاتا۔ایک دن وہ خود ہی گاڑی لے کر ملنے چل دی،ایک موڑ پر اُس نے چینچل سی محراب کو سکارف میں چہرہ ڈھانپے ہوئے

شاپنگ مال میں داخل ہوتے دیکھا تو فوراً گاڑی اُسی شاپنگ مال کی طرف موڑ دی۔ وہ حیران سی ہو رہی تھی آخر محراب نے سکارف لینا کیوں شروع کیا۔ اُس نے گاڑی سے اُتر کر تقریباً بھاگتے ہوئے محراب کے پاس پہنچی اور اس کو سلام کر کے ششدر کر دیا۔ فاریہ نے فوراً ہی سوال کیا کہ یہ کیسے انقلاب آیا وہ جو دوپٹے کو گلے میں محض رسی کی مانند رکھا کرتی تھی آج کیسے سکارف پہنے ہوئے ہے۔ تو محراب نے بتایا کہ یونیورسٹی کے آخری دنوں میں اسکی دوستی ایک امیر کبیر لڑکے سے ہو گئی تھی جو اُس کے خوب صورت چہرے پر مر مٹا تھا، بہت عرصے کی دوستی کے بعد بھی اُس نے شادی پر آمادگی ظاہر نہ کی تو اس نے جب محراب نے گھر والوں کے زور پر شادی کر لی۔ تو اُس نے ایک دن انتقامی کاروائی کرتے ہوئے اس کے خوب صورت چہرے پر ایسا کیمیکل پھینکا جس سے چہرے پر بد نما داغ بن گئے۔ جس کی وجہ سے اُس نے سکارف پہننا شروع کر دیا۔ فاریہ کو انتہائی دُکھ ہوا کہ لوگ محض انا اور ضد کی خاطر ایسا کرتے ہیں۔ اچھی سوچ نہیں رکھتے ہیں اور خوب صورت لوگ ایسے انتقام کا نشانہ بنتے ہیں۔ یہی سب سوچتے ہوئے وہ سارہ کی طرف چل پڑی۔

لینڈ ریکارڈ کمپیوٹرائزیشن اور عدل وانصاف

کسی کو پورا پورا ہر لحاظ سے اسکا حق دے دینا اور کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرنا عدل وانصاف کہلاتا ہے۔ موجودہ دور میں بہت سے معاملات (مثلاً زمین کے ریکارڈ، پاسپورٹ ، شناختی کارڈ، اسلحہ لائسنس کے حصول وغیرہ) کو کمپیوٹرائزڈ کرکے بدعنوانی کے عنصر کو کم سے کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو کہ عدل وانصاف کی فراہمی کی جانب ایک بڑا اہم قدم ہے اس سے ہر شخص کو اس کا جائز حق دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔اس حوالے سے دیکھا جائے تو اسلامی معاشرے میں عدل وانصاف کی بڑی اہمیت ہے۔ معاشرے میں امن سکون کی ضمانت اس کو قرار دیا گیا ہے۔ہماری کائنات کا نظام عدل پر قائم ہے۔ اس کی ایک ایک چیز درست مقام پر کام کر رہی ہے۔ کائنات میں موجود اشیاء ایک دوسرے کے دائرہ اختیار میں مداخلت نہیں کرتی ہیں۔ عدل اللہ تعالی کی صفت ہے۔ قرآن میں بھی بار بار اس بارے میں احکام بیان کئے گئے ہیں۔قرآن میں ایک جگہ پر اس کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ ’’میں بندوں پر ظلم نہیں کرتا‘‘ جبکہ دوسرے مقام پر یہ بات یوں کہی گئی ’’اے رسول ﷺ جب آپ انکے درمیان فیصلہ کریں تو عدل کے ساتھ فیصلہ کریں ۔ بیشک اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔‘‘ جبکہ سورۃ شوری میں اسطرح سے حضور ﷺ کی زبان سے قرآن میں کہلایا گیا کہ ’’کہو مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ تمھارے درمیان

عدل کرو"۔ وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی مملکت کے دعویٰ دار ممالک بالخصوص پاکستان میں عدل وانصاف کی فراہمی کم سے کم تر ہوتی جا رہی ہے جس کی بناء پر مختلف انواع اقسام کے مسائل پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ جناب وزیر اعلیٰ پنجاب محمد شہباز شریف صاحب جہاں بات کرتے ہیں کہ دہشت گردی کو ختم کرنا ہے وہاں اگر وہ انصاف کی فراہمی کے حوالے سے ضروری اقدامات صوبہ بھر میں کریں تو پھر انکا نام ہمیشہ عزت سے لیا جاتا رہے گا اور انکے ناقدین کے منہ بھی بند رہیں گے۔

ہمارے اسلامیہ جمہوریہ پاکستان میں موجود ہیومین رائٹس کی تنظیمیں اور سیاست دان اپنے مطلب پرستی کی سرگرمیاں میں مصروف ہیں کسی کو انصاف فراہم کرنے کی فکر نہیں ہے۔ شاید ہم لوگ بے حس ہو چکے ہیں جب تک خود پر کچھ نہ ہو کسی کے لئے بھلا کرنے کی توفیق نہیں ملے گی۔ چند اسلامی ممالک کی حد تو عدل وانصاف کی فراہمی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے لیکن ہمارے ارض پاک میں قیام کے آغاز سے ہی اس کے بارے میں ایسا سلوک کیا گیا ہے کہ حقدار بھی اپنے حق سے دستبرار ہونے کو ترجیح دیتے ہیں ۔عدل کی علامت ، عدالتیں بھی ہوتی ہیں جہاں سے ہر شہری کو بلاامتیاز انصاف کی فراہمی ممکن ہوتی ہے اگر کسی ملک کی عدالتوں سے لوگ مایوس ہو جائیں تو چور بازاری ، رشوت اور تعلق داری کی بناء فیصلے ہونے لگے ہیں اور پھر اس ملک کا امن سکون برباد ہونے میں دیر نہیں

لگتی ہے جیسا کہ ہمارے ہاں ہو رہا ہے۔ ماضی میں جناب چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کے عمدہ اقدامات کی وجہ سے عدل وانصاف کی جلد فراہمی کی بدولت کسی قدر لوگ کو حق ملنا شروع ہوا ہے یہ تو ابھی ابتداء ابھی منزل دور ہے اور رکاوٹ کھڑی کرنے والے بھی کم نہیں ہیں۔ یہ اپنے ہی لوگ ہیں جو اپنے مقدمات اور کرپشن کیسز کی وجہ سے موجودہ عدالتوں سے خائف ہیں۔ موجودہ چیف جسٹس آف پاکستان اگر قانون میں ترمیم کروا کر کچھ ایسا کر سکیں کہ ہر دائر ہونے والے جھوٹے کیس جو کہ دوسرے فریق کو تنگ کرنے اور حق سے محروم رکھنے کے لیے ہوتے ہیں، مذکورہ عدالتوں سے خارج ہو جانے پر بھاری جرمانہ عائد کر دیں تو ہو سکتا ہے کہ کیس کی دائر ہونے کی شرح میں واضح کمی ہو سکے اور مذکورہ رقم کو عدالتی عملے میں تقسیم کیا جانا چاہیے تاکہ وہ بدعنوانی میں ملوث نہ ہو سکیں۔

پاکستان میں بہت عرصے بعد لینڈ ریکارڈ کو بھی کمپیوٹرائزڈ کرنے کا آغاز کیا گیا جس میں بہت سے مسائل حائل تھے لیکن اسکی بدولت بہت کچھ بہتر ہونے کی توقع ہو چلی ہے مگر ابھی بھی صورت حال ماضی کی نسبت اچھی ہے۔ لیکن کچھ خامیاں ہیں جس کی وجہ سے لوگ ناحق پریشان ہوتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ماضی کا انتقال کروانے کا طریقہ کار ہی بہتر تھا کہ پٹواری کو پیسے دے کر کام ہو جایا کرتا تھا۔ ابھی کل کی ہی ایک قومی اخبار میں شائع ہونے والی خبر کو ہی

لے لیجئے کہ پنڈی گھیب میں اے ڈی ایل آر تعینات نہ تھا جس کی وجہ سے کئی لوگوں کے انتقال نائب تحصیلدار کی کوتاہی کی وجہ سے منسوخ کر دیئے گئے ہیں جو کہ بہت بڑی نااہلی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔لینڈ ریکارڈ کمپیوٹرائزڈ کرنے والے سروس سنٹرز پر بھی عوام کا وقت بہت ضائع کروایا جاتا ہے اور لوگوں کو اپنے انتقالات کروانے کے لئے دنوں تک بھی انتظار کرنا پڑتا ہے۔ کہیں کہیں عملہ بھی ناتجربہ کار ہے جس کی وجہ سے عوام کو جگہ جگہ دھکے کھانے پڑتے ہیں۔اس حوالے سے کوشش کی جانی چاہیے کہ ایک ہی چھت کے نیچے سب معاملات حل ہو سکیں۔ سروس سنٹرز کی جانب سے جاری کردہ دستاویزات میں بھی عموماً غلطیاں کی ہوئی ہوتی ہیں اس حوالے سے خاص طور پر انچارج سروس سنٹر کو ہدایت جاری کی جائیں ہر ممکن حد تک احتیاط کے بعد وہ عوام کو دی جائیں تاکہ بعدازں پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ جناب وزیر اعلیٰ پنجاب اگر کوشش کریں تو محدود وقت کے لئے ہر سنٹر پر دو اے ڈی ایل آر تعینات کروا دیں تاکہ عوام کو سہولت مل سکے خاص طور پر جہاں زیادہ رش ہو وہاں لازمی طور پر دو اے ڈی ایل آر تعینات کئے جائیں۔ متعلقہ نمبردار، پٹواری، گرداور حضرات کو بھی کچھ وقت کے لئے ہر روز سروس سنٹر رہنے کیلئے کہا جائے تاکہ انکے لئے دربدر عوام کو نہ ہونا پڑے ایسا کرنے سے رشوت ستانی کے فعل میں بھی کم ملوث ہونے کے امکانات ہیں۔اگرچہ ایسا ہر جگہ نہیں ہو رہا ہے بالخصوص میں یہاں ذاتی تجربے کا ذکر کرنا چاہوں گا کہ لیاقت پور کے اے ڈی ایل آر مظہر فرید صاحب نے راقم

کا کام فوراً سے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ جناب بات کہنے کی یہ ہے کہ اگر ہمارے سرکاری دفاتر میں محترم محمد مظہر فرید اسسٹنٹ ڈائریکٹر لینڈ ریکارڈ صاحب کی طرح اگر ہمارے سرکاری اہلکار اپنی ذمہ داری کا احساس کر لیں تو ہمارے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ لوگ اپنے حق کے حصول کی خاطر مل جل کر جہد وجہد کریں تو پاکستان میں عدل وانصاف کے خواب کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایک بات بے انصافی کرنے والوں کو بھی سوچنی چاہیے کہ انکو بھی اپنے یوم حساب کا دن دیا درکھنا چاہیے جس دن ان سے انکے ہر عمل کا جواب دہ ہونا پڑیگا۔ دوسری طرف محکمہ مال کے ریکارڈ میں ہونے والی بدعنوانیوں اور لوٹ مار کے حوالے سے بھی متعلقہ اضلاع کے ڈسٹرکٹ کلکٹر صاحبان کو بھی اپنی ذمہ داریاں ادا کرنی چاہیے تاکہ سرکاری خزانے میں اضافہ ہو، یہ نہ ہو کہ متعلقہ اہلکار اپنی جیب گرم کرکے سرکاری ادائیگی مقررہ حد سے کم وصول کرلیں، اور زمین کے حقیقی مالکان کے سپرد انکی اراضی بھی ہونی چاہیے ،اس حوالے سے ڈسٹرکٹ کلکٹر صاحبان کو دیکھنا چاہیے کہ کتنے عرصے سے کوئی خاص زمین کسی کے نام ہوئی ہے ،اس معاملے میں سنگین بدعنوانیاں ظاہر ہو سکتی ہیں بالخصوص انتقال وارثت نہ کرانے والوں کے خلاف سخت قانونی کاروائی کی جانی چاہیے کیونکہ جب تک ایسا نہیں ہوگا اُسوقت تک درست کمپیوٹرائزڈ لینڈ ریکارڈ مرتب نہیں ہو

سکے گا اور ماضی کے گھپلے اس کا حصہ بنے رہیں گے۔اس حوالے سے ڈسٹرکٹ کلکٹر صاحبان انچارج کمپیوٹر سروس سنٹر کو واضح ہدایات جاری کریں تاکہ لینڈ ریکارڈ کی درستگی بھی ممکن ہو سکے بصورت دیگر لینڈ ریکارڈ کمپیوٹرائزڈ ہو جانے کے بعد بھی اسکے مشکوک ہونے پر انگلی اٹھتی رہیں گی۔

جیون ساتھی کا انتخاب

دو پل کی زندگی کا کچھ پتا نہیں ہے کہ کس پل میں ختم ہو جائے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور آخری سانس کا انتظار کرتے رہیں ۔ ہمیں دنیا میں ایک مقررہ مدت کے لئے بھیجا جاتا ہے اور یہاں پر ہر انسان اپنی خداداد صلاحیتوں کے مطابق افعال سرانجام دیتا ہے جس سے نہ صرف اسکا بلکہ دوسروں کا بھی بھلا ہوتا ہے۔ ہمیں جتنا بھی وقت زندگی کا ملتا ہے اس کو ہم تنہا بسر نہیں کر سکتے ہیں اسلئے ہمیں فطری ضرورت کے تقاضوں اور تنہائی دور کرنے کے لئے کسی نہ کسی فرد کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جو ہمارے دکھ درد کو سمجھے، خوشیوں میں شامل ہو، ہمیں مختلف مسائل سے نجات دلوانے میں مدد دے اور ایک دوست کی مانند ہمارا ساتھ زندگی کے آخری پل تک دے وہی ہمارا جیون ساتھی کہلاتا ہے ۔یعنی زندگی بھر ساتھ نبھانے والا جیون ساتھی کہلاتا ہے ۔ اسکے علاوہ جس کے ساتھ ہم زندگی بھر کے عہد کرکے اسے اپنی زندگی میں شادی کے بعد شامل کرتے ہیں وہ بھی ہمارا جیون ساتھی کہلاتا ہے۔

شادی ایک ایسا بندھن ہے جس میں تاحیات ساتھ زیادہ تر رہتا ہے اور بعض وجوہات کی بناء پر یہ تعلق جلد ٹوٹ بھی جاتا ہے جس کی ذمہ داری دونوں طرف

عائد ہوتی ہے۔ہم کسی ایک کو اس سلسلے میں مجرم قرار نہیں دے سکتے ہیں۔ بعض اوقات دونوں فریقین سے زیادہ انکے والدین اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کی نفسیات کو سمجھے بنا کسی ایسے شخص کے ساتھ ناطہ جوڑ دیتے ہیں جس کو وہ دل سے پسند نہیں کرتے ہیں۔انکی پسند دوسری ہوتی ہے اور وہ انکو اس کی بجائے دوسرے کے ساتھ زندگی بھر نبھانے کا ساتھ پر مجبور کر دیتے ہیں جس سے وہ دل سے خوش نہیں ہوتاہے اور زندگی کو سمجھوتے پر گذارنا مطع نظر بنالیتا ہے۔ بسااوقات دوفریقین ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کیوجہ سے ایک دوسرے سے علیحدہ بھی ہو جاتے ہیں اور یہ صورت حال کبھی پسند کی شادی کے بعد بھی پیش آتی ہے اور کبھی والدین کے غیر مناسب جیون ساتھی کے انتخاب کی بدولت بھی پیدا ہوتی ہے۔اس میں کچھ حالات وواقعات کو آپ قسمت کی بھی ستم ظریفی بھی کہہ سکتے ہیں۔

عموماًایسالڑکیوں کے ساتھ ہوتاہے کہ وہ اپنی پسندکے بارے چاہاکر بھی کچھ بول نہیں سکتی ہیں چاہے وہ محبت بھی ٹوٹ کر کرتی ہوں بہت کم ہی اس بابت والدین کو آگاہ کرتی ہیں کہ وہ اس خاص شخص کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہ رہی ہیں۔جو ایسا کرتی ہیں وہ بقول ایک قاری آصفہ نورین کے وہ ''بے باک'' اور'' منہ پھٹ'' کہلاتی ہیں۔

والدین انکی چاہت معلوم ہونے کے باوجود اپنی انا،دھن دولت کی لالچ میں کسی اور کی شریک حیات بننے پر آمادہ کرتے ہیں جس سے

بالخصوص مشرقی لڑکیاں والدین کی عزت کی خاطر اپنے آپ کو مار کر انکے منتخب ساتھی سے سمجھوتہ کرکے ساری زندگی گذار دیتی ہے کہ عورت کا اصل گھر ہوتا ہی کہاں ہے۔ شادی سے پہلے والدین ،پھر شوہر یا پھر اولاد کا وہ بچاری تو ساری زندگی اصل گھر کی متمنی ہی رہتی ہے۔ مگر وہ اپنے اولین سچے پیار کرنیوالے محبوب ساتھی کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی ہیں۔ چاہے اس کے ساتھ کچھ بھی ہو جائے۔ لیکن وہ سمجھوتہ کرنے کی جبلت ہونے کی وجہ سے باقی کی زندگی آسانی سے گذر لیتی ہیں مگر لڑکے ہمیشہ اس کے برعکس ہوتے ہیں کہ سمجھوتہ کر لینا بہت کم انکی سوچ ہوتی ہے۔ پتا نہیں ہم لوگ اپنی اولاد بالخصوص لڑکیوں کو جینے کا حق کیوں نہیں دیتے ہیں جبکہ ہمارے دین میں اسکی بھرپور اجازت ہے۔ مگر ہم اسلام کو اپنا مذہب قرار دینے والے سچا مسلمان کہنے والے کبھی بھی دین کی حقیقی تعلیمات پر عمل کرنے کی دل سے کوشش نہیں کرتے ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے محبت کرنے والے کیوں ایک دوسرے کے زندگی بھر کے ساتھی نہیں بن سکتے ہیں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ والدین انکا ساتھ دیں وگرنہ انکو بھاگ کر ایک ہونا پڑتا ہے جو کہ اگرچہ ایک غلط اقدام ہے مگر کوئی صورت نہ بننے کی وجہ سے اٹھایا جاتا ہے۔ تبھی غیرت کے نام پر قتل کی خبریں بھی اخبارات کی زینت بنتی ہیں اب اگر دیکھا جائے تو ایسے لوگ جو غیرت کے نام

پر اپنی بہن یا اُسکے محبوب کو قتل کرتے ہیں وہ خود کہاں غیرت رکھتے ہیں اگر ایسا ہوتا تو وہ دین کے احکامات کے مطابق اُنکو جو اسلامی تعلیمات کے مطابق جائز طور پر ایک دوسرے کیساتھ بندھن میں بندھ جاتے ہیں کو قتل نہ کریں۔جب والدین بچوں کی پسند کی بجائے اپنے ہی خاندان والوں کو ترجیح دیں اور شرافت وایمانداری کی بجائے اپنی ضد پوری کرنے کے لئے بچوں کی زندگیوں کو داؤ پر لگانے کی کوشش کریں تو بہت سے نوجوان لڑکے لڑکیاں گھر سے بھاگ کر کورٹ میرج کرتے ہیں اور دو گھرانوں کی بدنامی کا سبب بنتے ہیں ۔حالانکہ ہمارے دین کی اس حوالے سے واضح احکامات ہیں کہ بچوں کی پسند کے بعد انکی شادیاں کر دی جائیں مگر آجکل کے دور میں باپ کو اپنے بھائی کے ہاں اور ماں کو اپنی بہن سے بڑھ کر اور کوئی عزیز تر نہیں ہوتا ہے۔اور وہ اپنی من مانی کرواتے ہیں اور بہت بار ایسا کرنے والوں کا ساتھ کچھ دیر کا ہوتاہے جیسے والدین کے بنائے ہوئے رشتے بھی کبھی کبھار ٹوٹ جاتے ہیں۔ مگر بہت سے جوڑوں کی ازدواجی زندگی کامیاب بھی رہتی ہے اگر وہ بہت سوچ سمجھ کر زندگی بھر کے ساتھ کیلئے جیون ساتھی منتخب کیا جائے تو زندگی جنت بن جاتی ہے۔والدین نے بچوں کی شادیاں کہیں نہ کہیں تو کرنی ہوتی ہیں تو انکی پسند کو مد نظر کیوں نہیں دیکھا جاتاہے ۔بچوں کے بدلتے اطوار سے انکے بارے میں کچھ جاننا مشکل نہیں ہوتا ہے مگر بعض اوقات خاندان میں شادی کرنا، پیسہ ،شرافت اور محبت وغریبی پر غالب آجاتا ہے ۔یہاں خصوصاً مائیں اپنی بیٹیوں کی پسند کو بآسانی

جان سکتی ہیں کہ وہ اکثر ماؤں کے زیادہ قریب ہوتی ہیں اور وہ اُنکے دلی پسند کے مطابق جیون ساتھی کا انتخاب کر سکتی ہیں۔

یقینا والدین بہتر طور پر جانتے ہیں، فیصلے درست کر سکتے ہیں، بہتر جیون ساتھی منتخب کر سکتے ہیں اس صورت میں جب بچے کسی کو پسند نہ کرتے ہوں مگر آج کے دور میں حالات مختلف ہیں والدین کو بچوں کی پسند کو مد نظر رکھنا چاہیے کیونکہ اسلام بھی اس کی اجازت دیتا ہے۔یہ بھی سوچنے کی بات ہے جناب کہ ہم کونسا سا باقی اعمال کیلئے دین سے رجوع کرتے ہیں جو اس کام کیلئے کریں، حالانکہ نکاح تو سنت نبوی ﷺ ہے۔ باقی تو مستقبل اللہ نے بہتر کرنا ہوتا ہے، والدین کو بچوں کی پسند پر عمل کرکے اُنکے حق میں دعا کرنی چاہیے کہ والدین کی دعائیں اولاد کے حق میں قبول ہوا کرتی ہیں۔جب ہم اچھا سوچیں گے تو اچھا ہوگا مگر ''جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں'' بننے والی بات بھی تسلیم کرنے والی ہے مگر یاد رکھئے جیسا عمل ویسا پھل ہمیں ملتا ہے اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ انسان کی آزمائش بھی کرتا ہے۔ اب انسان پر ہے کہ وہ اپنے شعور کے مطابق فیصلے کرے کہ ایسے ہی اس کو اشرف المخلوقات نہیں کہا گیا ہے۔پتا نہیں کب ہم لوگ ہوش کے ناخن لیں گے اور اپنی اولاد کے ساتھ انصاف کریں گے۔ہم حقائق جان کر بھی بے خبر رہنے کی کوشش کرتے ہیں بعدازں جب سر پر آفت پڑتی ہے تو ہوش آتا ہے۔آخر میں یہی گذارش والدین سے ہے کہ جب بھی جیون ساتھی کا انتخاب

کریں تو ہر چیز کو مد نظر رکھیں مگر اسقدر بھی نہیں کہ محض مال و دولت اور ضد کی وجہ سے کسی کو رد کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سیدھی راہ دکھائے (آمین)۔

ان کہی چاہت

ابو ! ابو ! ابو ! ابو ! ابو ! وہ دیکھیں فوجی جارہے ہیں ! کتنی پیاری وردی ہے ناانکی ابو ! میں تب ننھی سی بچی تھی اور لاشعوری طور پر فوجیوں سے محبت کرنا شروع ہوچکی تھی۔ میں نے چھوٹی عمر سے ہی ملک کے دفاع کے لئے اپنی جان لوٹانے والوں سے اپنی دلی وابستگی قائم کرلی تھی اور جہاں بھی میں فوجی افراد کو دیکھا کرتی تھی تو بڑی محو ہو کر انکو دیکھا کرتی تھی۔ تب مجھے قطعی خبر نہیں تھی کہ میری آنے والی زندگی میں بھی کسی فوج سے تعلق رکھنے والے کا بہت زیادہ عمل ہو جائے گا اور میرا سکھ چین ہی ختم ہو کر رہ جائے گا۔

میں عام بچوں کی طرح کارٹونز وغیرہ نہیں دیکھا کرتی تھی۔ میں نے اپنے بچپن کا سارا وقت فوجی کھلونوں سے کھیلتے اور ان پر مبنی دستاویزی فلموں کو دیکھتے ہی گذارا تھا اور میں اکثر خوابوں میں خود کو فوجی بنا کر بہت سے کارنامے سرانجام دیا کرتی تھی اور شعور میں آتے ہی میرے خوابوں میں بھی سہانے سپنے آنے لگے تھے۔ میں گھر پر آس پڑوس کے آنے والے بچوں کو بھی نشان حیدر حاصل کرنے والے قومی ہیروز کی داستان اکثر سنایا کرتی تھی۔

میں نے اپنی تعلیم بھی آرمی کے اسکولز میں حاصل کرنی شروع کی اور کالج تک آ گئی اور بڑھ چڑھ کر ایسی سرگرمیوں میں حصہ لیا کرتی تھی جن سے حب الوطنی جھلکتی تھی۔ایک دن میں کالج سے گھر واپس آئی تو ہمارے گھر امی کے دور کے رشتے دار شازیہ خالہ وغیرہ آئے ہوئے تھے۔ یہ دراصل ہمارے گھر اس لئے آ گئے تھے کہ انکے بیٹے کی جو کہ آرمی میں بطور کیپٹن تھا کی ٹرانسفر ہمارے ہی شہر میں ہوئی تھی اور یہاں ہم بھی تھے تو وہ بطور خاص ہم سے ملنے آئے تھے۔میں بھی وہاں کچھ دیر کے لئے انکے پاس گئی تھی اور واپس آ گئی تھی مگر میں وہاں جاتے ہیں شازیہ خالہ کے بیٹے جس کا نام سلمان سکندر مجھے اُنکے جانے کے بعد ہی معلوم ہوا تھا۔اس نے مجھے اپنی پہلی نظر میں ہی محبت میں گرفتار کروا لیا تھا اور اپنا دل اسکی وجاہت اور سادگی اور دلفریب مسکراہٹ جو میرے اُس کو سلام کرنے کے بعد نمودار ہوئی تھی پر ہار چکی تھی۔

اسکے بعد میری محض دور سے اُس کو دیکھنے کی خواہش پوری ہو سکی مگر میں چاہ کر بھی اس تک اپنی محبت کے بارے میں آگاہ نہیں کر سکی ہوں کہ خاموشی سے کسی کو چاہنے کا اپنا ہی لطف ہوتا ہے اور میں کچھ ڈری ہوئی بھی ہوں کہ میری محبت کا جواب مثبت نہ ہوا تو کیا ہوگا۔اس سے تو اچھا ہے کہ خاموشی سے یوں ہی محبت کرتی چلی جاؤں مگر دل کے ہاتھوں مجبور ہوئی جا رہی ہوں کہ اپنی

محبت کا اظہار کر دوں۔ لیکن اس سے ملاقات ہونا بھی تو دشوار ہے اور کہنا تو مشکل عمل ہے۔ ہمارے ہاں ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ لڑکی اپنے جذبات کا اظہار کرے۔ جب وہ اظہار کر لیتی ہے تو بہت سے مسائل کا بھی شکار ہو جاتی ہے اور گھر والوں سے بے عزتی تک ہو جاتی ہے پتا نہیں کیوں ہم لڑکیوں کو اپنی پسندیدگی کی بھاری بھر کم قیمت ادا کرنی پڑتی ہے ہمارے گھر والے بھی اکثر ہمیں قصور وار جانتے ہیں اور کبھی کبھی ہم ایسے فرد کو اپنی محبت سونپ دیتی ہیں جو ہمارے ہی ارمانوں کا قتل کر دیتا ہے اور کبھی ہمارے والدین بھی اپنی ذاتی انا اور ضد کی وجہ ہماری محبت کو ہم سے دور کر دیتے ہیں۔ تب ہی میں اکثر یہی سوچتی ہوں کہ یوں ہی چپ رکھ کر محبت کرتی رہوں مگر ایک تشنگی سی ہے کہ اُسے معلوم ہو جائے اور مجھے میری محبت مل جائے۔

میں نے اپنی زندگی میں بہت مرتبہ ایسا دیکھا ہے جہاں دو پیار کرنے والے بے پناہ محبت رکھنے کے باوجود ایک دوسرے کو دکھ درد میں مبتلا کرتے رہتے ہیں کہیں وہ محبت کے ہاتھوں سب کچھ گنوا دیتے ہیں اور کبھی وہ مخلص رہ کر زندگی بھر خوشی ایک دوسرے کا ساتھ دے کر محبت حاصل کرکے رہتے ہیں۔ محبت جہاں بھی سچی ہو وہ ضروری ملتی ہے مگر اس کے لئے کوشش کرنی پڑتی ہے اس لئے میں چاہتی ہوں کہ میرے دل کی بات سلمان سکندر تک پہنچ جائے اور میں ذہنی طور پر سُکون سی ہو جاؤں۔ ابھی میرا تو یہ حال ہے کہ میں دن میں کئی دفعہ اُسکے ہی

خیالوں میں کھو سی جاتی ہو ابھی تک تو میرے گھر والوں نے میری چوری نہیں پکڑی ہے مگر وہ کہتے ہیں نا عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے ہیں تو کچھ اُلجھن میں مبتلا ہوں اور پڑھائی کو بھی بے دلی سے کر رہی ہوں کہ ابھی کتابوں میں دل لگ ہی کہاں رہا ہے۔ میں نے سنا ہوا ہے کہ محبت روشنی کی مانند ہے جو ہماری زندگی کو اندھیرے سے روشنی کی جانب لاتی ہے۔یہ محبت ہی ہے جو ہمیں زندگی میں کچھ کرکے دکھانے پر مجبور کرتی ہے۔محبت ہم سے وہ کچھ بعض اوقات کرواتی ہے جس کے بارے میں خواب وخیال میں بھی ہم نے سوچا نہیں ہوتا ہے۔ہماری زندگیوں میں سچی اور بے غرض محبت کی بڑی اہمیت ہے یہ علم کی مانند وہ دولت ہے جس کو ہم سے کوئی چرا نہیں سکتا ہے۔اور یہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ شدید سے شدید تر ہوتی چلی جاتی ہے۔اور بعض اوقات بہت زیادہ محبت کرنے والے حالات کی وجہ سے یا دیگر عوامل کی بناء پر ایک دوسرے سے محبت سے زیادہ نفرت کرنے لگتے ہیں۔بہرحال محبت کی دولت جس کے پاس ہوتی ہے اس کے لئے دنیاوی مال ودولت کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔اور اسی کے سہارے زندگی کو ہنسی خوشی گذارہ جاسکتا ہے کہ کوئی تو ہے جس سے ہمیں یا اسے ہم سے محبت رہی ہے۔اور میں بھی سلمان سکندر سے محبت رکھ کر اب شاید کچھ ایسی ہی سوچ کی حامل بن گئی ہوں۔مگر مجھے ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا ہے تو اس تحریر کے ذریعے آپ سے مشورہ لینا چاہ رہی ہوں کہ میں کیا

کروں، ہو سکتا ہے کہ آپ کا مشورہ میری زندگی میں مزید رنگ بھر سکتا ہے اس کے لئے
میں آپ کی منتظر رہوں گی۔

کٹی پتنگ

جب بھی دور آسمان پر مجھے ایک کٹی پتنگ ہوا کے دوش پر یہاں سے وہاں جاتی نظر آئی تو مجھے بھی اپنی زندگی میں بھی ایسی مماثلت نظر آتی ہے۔ وقت کے دھارے پر میری زندگی بھی دربدر کی ٹھوکریں کھاتی رہی ہے اور آج میں دوسروں سے متنفر ہو کر اپنی زندگی میں کھوئی ہوئی ہوں اور ہر پل سوچتی رہتی ہوں کہ آخر میرے ہی اپنوں نے کیوں ایسا گھناؤنا سلوک کیا ہے جس کی بدولت میری روح پر لگے زخم ابھی تک بھر سکے ہیں یوں لگتا ہے کہ میری زندگی انہی کی بدولت وقت سے پہلے ہی ختم ہو چلی ہے۔
میرا نام شفق ہے جب میں نے اپنا ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو ہمیشہ اپنی ماں کی محبت سے دور ہی دیکھا تھا۔ میری ماں کو پتا نہیں کیا مجھ سے خار تھی وہ دوسرے بہن بھائیوں کو تو بڑی چاہت سے کھانا کھلایا کرتی تھی مگر مجھے ہفتوں ، مہینوں میں کبھی کبھار ہی ایسا موقعہ ملا کرتا تھا جب میری ماں مجھے اپنے ہاتھوں سے کھلایا کرتی تھی اور میرے لئے عید کا وہ دن تھا ہوتا تھا جب میری ماں مجھے گلے لگایا کرتی تھی۔ میرے ابو کا تو غصہ بھی بہت شدید ہوا کرتا تھا میری ماں بھی ان سے ڈری رہا کرتی تھی۔ تو میں کہاں اُن کی الفت کی مستحق ہو

سکتی تھی۔اُنہی دنوں مجھے پتا نہیں کیوں ہوسٹل میں داخل کروا دیا گیا جہاں میں اپنی تعلیم حاصل کرنے لگی اور وہاں پر جب بھی کوئی موقعہ ہوتا کہ والدین میں سے کوئی آئے تو کبھی دونوں نہیں آسکے انکے پاس بہانہ ہوتا تھا کہ دیگر بہن بھائیوں کی دیکھ بھال اور دیگر مصروفیات کی وجہ سے اتنا وقت نہیں بچتا ہے کہ وہ میرے لئے ملنے آسکیں۔میرے لئے خوشی کا دن وہ ہوتا تھا جب والدین مجھے فون کرکے خیریت پوچھ لیا کرتے تھے۔

بہرحال دن پر دن گذرتے جارہے تھے اور میں نے اپنی تعلیم کا سلسلہ مکمل کرلیا اور پھر اس کے بعد وہ ہوا جس نے میری زندگی کو مزید دشوار ترین کردیا تھا۔ایک طرف میرا میرا دور کا کزن تاشفین تھا جو مجھ سے محبت کا دعویٰ دار تھا اور مجھ سے شادی کا خواہاں تھا۔ دوسری طرف میں خود بھی اسیر محبت ہوچکی تھی مگر ثقلین کی جانب سے کوئی مثبت جواب نہیں دیا گیا تھا مگر میں پھر بھی اپنی محبت میں مگن تھی کہ میرے لئے میری محبت کی اہمیت تھی اور میں تاشفین کے جذبات کو یکسر فراموش کر رہی تھی۔مگر میں نہیں جانتی تھی کہ وہ اپنی محبت کے حصول کے لئے کمینگی کی حد تک گر جائے گا۔ہم لوگ ایک رشتے دار کی شادی کے لئے اپنے شہر سے قریبی شہر تک گئے اور وہاں پر معلوم ہوا کہ تاشفین بھی آیا ہوا ہے۔ مجھے اپنے کپڑے تبدیل کرنے تھے کہ سب لوگ اب لڑکی والوں کے ہاں جانے لگے تھے۔ابھی میں سوچ ہی رہی تھی کہ کہاں جاؤں تو مجھے

تاشفین کی بہن نے کہا کہ ارے شفق ! تم اُس کمرے کی طرف چلی جاؤ وہاں کوئی نہیں ہے اور مجھ ایک کمرے کی جانب اشارہ کرکے کچن کی طرف چل دی کہ وہ کچھ برتن رکھنے جا رہی تھی۔

میں ابھی کمرے میں داخل ہوئی تھی اور تھوڑا اندر ہی داخل ہوئی تھی کہ پیچھے سے تاشفین آگیا اور اُس نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور مجھے کہنے لگا کہ مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کرو مگر میں نے جب اُس نے میرے ہاتھ کو پکڑنے کی کوشش کی تو زوردار تھپڑ لگا دیا اور جس نے ایکدم اس کے چہرے پر نشان چھوڑا دیا اور وہ اپنے آپے سے باہر ہوگیا اور اُس نے اپنی توہین کا بدلہ یوں لیا کہ میری عزت کو داغدار کر دیا وہ جو اپنے آپ کو بڑا محبت کرنے والے جتاتا تھا اُس نے ہی مجھے پورے خاندان میں منہ چھپانے پر مجبور کر دیا۔ ابھی اس نے جو کرنا تھا وہ کر دیا تھا ابھی میرے لئے اور بھی امتحان باقی تھے اُس کی نام نہاد محبت کے نشانات نے جب دروازہ بے تحاشا کھلا اور میرے والد نے مجھے اس حالت میں دیکھا تو پہلے جو میں روح پر لگے زخموں سے گھائل تھی ۔اُس پر میرے والد نے اپنے جلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے مزید جسمانی طور پر توڑ پھوڑ کر رکھ دیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مجھے ہسپتال تک لے جایا گیا اور میں جو پہلے ہی والدین کی ستم گری کا شکار تھی اب ایک نام نہاد محبت کے دعوٰی دار کی جانب سے اسکے انتقال کا بھی

نشانہ بن گئی تھی۔ دوسری طرف ثقلین نے بھی مجھے مایوس کیا ہوا تھا کہ اس نے بھی شادی کرلی ہوئی تھی اور میں نہ ادھر کی رہی تھی اور نہ ہی اُدھر کی رہی تھی۔ میں نے مرجانے کی اپنی سعی کر لی تھی مگر پھر بھی میں جان لیوا کوشش کے بعد بھی ہسپتال میں داخل ہو کر واپس گھر لوٹ آئی تھی کہ میری زندگی میں ابھی بہت کچھ ہونا باقی تھا۔

مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی ہے کہ جب ہمیں جنم دینے والے ہی ماں باپ ہم سے اس قدر بیزاری اختیار کرتے ہیں تو پھر ہم کو چاہنے کا دعویٰ کرنے والے کیا کچھ نہیں کریں گے۔ جب ہمیں اس قدر نا پسند کیا جاتا ہے تو ہماری پیدائش سے قبل یا بعد میں پیدا ہوتے ہی کیوں نہیں مار دیا جاتا ہے کیوں زندہ رکھ کر زندہ درگور کیا جاتا ہے۔ کیوں ہمارے والدین ہماری محبت کے راستے میں بسااوقات آجاتے ہیں اور اپنی من مانی کرواتے ہیں کیا وہ اپنے اختیارات کا غلط استعمال نہیں کرتے ہیں۔ اُس وقت جب وہ خود غلط کر رہے ہوتے ہیں تو اُن کو احساس کیوں نہیں ہوتا ہے کہ وہ زیادتی کر رہے ہیں۔ آخر ہماری ہی غلطی کی بڑی سنگین سزا کیوں نہیں دی جاتی ہے۔ محبت کا دعویٰ کرنے والا محبوب کیوں ہماری عزت و وقار کا دشمن ہو جاتا ہے بالخصوص اُسوقت جب اُس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم اس سے انسیت نہیں رکھتے ہیں تو کیوں وہ ہمارے لئے وبال جان بن جاتا ہے۔ یہ کیسی محبت ہے کہ ہم اپنے ہی محبوب کو دوسروں کے سامنے کرکے رسوا

کرواتے ہیں اور پھر بھی کہتے ہیں کہ ہم سے بڑھ کر کوئی اور چاہنے والا نہیں ہے۔ یہ محبت کی توہین نہیں ہے کہ آپ کو محبت کا جواب محبت سے نہ ملے تو کہیں آپ تیزاب سے چہرہ خراب کر دو، عزت کو داغدار کر دو۔ کوئی آپ سے محبت کا دعویٰ کرے اور آپ یہ جان کر بھی وہ بھی آپ اُکی مانند چاہت رکھتا ہے تو آپ پھر بھی اُس کی خوشی کی خاطر ایک ہونے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔ محبت کرنے والے تو سچے ہوتے ہیں تو اپنا رشتہ محبوب کے ہاں لے جاتے ہیں تاکہ ایک ہو سکیں مگر یہ کیسی محبت ہے کہ آپ اپنے ہی محبوب کو اُسکی نظروں میں اور خود محبوب کی نظر میں گر جاؤ۔

اب میں تنہائی کا شکار ہوں کیونکہ میرے والدین تو اس واقعے کے چند سال بعد انتقال کر گئے مگر میری زندگی باقی تھی تو میں تب سے آج تک اپنی زندگی میں درپیش مسائل کو جھیل رہی ہوں اور پتا نہیں کب تک سہتی رہوں گی۔ میرے ذہن پر ابھی تک وہ سانحہ چھایا ہوا ہے اور میں ابھی تک ذہنی طور پر پُرسکون نہیں ہو پائی ہوں اور نہ ہی کسی نے مجھے اس سے چھٹکارہ دلوانے کی کوشش کی ہے کہ سب تو اپنی اپنی زندگی میں مشغول ہیں آج کے دور میں کسی کو دوسرے کی فکر ہے ہی کہاں سب اپنے مفادات کی جنگ لڑ رہے ہیں اور میں اپنی زندگی کے حالات سے لڑ کر تھک سی رہی ہوں پتا نہیں کب کوئی مجھے میرے ماضی سمیت مجھے قبول کرے گا یا جان کر پھر اپنوں کی مانند مجھ سے دور ہو جائے گا۔ میں نے آپ بیتی کے

آغاز میں کہا تھا کہ میں کٹی پتنگ کی مانند ہوں جو وقت کے دھارے پر یہاں سے وہاں اُڑی چلی جا رہی ہے دعا کریں کہ میرے بھی زندگی میں سکون آجائے اور وہ اللہ وہ وقت دکھائے کہ میں اپنا ماضی یکسر فراموش کر کے اپنے حال اور مستقبل دونوں میں خوش رہ سکوں۔ آمین ثم آمین۔

چاہت بنی اک تماشہ

آج پھر میری مائرہ سے لڑائی ہوئی تھی اور ایسا ہمارے درمیان اکثر و بیشتر ہی ہوا کرتا تھا اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ہماری شادی ایک دھواں دار جنگ کے بعد ہوئی تھی۔مائرہ مجھ سے بے پناہ محبت رکھتی تھی مگر اُس نے ایک مرحلے پر اپنے والدین کو بھی اپنی محبت کے اظہار کے بارے میں کہ وہ مجھے پسند کرتی ہے اُس نے انکار ہی کر دیا تھا۔جس پر میں نے اپنی محبت کے حصول کے لئے تنہا ہی جنگ لڑلی تھی۔مگر اس دوران جو کچھ ہوا اُس نے میرے اور مائرہ کے بیچ میں ایک خلیج بنا ڈالی جس سے ہم محبت کرنے کے باوجود بھی ایک دوسرے سے دور دور رہتے تھے اور ذرا ذرا سی بات پر لڑ پڑتے تھے۔اور آج بھی لڑائی کے بعد سرد جنگ اُسی زمانے کی لگائی ہوئی آگ ہے جو بجھ نہیں پا رہی ہے۔ہم اگرچہ دوسروں کے سامنے تو خوش و خرم رہتے ہیں مگر جب بھی ہمارے درمیان ناراضگی ہوتی ہے تو ہم چہرے پر مسکراہٹ سجائے خاندان بھر کی تقریبات میں شرکت کرتے ہیں اور کسی کو اندازہ نہیں ہوتا ہے کہ ہمارے تعلقات کیسے ہیں کہ ہمارا اپنے معاملات کی ہوا کسی کو بھی نہیں لگنے دیتے ہیں۔ خیر میں آپ کو اپنی کہانی روایتی انداز میں نہیں سنا رہا ہوں ، میں اپنی سوچ بھی ساتھ ساتھ بیان کروں گا کہ کب میں نے کیا سوچ تھا اور کچھ معاملات

کے بارے میں میری رائے کیا ہے تاکہ آپ میری ذات کے حوالے سے کچھ غلط نہ سمجھ سکیں۔

میرا نام فرہاد حسن ہے آپ میری یہ کہانی کر بتائیں کہ جو کچھ مائرہ نے کیا وہ محبت ہی ہے یا کوئی اور جذبہ اس میں کارفرما ہے۔ بات کچھ یوں ہے کہ اُس کا چچازاد سلمان اُس پر مرمٹا، اس کی ایک وجہ تو یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ چونکہ اس کے گھر میں رہتی تھی۔ مائرہ اسے کم عمر اور کزن ہونے کی وجہ سے بات چیت کرلیا کرتی تھی۔ وہ نوجوان سا تھا۔ ابھی اٹھارہ سال کا بھی نہیں ہوا تھا مگر دوستوں کی غلط صحبت نے شاید اس کو اس راہ پر چلنے پر مجبور کر دیا تھا، جس پر اس کو عمر کے ایک خاص حصے میں آکر شرمساری ہونی تھی، شاید اگر ضمیر جاگتا تو ہوتی ۔یوں تو کسی کو بھی محسوس نہیں ہوتا ہے کہ وہ کچھ غلط کر رہا ہے۔ دن پر دن گذرتے گئے مگر مائرہ نے اس کو وہ اہمیت نہیں دی جو وہ چاہ رہا تھا۔ جس کی وجہ سے بعد ازں مائرہ کو سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا، جس میں کسی حد تک وہ خود بھی ذمہ داری تھی کہ ایسے واقعات جب رونما ہوتے ہیں تو عموماً لڑکیاں گھر والوں کے ڈر سے اپنی عزت یا کردار پر شک کی وجہ سے بتانے سے ڈرتی ہیں اور جب معاملہ حد سے گذرتا ہے اور پورے جہاں میں تماشہ ہوتا ہے تو پھر سوائے رسوائی کے اور کچھ بھی اُنکو حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اس میں چاہے وہ قصور وار ہوں یا نا ہوں جب حد سے معاملہ سے گذرتا ہے تو.راہ

راست انکی طرف انگلی اٹھتی ہے۔لہذا اس کہانی کے لکھوانے کا مقصد یہی ہے کہ جب کوئی بھی ایسا معاملہ ہو جس میں آپ کی مرضی شامل نہ ہو تو خصوصا ایسے معاملے میں والدین کو اعتماد میں لے کر مسئلہ حل کریں۔لڑکیاں نازک ہوتی ہیں ان پر کوئی بھی داغ لگے تو عمر بھر ساتھ رہتا ہے۔لڑکے کسی کے ساتھ کچھ بھی کریں،کتنے ہی لڑکیوں کو اُلو بنائیں مگر وہ پھر بھی عزت دار رہتے ہیں۔جبکہ لڑکیاں جس کو پسند نہ کرتی ہوں اور پھر بھی اس کو برداشت کریں تو سوائے دکھ،درد اور رسوائی کے کچھ بھی نہیں ملا کرتا ہے،جہاں وہ محبت رکھتی ہیں اور کوئی ان کی محبت کو نہیں سمجھتا ہے اور انکے جذبات سے کھیلتاہے وہ ایک دن ضرور خدا کی پکڑ میں آتا ہے۔دوسری طرف اگر لڑکیاں ایک بار جس کے ساتھ مخلص ہو جائیں اور دوسرا بھی عمر بھر ساتھ دینے کیلئے یعنی شادی کے لئے تیار ہو تو انکا لازمی ہاتھ تھام لیں کہ اسی میں انکی بہتری ہوتی ہے کہ اپنی من پسند جیون ساتھی کے ساتھ زندگی ہنسی خوشی گذاریں۔اسی لئے میں نے مائرہ کو اپنانے کے لئے جنگ لڑ لی تھی۔اس حوالے سے والدین کو بھی حقیقت جان کر بچوں کی خوشی میں شامل ہونا چاہیے نہ کہ انا کا مسئلہ بنا کر اپنی من مانی کرنی چاہیے۔پتا نہیں ہم لوگ اپنی اولاد بالخصوص لڑکیوں کو جینے کا حق کیوں نہیں دیتے ہیں جبکہ ہمارے دین میں اسکی بھرپور اجازت ہے۔مگر ہم اسلام کو اپنا مذہب قرار دینے والے سچا مسلمان کہنے والے کبھی بھی دین کی حقیقی تعلیمات پر عمل کرنے کی دل سے کوشش نہیں کرتے ہیں۔والدین اگر ٹھیک سے جان

پڑتال کرکے رشتے کے لئے حامی بھر دیں تو بہت سے بچے غلط طریقے کے مطابق ایک ہونے کا نا سوچیں اگرچہ ایسی باتیں تلخ ہیں مگر حقیقت یہی ہے کہ عمر بھر کے رشتے کے لئے پسندیدگی دو طرف سے ہو تو زندگی کا سفر مزید خوشگوار ہو جاتا ہے جیسا کہ آج میرا اور رمائرہ کا سفر جاری وساری ہے اگرچہ ہمارے درمیان تلخی ہوتی ہے مگر اسکے بنا بھی گذارہ نہیں ہے یوں پھر بے رنگ وکیف زندگی نے گذرنا تھا۔

مجھے فیس بک پر ایک اتفاقی حادثے نے مائرہ (فرضی نام) سے ملا دیا۔ فطرتاً شرمیلا ہونے کے باوجود اعتماد سے اس سے بات چیت ہوئی بہت سے چیزیں ہماری مشترکہ تھیں۔ اگرچہ ہمارا پہلا رابطہ ایک حسن اتفاق تھا مگر وہ پہلا پتھر جو پانی میں گرا تھا اس نے جو ہلچل مچائی تھی اس نے دوبارہ رابطہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ اور اسکے بعد ہمارا کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ جب بھی ہم اپنی اپنی مصروفیات سے Facebook Chatting فارغ ہوتے ہماری بات چیت موبائل فون پر ایس ایم ایس یا کال اور فیس بک چیٹ کے ذریعے سے ہوتی اور ہم روز بروز ایک دوسرے کے قریب سے قریب تر ہونے لگے۔ پتا نہیں ہمیں اس کیا ہوا تھا کہ اک پل کی دوری بھی عذاب لگ رہی ہوتی تھی۔ میرے انداز گفتگو اور کردار سے وہ متاثر ہوئی تھی اور اسکی زندگی میں کچھ ایسے طوفان آئے ہوئے تھے کہ وہ خود بھی اپنے آپ پر قابو نہ رکھ پائی تھی اور ایک سہارا جب اسے ملا تو اس نے اپنا

سب کچھ مجھے مان لیا۔ میں تو رفتہ رفتہ اُس پر فدا ہو ہی گیا تھا اور اپنی چاہت کا اظہار کرنے میں دیر تک نہیں لگائی تھی۔ میرے والد صاحب کی انہی دنوں میں وفات ہو گئی تھی اور میں ٹوٹ سا گیا تھا انھوں نے ساری عمر ہمیں شرافت اور دیانت داری کا ہی درس دیا تھا۔ یہ ایسا حادثہ تھا جس نے مائرہ کو بھی رونے پر مجبور کر دیا تھا۔ اُس نے مجھے سلمان کے ہی نمبر سے کال کی کوشش کی تھی جب میں نے اُس کے نمبر سے کال نہیں سن سکا تھا کہ میں آخری رسومات کی کاروائی میں مصروف تھا۔ سلمان کے پاس میرا رابطہ نمبر آ گیا تھا، مجھے اس بات کا علم تب نہیں ہو سکا تھا اور جب علم ہوا تو پھر کافی دیر ہو چکی تھی ۔اس کے دل میں شکوک و شبہات مائرہ کے حوالے سے جنم لے چکے تھے۔ مائرہ مجھے اپنے گھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں بتا کر اپنے بھرپور اعتماد کا اظہار کر رہی تھی ۔انہی باتوں کا سہارا ہی لے کر میں نے بعد میں جنگ لڑی تھی اگرچہ مجھے شرمساری ہوتی تھی مگر ''محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے'' سنا اور پڑھا ہوا تھا تو اس پر نا چاہتے ہوئے بھی عمل کر ڈالا تھا کہ مائرہ سے دلی وابستگی عروج پر پہنچ رہی تھی۔ میرے والد صاحب کے غم کو مائرہ نے اپنی جانب سے بے پناہ پیار دے کر کمی لانے کی کوشش کی تھی کہ میں خوش رہ سکوں اور ہر پل وہ میری خیریت دریافت کیا کرتی تھی۔
میرے سر پر بھی محبت سوار ہو گئی تھی اور مجھے مائرہ کے بنا ایک پل بھی چین

نہیں آتا تھا اور جب وہ بنا بتائے دوری کرتی تھی تو میں ذہنی طور پر پریشان سا ہو جاتا تھا اور فوراً سے اُس کے پیچھے خیریت دریافت کرنے لگا تھا کہ کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے۔ عشق کا بھوت میرے سر پر سوار سا ہو گیا تھا اور جیسے آج کل محبت کا بھوت نوجوان نسل کے سر پر سوار ہو چکا ہے اور جس نے بھی جو بھی کچھ بُرا کرنا ہو اس کا نام لے کر رہا ہے اور یوں محبت کی توہین کے مرتکب ہماری نوجوان نسل ہو رہی ہے اور اس کو اس بات کا اندازہ بھی نہیں ہو رہا ہے۔ سلمان کا شمار بھی انہی میں ہوتا تھا اور شاید آپ لوگ بھی مجھے کچھ ایسا ہی کہیں گے۔ میں نے بھی اپنے محبت کو بدنام کروا کر اُس کی باتیں ظاہر کر کے اُس کے حصول کی جنگ لڑی تھی اور یہ کوئی چھوٹا جرم نہیں تھا۔ حالانکہ مائرہ مجھ سے بے پناہ محبت کا دعوی کرتی تھی اور میں بھی اس حقیقت سے واقف تھا مگر میں چونکہ اُن دنوں بے حد تناؤ کا شکار ہو گیا تھا تو کچھ اُلٹا سیدھا کر گیا تھا۔ بہرحال محبت تو اپنے محبوب کی خوشی کا خیال رکھنے کا نام ہے اور سب کچھ بنا صلہ کے اس کے لئے کیا جاتا ہے۔ مگر آج کے نوجوان اس بارے میں کچھ سوچنا ہی گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں۔ محبت کرنے والے ہی اس جذبے کی شدت سے اس وقت تک ہی بے خبر رہتے ہیں جب تک ایک خاص موڑ انکی محبت میں جنم نہیں لیتا ہے اور تب ہی کسی کے ساتھ ہمارے تعلقات کے گہرے ہونے کا پتا چلتا ہے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ جدائی ہو تو ہی پتا چلتا ہے کہ ہم کس سے کس قدر محبت کرتے ہیں۔ ایسا ہی میرے اور مائرہ کے درمیان دو بار ہوا

ہے اور ہمیں بہت سہنے کو اور سمجھنے کو ملا ہے۔مائرہ کے ساتھ روز و شب دن رات باتیں کرکے ہی گذر رہے تھے، میرے دل میں کوئی خدشہ نہیں تھا کہ کبھی ہمارے درمیان دوری بھی ہوگی یا کوئی بیچ میں آئے گا۔لیکن سلمان ہمارے درمیان آچکا تھا اور اسکی براہ راست ذمہ داری مائرہ پر عائد ہوتی تھی کیونکہ اُس نے جذباتی طور پر پاگل پن کا شکار ہو کر سلمان کے موبائل سے کوشش کر لی تھی وہ صبر کرتی تو مجھ سے اپنے بھی نمبر سے بات کر سکتی تھی مگر اب جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔سلمان مجھے اپنے راستے کا پتھر سمجھ رہا تھا۔اُس نے مجھے پہلے خود سے سمجھانے کی کوشش کر لی تھی مگر میں بھی ضد پر ہٹ دھرمی پر آگیا تھا کہ جب مائرہ مجھے پیار کرتی ہے تو میں کیوں سلمان کے راستے سے ہٹ جاؤں۔

مجھے بسا اوقات مائرہ کا اپنے ساتھ کا رویہ بھی عجیب سا لگتا تھا مگر یہ ہم پر منحصر ہوتا ہے کہ اپنے محبوب سے کس طرح کا رویہ رکھتے ہیں یا کوئی ہم سے کیسا تعلق رکھنا چاہ رہا ہے۔بہت بار ایسا ہوتا ہے کہ ہم سے کوئی محبت کا دعویٰ کرتا ہے مگر درحقیقت میں محض دل لگی کرنا چاہ رہا ہوتا ہے اور ہمیں یوں ظاہر کرتا ہے جیسے وہ بے پناہ پیار کرتا ہے اور ہم اسکی باتوں میں آجاتے ہیں اور پھر وہ ایسے ایسے بہانے تراشتا،ادائیں دکھاتا ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اس بڑھ کر کوئی چاہنے والا ہو ہی نہیں سکتا ہے مگر پھر رفتہ

رفتہ وہ ہمیں اپنے جال میں لیتا ہے اور اپنے مذہوم مقاصد کی تکمیل کی طرف جاتا ہے جو وقت بتاتا ہے کہ محض محبت کو بدنام کرنے کے لئے اور اپنی ہوس پوری کرنے کیلئے اختیار کئے جاتے ہیں۔آپ نے اکثر اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ ہوس کے پجاری نے محبت کے نام پر لڑکیوں کی عزت کو داغ دار کر دیا ہے۔اس معاملے میں لڑکی کبھی بھی بے قصور نہیں ہو سکتی ہے وہی مائرہ کی طرح کچھ ڈھیل دے تو ہی سلمان جیسے گندی سوچ کے لوگ اس کی عزت کو نیلام کرواتے ہیں اور اکثرایسا ہمارے گھروں میں ہوتا ہے مگر یہاں سب ہی گھر کے بڑے سے بات چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہیں کوئی بیوی شوہر کی طرف سے توجہ نہ ملنے کی وجہ سے کسی اور کے ساتھ راہ رسم بڑھا رہی ہوتی ہے اور کہیں من پسند زندگی نہ گذارنے کی آزادی نہ دینے پر لڑکے اور لڑکیاں غلط راہ پر چل پڑتی ہیں۔مجھے مائرہ نے کئی دفعہ بتایا تھا کہ اُس کی یونیورسٹی کی لڑکیاں کس طرح بن سنور کر آتی ہیں اور پڑھائی سے زیادہ کن مشاغل میں مصروف عمل ہوتی ہیں۔ والدین کی ناک کے نیچے بہت کچھ ہوتا رہتا ہے مگر وہ اپنے ہی کاموں میں مصروف رہتے ہیں اور جب سرپانی سے اوپر ہوتا ہے تواُن کو خبر ہوتی ہے۔

دوسری طرف یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص (لڑکے ہو یا لڑکی) کو محبت ،جس کو ہم محبت ہی کہیں گے وہ محبت نہیں جو دل لگی کو نام دے کر کی جاتی ہے، ہو جاتی ہے تو دوسرا اس کو گھاس نہیں ڈالتا ہے اور وہ کبھی اپنا محبت بیان کرکے یا

ان کہی رکھ کر محبت کا بھرم رکھتا ہے اور ایسے لوگ ہی جو محبوب کو ہی مقدس جانتے ہیں۔انکی خوشی کا خیال رکھتے ہیں وہی سچا پیار کرتے ہیں۔میں مائرہ سے محبت رکھتا تھا تو شادی کے لئے بھی اُسے بارہا مرتبہ کہہ چکا تھا اور وہ بھی رضامند سی تھی مگر والدین کی جانب سے فکرمندی کا شکار ضرور ہو جاتی تھی کہ کیا پتا وہ کیا کہتے ہیں۔سوچنے کی بات یہ ہے محبت کرنے والے کیوں ایک دوسرے کے زندگی بھر کے ساتھی نہیں بن سکتے ہیں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ والدین انکا ساتھ دیں وگرنہ انکو بھاگ کر ایک ہونا پڑتا ہے جو کہ اگرچہ ایک غلط اقدام ہے مگر کوئی صورت نہ بننے کی وجہ سے اٹھایا جاتاہے۔ تبھی غیرت کے نام پر قتل کی خبریں بھی اخبارات کی زینت بنتی ہیں اب اگر دیکھا جائے تو ایسے لوگ جو غیرت کے نام پر اپنی بہن یا اُسکے محبوب کو قتل کرتے ہیں وہ خود کہاں غیرت رکھتے ہیں۔اگر ایسا ہوتا تو وہ دین کے احکامات کے مطابق اُنکو جو اسلامی تعلیمات کے مطابق جائز طور پر ایک دوسرے کیساتھ بندھن میں بندھ جاتے ہیں کو قتل نہ کریں۔جب والدین بچوں کی پسند کی بجائے اپنے ہی خاندان والوں کو ترجیح دیں اور شرافت وایمانداری کی بجائے اپنی ضد پوری کرنے کے لئے بچوں کی زندگیوں کو داؤپر لگانے کی کوشش کریں تو بہت سے نوجوان لڑکے لڑکیاں گھر سے بھاگ کر کورٹ میرج کرتے ہیں اور دو گھرانوں کی بدنامی کا سبب بنتے ہیں۔حالانکہ ہمارے دین کی اس حوالے سے واضح احکامات ہیں کہ بچوں کی پسند کے بعد انکی شادیاں کر دی جائیں۔مگرآجکل کے دور میں

باپ کو اپنے بھائی کے ہاں اور ماں کو اپنی بہن سے بڑھ کر اور کوئی عزیز تر نہیں ہوتا ہے۔اور وہ اپنی من مانی کرواتے ہیں اور بہت بار ایسا کرنے والوں کا ساتھ کچھ دیر کا ہوتا ہے جیسے والدین کے بنائے ہوئے رشتے بھی کبھی کبھار ٹوٹ جاتے ہیں۔ مگر بہت سے جوڑوں کی ازدواجی زندگی کامیاب بھی رہتی ہے اگر وہ بہت سوچ سمجھ کر زندگی بھر کے ساتھ کیلئے جیون ساتھی منتخب کیا جائے تو زندگی جنت بن جاتی ہے۔والدین نے بچوں کی شادیاں کہیں نہ کہیں تو کرنی ہوتی ہیں تو انکی پسند کو مدنظر کیوں نہیں رکھا جاتا ہے ۔بچوں کے بدلتے اطوار سے انکے بارے میں کچھ جاننا مشکل نہیں ہوتا ہے مگر بعض اوقات خاندان میں شادی کرنا، پیسہ ،شرافت اور محبت و غریبی پر غالب آ جاتا ہے ۔یہاں خصوصاً مائیں اپنی بیٹیوں کی پسند کو بآسانی جان سکتی ہیں کہ وہ اکثر ماؤں کے زیادہ قریب ہوتی ہیں اور وہ اُنکے دلی پسند کے مطابق جیون ساتھی کا انتخاب کر سکتی ہیں۔ مگر مائرہ کی والدہ کو جس دن ہماری محبت کا علم ہوا تھا وہ ہمارے درمیان دوری پیدا بلاوجہ کرنے آ گئی تھی حالانکہ وہ جان چکی تھی کہ ہمارے درمیان تعلق ہے۔ مگر وہ سلمان کے بھائی کے ساتھ رشتے کا شاید سوچے ہوئے تھی یا پھر مائرہ کی غلطی بیان کہ'' وہ مجھے نہیں جانتی ہے'' نے معاملات کچھ خراب تر کر دیئے تھے۔مائرہ نے ایک دفعہ مذاق میں کہا تھا کہ ہم کورٹ میرج کر لیتے ہیں مگر میں نے کہا تھا کہ نہیں ہم والدین کو راضی کر کے شادی کریں گے۔

سلمان کے بارے میں تھوڑا آپ کو بتاتا چلوں کہ وہ گھر میں زیادہ والد صاحب کی سختی کی وجہ سے اور زیادہ روک ٹوک ہونے کی وجہ سے بگڑ سا گیا تھا۔اسکے والد چونکہ اپنی ہی نوکری کے معاملے میں مصروف رہتے تھے تو اسکے بارے میں زیادہ تر اُسکی والدہ ہی حمایت میں بولا کرتی تھی تو وہ آہستہ آہستہ انکی نرمی کی وجہ سے آوارہ لڑکوں میں اُٹھنے بیٹھنے لگ گیا تھا۔ سلمان کو اُس کے والد نے اپنے ہی کالج میں داخلہ دلوایا تھا مگر چراغ تلے اندھیرے کی مانند اُس کی تعلیمی کارکردگی کی وجہ سے انہوں نے دوسرے تعلیمی ادارے میں داخل کروا دیا تھا۔ مگر انکا یہ عمل اُن کی لاعملی کی بدولت انکے کے لئے بعد اذاں سنگین مسائل کھڑے کر گیا تھا۔ سلمان نے اپنی عمر سے زیادہ لڑکوں سے دوستی شروع کر لی تھی اور وہ گھر تک آنے لگے تھے مگر اس بارے میں اسکی والدہ نے کوئی بھی بات اسکے والد کو بتانا مناسب نہیں سمجھی تھی ۔وہ جانتی تھیں کہ اگر انہوں نے ایسا کر دیا تو پھر سلمان کا رویہ اور زیادہ ہی خراب ہو جائے گا۔اُس کے ہاتھوں سے بھی نکل جانے کا ڈر تھا۔ سلمان کی بہن اسکے بارے میں اس حد تک جان چکی تھی کہ بھائی غلط صحبت کا شکار ہو چکا ہے مگر اس نے بھی اس معاملے میں چپ سادھ لی تھی۔ سلمان مائرہ کو تنگ کرتا تھا اس حوالے سے وہ بھائی کو سمجھا تو سکتی تھی مگر وہ اپنی ضد پر ڈٹا ہوا تھا اور وہ کچھ کر ہی نہیں سکتی رہی تھی کہ باپ تک بات پہنچ جاتی تو وہ اُسے شاید گھر سے ہی

باہر نکال دیتے۔ وہ رفتہ رفتہ مائرہ کے معاملے میں سنجیدہ ہوتا جا رہا تھا اور مائرہ اپنی طرف سے جو کچھ کر سکتی تھی وہ کر رہی تھی کہ وہ اُس سے دور رہے مگر وہ بھی ڈھیٹ تھا اپنی محبت جتانے کی فکر میں گھلا رہتا تھا اور رہی سہی کسر اُس کے دوستوں نے پوری کر دی تھی اور اُس نے چوری چکاری جیسے کام بھی شروع کر لیے تھے اور مائرہ کے لئے تو وہ پڑھائی سے زیادہ وقت دینا شروع ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ تعلیمی میدان میں کچھ کمزور سا پڑتا جا رہا تھا۔

بہر حال ہوا کچھ یوں تھا کہ سلمان کو کسی طرح پتا چل گیا کہ مائرہ مجھے بے پناہ چاہتی تو وہ دوستوں کے کہنے پر یا از خود جذبہ رقابت میں آ گیا اور مائرہ کو جان سے مارنے، میری ٹانگیں توڑنے کی باتیں کرنے لگا اور مائرہ نے یہ سب باتیں مجھے بتا دیں تا کہ ہوشیار رہوں۔ جب مجھے ایک فیس بک پر لڑکی کے نام کی آئی ڈی نے ایڈ کیا، اور میں نے اسکی تفصیلات دیکھی تو وہ سلمان کے فرینڈز میں سے تھی تو میں نے سوچا کہ سلمان کو اب مزا چکھانے کا موقع ملا ہے، میں نے سلمان کی لڑکی والی آئی ڈی پر یوں باتیں شروع کر دیں کہ جیسے سچ میں اسے لڑکی سمجھا ہے جب کہ میں نے معلوم کر لیا تھا کہ یہ جعلی آئی ڈی سلمان کی ہی ہے۔ میں نے کچھ ایسی باتیں دیکھ لیں تھی جس نے اس کو یہ سچ ثابت کر وا دیا کہ وہ لڑکی نہیں ہے اور اسکے بعد کہانی آسان سی ہے کہ میرا اور

سلمان کا آپس میں فون پر ایس ایم ایس رابطہ ہوا اور یہ پتا چلا کہ سم تو سلمان کے اپنے نام پر ہے۔ یہاں پر بھی میں نے ایسی ویسی گھٹیا باتیں کی ،تاکہ پتا چل سکے کہ لڑکی بھی ہے یا نہیں ،تب اسکے ایس ایم ایس کے جوابات نے واضح کیا کہ وہ لڑکا ہی ہے اور سلمان ہی ہے۔ سلمان ہی تھا کیونکہ سم جو اسکے نام رجسٹرڈ تھی۔ تب ہی سلمان نے جو کہ فیس بک آئی ڈی پر فوزیہ آفرین بنا ہوا تھا، مجھ سے ملنے کا کہا اور میں چونکہ اُس سے واقف ہوچکا تھا اور سوچ لیا تھا کہ مائرہ کو اب سلمان کے چکر سے نکلوانا ہے یا پھر اسے سمجھانا ہے۔ مجھے اُس نے جہاں بلوایا تھا وہاں وہ تنہا نہیں تھا۔ میں جو اُسے بات کرنے گیا تھا مگر وہاں جاتے ہی سلمان کے پانچ چھے دوست آ گئے اور انہوں نے مارپیٹ شروع کر دی اور میں نے جلدی بچاؤ کے لئے قسمیں کھا لی، اور دل میں سوچا کہ یہ فوزیہ آفرین بڑی مہنگی پڑ سکتی ہے تو بول دیا کہ رابطہ اُس سے نہیں کروں گا، کہ انہوں نے کہا تھ اکہ گھر کے نمبر پر تنگ کرتے ہو، خیر انہوں نےمیرا ا موبائل فون لیا، بٹوہ لیا اور پھر مجھے جانے دیا۔ میں بھرے پرے ایک تفریحی پارک میں اپنی عزت گنوا کر واپس گھر چل پڑا وہ کہتے ہیں نا ''عاشقی میں عزت سادات بھی جاتی ہے'' تو کچھ میرا بھی یہی حال ہوا تھا کہ پہلی دفعہ اپنی محبت پر فخر سا ہوا تھا۔

دوسری طرف پھر سلمان نےمیرے تمام ایس ایم ایس مائرہ کو کر دیئے کہ دیکھو تم

کیسے شخص سے محبت کرتی ہو، تم ایسی ہو کہ اس کے ساتھ ایسی ایسی باتیں کی ہوئی ہیں۔ دوسری طرف مجھسے مائرہ اس بات پر ناراض ہوئی تھی کہ میں نے اس کو سلمان عرف فوزیہ آفرین سے ملنے کا نہیں بتایا تھا اور کیوں اس سے ملنے گیا تھا۔ اس کے بعد ہمارا ایک ماہ تک رابطہ نہیں رہا اور پھر رابطہ ہوا تو ایک دوسرے کے لئے الفت زیادہ ہو چکی تھی کہ جدائی کے لمحات اکثر محبت زیادہ ہی کیا کرتے ہیں۔ لیکن مائرہ یہ بات آج تک نہیں سمجھ سکی ہے کہ آپ کو کوئی آپکی محبت دینے کو تیار ہو تو پھر اسے ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے کہ آج ہم نے کسی کی محبت کو ٹھکرا دیا تو پھر ساری عمر ایک کسک سی دل میں باقی رہے گی کہ کاش ہم ایسا نہ کرتے ،کاش ہم اُس پا لیتے ،اس ساری عمر کی جلن سے بہتر ہے کہ آپ محبت پالیں اگر کوئی آپ کو دے رہا ہے۔ مائرہ نے اس واقعے کے بارے میں بہت دفعہ کہنے کے باوجود بھی گھر میں نہیں بتایا تھا کہ اُسے پتا تھا کہ ایسا کرنے سے جھگڑا ہوگا اور خاندان بھر کی سبکی وہ برداشت نہیں کر سکتی ہے بہر حال میں اس بات پر چپ سا ہو گیا تھا۔ میرے ایس ایم ایس ہی میرا گناہ تھا میں نے اپنے محبوب کی نشانی سمجھ کر اُسے موبائل فون میں محفوظ رکھا تھا مگر مائرہ کو تکلیف بھی اُسی سے ہوئی تھی کہ سلمان کے دوستوں نے اُسے تنگ کر کر کے جینا حرام کر دیا تھا مگر مائرہ نے پھر بھی سلمان کے حوالے سے گھر میں بتانا مناسب نہیں سمجھا تھا کہ یوں فساد کھڑا ہونا تھا۔ اُس نے بہتری اسی میں سمجھی کہ وہ اپنے نمبر ہی بدل لے مگر یہ مسئلے کا

تو حل ہی نہیں تھا وہ اپنے آپ کو عقل مند ظاہر کرکے اپنی منطق کے مطابق فیصلے کرنا چاہ رہی تھی اور میری کسی بھی دلائل پر مبنی بات کو رد کر دیتی تھی لیکن اُسکے ساتھ ہو تو وہی رہا تھا جس کے بارے میں میں نے اُس پہلے ہی پیشگوئی کر دی تھی۔دوسری طرف سلمان کو بھی یہ احساس نہیں ہوا کہ جس طرح سے وہ مائرہ کو اپنے دوستوں میں بدنام کروا رہا ہے کل کو اُس کی اپنی بہن کو بھی کوئی تنگ کر سکتا ہے۔

اس سے قبل ہماری کبھی براہ راست ملاقات نہیں ہوئی تھی مگر سلمان کے اس جارحانہ رویئے کی وجہ سے مائرہ کے دل میں میرے لئے اور زیادہ محبت جاگ اٹھی تھی اور اُس نے پہلی مرتبہ مجھے ملنے کو کہا۔اگرچہ مجھے ایسی بات ذاتی طور پر پسند نہیں تھی کہ یوں کسی لڑکی کے ساتھ ملو، مگر میرا دل بھی چاہ رہا تھا تو ہم پھر ایک پارک میں ملے ،ایک دوسرے کو دیکھا اور اپنی محبت کا ازسرنو اظہار کر لیا۔مائرہ نے پہلے تو شرم کی اور نہیں جواب میں کہا مگر جب میں واپسی کے لئے مڑا تھا تو وہ بھاگتی ہوئی آئی اور ''آئی لو یو'' کہہ دیا اور اُس کے چہرے پر شرم وحیا کے ساتھ جو ہنسی تھی وہ آج تک میرے لئے یادگار لمحہ ہے۔اس کے بعد بھی ہم ملے مگر اُس پہلی ملاقات کا نقش آج بھی دل پر ثبت ہے۔ہماری روز بروز بات ہو رہی تھی۔اور ہم ایک دوسرے کے لئے اپنی طرف سے اپنی چاہت کا اظہار کر رہے تھے۔ایک دن میں نے کہا'' مجھے تم سے شادی کرنی

ہے'' تومائرہ کہتی ہے کہ میں بہت کمزور سی لڑکی ہوں،اپنے گھروالوں کی عزت کی پروا ہے۔ وہ کیا سوچیں گے کہ یہ خود اپنی شادی کیلئے ہلکان ہو رہی ہے۔ میرے گھروالوں کی بدنامی ہوگی میں انکی نظروں میں گھرجاؤں گی۔اپنے تمام بہن بھائیوں کا سامنا نہیں کر پاؤں گی۔اسی طرح کی بہت سی باتیں ہمارے درمیان اظہار محبت کے بعد اکثر ہوتی رہیں اور تین دفعہ وقتی علیحدگی بھی ہوئی۔ محبت میں طاقت ہوتی ہے وہ پھر اپنا اثر دکھاتی ہے اور یوں دونوں پھرہر بار پاس آ گئے۔مائرہ ایک خواتین کی یونیورسٹی کی طالبہ تھی۔مائرہ باشعور تھی اُسے اگرچہ اچھے برےُ کی تمیز تھی مگراس بات سے واقفیت نہیں رکھتی تھی یا نظرانداز کرتی تھی کہ محبت میں محبوت کی قربت ہی سب کچھ ہوتی ہے اوراس کے سہارے ہی زندگی حسین تر ہو جاتی ہے۔جب محبت کا اظہار ہو چکا تھا اور ہم دونوں ایک ہونا چاہ رہے تھے تو اس کے لئے بہترین طریقہ کار یہی تھا کہ میں اُ کے ہاں رشتہ لے جاتا مگر وہ چاہتے ہوئے بھی نہ تو ہاں کر پا رہی تھی اور نہ ہی نہیں کر رہی تھی اس کے تذبذب کو دیکھتے ہوئے میں نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ جس دن بھی مجھے موقعہ ملامیں اس کی خوشی کے لئے ہر ممکن کوشش کروں گا۔

مائرہ کی سمسٹر امتحانات کے بعد چھٹیاں ہوئی اور وہ گھر گئی۔اُس کے علم میں آچکا تھا کہ اسکے اورسلمان کے حوالے سے بات خاندان میں ہونے لگی ہے اور

وہ وہاں بہت زیادہ دباؤ کا شکار ہو گئی اور اُس نے اچانک مجھ سے رابطہ ختم کر لیا۔ میرا جو حال ہونا تھا وہ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کیا ہوا ہوگا۔ میں نے غصے میں آکر اسکی بہن کو فیس بک پر ساری بات بتا دی کہ ہم ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں اور شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اُس کا جواب مجھے اگلے دن ملا کہ میں اسکے پیچھے نہ آؤں۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا ہمارا تعلق دو سال سے تھا اور مجھے لگا کہ اُس نے شاید اپنے گھر والوں کو اپنی چاہت کا بتا دیا ہے تو انہوں نے سختی کرکے دور رہنے کا کہا ہے۔ یا پھر مائرہ نے ہی مجھ سے محض اس وجہ سے کہ اُس کے گھر والوں تک اُسکی چاہت کا علم نہ ہو جائے تو ان کی بے عزتی ہوگی۔ مائرہ کو یہ بات بھولی ہوئی تھی کہ ہم اُس کی یونیورسٹی سے اکثر کہیں نہ کہیں جاتے تھے تب اُس کو اپنی بدنامی کا ڈر نہیں ہوا کرتا تھا۔ یوں بھی وہ ہوسٹل میں رہا کرتی تھی اور اُس کے والدین نے اُس پر اعتماد کرتے ہوئے کہ وہ روز یونیورسٹی تک آنے کے لئے جلدی صبح سویرے اُٹھا کرتی تھی اور واپسی میں دیر ہو جانے کی وجہ سے تھکاوٹ کا شکار ہو جاتی تھی۔ یوں پڑھائی متاثر ہو رہی تھی تو وہ ہوسٹل میں آکر رہنے لگی تھی جس کی وجہ سے ہمارا بھی ملنا جلنا آسان ہو گیا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ مائرہ نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے تو میں نے بڑا قدم اُٹھاتے ہوئے شادی کے لئے رشتہ لے کر اُس کے گھر تک چلا گیا تھا اور وہاں جانے کے بعد اُسکی والدہ نے ساری بات سن کر بھی انکار نہیں کیا اور ہم واپس آ گئے۔ کچھ دنوں کے انتظار کے بعد میں نے پھر سے

وہاں گئے مگر پھر اُس کی والدہ نے کوئی حتمی جواب نہیں دیا اور ہم لوگ واپس آ گئے
۔میں دوسری طرف مائرہ سے بات کی بھرپور کوشش کر رہا تھا کہ وہ مجھ سے کر لے
مگر وہ مسلسل روٹھی ہوئی تھی اور بات کرنے سے انکاری ہو گئی تھی۔میں نے دوسری
طرف اُسکی بہن کو پھر سے پیغام ارسال کر دیا تھا کہ مائرہ کو کہو کہ مجھ سے رابطہ کر لے
مگر اُس نے بھی مثبت جواب نہیں دیا تھا۔اور اُسکی یونیورسٹی دوست رقیہ نے بھی میری
مدد کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ مائرہ نے اُسے کہہ دیا تھا کہ وہ اس معاملے میں مت
آئے ورنہ ہماری دوست ختم ہو سکتی تھی۔

دوسری طرف میرا سکھ چین لٹ چکا تھا میں ذہنی طور پر پریشان ہو چکا تھا مگر مائرہ کی
پھر بھی اس قدر بے رُخی کے بعد بھی میری جی اُسی کی یادوں سے ہی بہلتا تھا۔اُس کے
رابطہ ختم ہو جانے کے احساس کے فورا بعد ہی میں بتانا بھول گیا کہ میں نے بہت سالوں
بعد اپنے رب کو شدت سے یاد کیا۔اور اُس دن پہلی مرتبہ زندگی میں خوب رویا
تھا۔اور اُسی دن سے میرا دل پرسکون ہو گیا تھا کہ میرے رب کا وعدہ ہے کہ جو کسی کے
لئے بُرا نہیں کرتا ہے اُس کے ساتھ کوئی غلط نہیں کر سکتا ہے۔مجھے اُس دن ہی یہ
احساس ہو گیا تھا کہ اگر میرا اللہ سے تعلق قائم ہو گیا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت بھی مائرہ
کو دور نہیں کر سکتی ہے۔میں باقاعدگی سے نماز ادا کرنے لگا تھا اور اپنی سوچ کو اللہ

کے حکم کے تابع کر لی۔اللہ ہی انسان کو وہ عطا کرتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اس بارے میں تو واضح طور پر بیان ہوا ہے۔ہم انسان تو اپنی مرضی سے کچھ بھی تو نہیں چاہ سکتے ہیں اور ہر کام میں اللہ کی مصلحت ہوتی ہے۔ابھی اسی بات کو دیکھ لیں کہ میں فطری طور پر بزدل سا انسان تھا مگر اللہ پر اعتماد نے اور ماہرہ کے اس طرح کے رویئے نے مجھے اس قدر مضبوط کر دیا تھا کہ میں نے مائرہ کے ابو سے ایک دن خود بات کر لی اُس دن وہ کسی ضروری دفتری کاروائی میں مصروف تھے تو زیادہ بات نہیں ہو سکی تھی مگر بعدازں میں نے اُن پر واضح کر دیا تھا کہ ہم ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔اگرچہ انہوں نے اُس وقت تو اپنا ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا مگر میں بخوبی جانتا تھا کہ اب کیا طوفان آنے والا ہے۔سلمان کے دوستوں میں سے کسی کے دفتر آنے کی اطلاع مجھے میرے انچارج سے ملی تو میں ذہنی دباؤ کا شکار ہو گیا کہ وہ مجھے قتل ہی نہ کرا دیں تو میں نے ایک ہفتے کی چھٹی لے لی تا کہ پُرسکون رہ سکوں۔اگرچہ بعدازں یہ معلوم ہوا کہ وہ کسی اور شخص کی تلاش میں آئے تھے ،سلمان کے دوستوں کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکتی تھی۔لیکن ایسا ہونا بھی میرے لئے فائدہ مند ثابت ہوا تھا کہ میرا تعلق اللہ سے اور مضبوط ہو گیا تھا کہ میں نے اللہ پر سب کچھ چھوڑ دیا تھا کہ وہی ذات ہی میرے معاملات کو حل کروالے گی۔

دوسری طرف جب یہ بات ماہرہ کی گھر تک آئی تو خوب تماشہ ہوا ایک طرف مائرہ

بضد تھی کہ وہ مجھے نہیں جانتی ہے۔مائرہ نے اس حوالے سے قسمیں تک اُٹھالیں تھی مگر تمام تر حقائق اس کی بات کو غلط ثابت کر رہے تھے۔دوسری طرف مائرہ کی والدہ بھی اپنے جانب سے کوشش کرچکی تھی کہ بیٹی کے کردار کے اُوپر لگے الزام کو دھوسکے مگر ایسا ہونا ممکن نہیں تھا کہ میں نے مضبود دلائل سے اپنا مقدمہ لڑا تھا۔اور میں نے اس حوالے سے اللہ کے حضور رو کر منتیں کرکے دعائیں مانگی تھیں کہ اے خدا میرے مالک ! تو میرے دل کی نیت کو جانتا ہے، میری مدد فرمانا کہ میں تیری وساطت سے اپنی محبت کا حصول چاہ رہا ہوں۔مائرہ کے والدنے بہت بری طرح سے مائرہ کی والدہ کو سنایا تھا۔جنہوں نے اس معاملے میں کچھ نا اہلی کا مظاہرہ کیا تھااور مائرہ پر پہلے سے زیادہ پابندیاں بھی عائدہ ہوگئ تھیں۔اور مائرہ کا غصہ عروج پر آگیا تھا کہ میں نے اپنی شاید حد ہی پار کرلی تھی میں نے اپنی محبت کے حصول کے لئے اُسے تماشہ بنادیا تھا مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ جس قدر اپنی چاہت کا مظاہرہ کرچکی تھی وہ مجھے اُسے پانے کے لئے ہر کوشش کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔چونکہ مائرہ نے خود مجھے شادی کے حوالے سے رشتہ لے کرآنے کا کہا ہوا تھا تو مجھے اُسکی کہی بات کی لاج رکھنی تھی۔میں سب کچھ جان کر بھی بڑی مشکل سے کیونکہ وہ جہاں رہتی تھی وہاں داخلہ عام افراد کا ممکن ہی نہیں تھا لیکن محبت فاتح عالم تو جناب وہاں تک بھی رسائی ہو ہی گئ تھی۔

مجھے میرے دوست نے ایک صاحب علم ہستی سے میرے مسئلے کا ذکر کیا تھا انہوں نے مجھے فرمایا تھا "بیٹا تمہارے اور مائرہ کے ستارے مل رہے ہیں، وہ تمھیں دباؤ میں رکھے گی مگر گذارہ ہو جائے گا" میں نے ادب سے عرض کر دیا تھا کہ جناب آپ دعا کر دیں انہوں نے دعا کر دی تو دل کو بڑا ہی سکون سا مل گیا تھا۔ مجھے اپنے خدا پر یقین کامل تو تھا ہی کہ وہ نم آنکھوں اور سجدے میں کی گئی دعاؤں کو شرف قبولیت بخش دے گا تو مجھے مائرہ کی ستم گری اس قدر نہیں محسوس ہو رہی تھی کہ میں جانتا تھا کہ "نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں" تو میں کیوں اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ۔ میرے لئے حالات روز بروز سازگار ہو رہے تھے اور بالآخر مائرہ کے والد کی سمجھداری کی وجہ سے انہوں نے خاندان بھر کی مخالفت مول لے کر اپنی بیٹی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دینے کا فیصلہ کر لیا۔ میرے لئے خوشی کی انتہا نہیں رہی تھی کہ میری محبت مجھے ملنے والی تھی مگر اس کی بھاری قیمت مائرہ کو ادا کرنی پڑ رہی تھی کہ اُس کے والد نے بیٹی کی خوشی کے لئے ہاتھ دینے حامی بھر لی تھی مگر باقی گھر کے افراد اس رشتے کی مخالفت کر رہے تھے مگر چونکہ بات "آسمان پر طے ہو چکی تھی" تو ہمیں ایک ہونا ہی تھا کہ دعاؤں کا سہارا اور نیت صاف تھی اور ایک دن مائرہ دلہن بن کر میرے گھر آ گئی اور پہلے دن ہی ہماری دھواں دھار لڑائی ہوئی تھی ۔ مگر پھر میں نے اسکے ہاتھوں کو تھام کر اپنی محبت کو کہہ دیا کہ تمہارا ہی احساس تھا تب اتنا کچھ کیا ہے اور وہ بس کندھے سے لگ کر

رو دی تھی کہ وہ جانتی تھی کہ بے پناہ چاہتی ہے مگر والدین کے سامنے اپنی چاہت کا اظہار نہ کر سکی تھی۔ مائرہ کو اُس دن کے بعد اکثر ماضی کے حالات یاد آتے ہیں اور پھر ہماری لڑائی ہوتی ہے اور شاید آج کی مانند یہ لڑائی اُسکی زندگی تک جاری رہے گی کہ ہماری محبت سچی تھی تو ہی ہمارا ملن ممکن ہوا تھا۔

دوسری طرف سلمان نے جس طرح سمجھے محبت کے نام پر خود اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر زود کوب کیا ہے وہ محبت کی توہین کے مترادف ہے۔ سلمان کی بھی اُس کے گھر والوں نے خوب کھچائی کی تھی اور وہ کچھ سمجھ سا گیا تھا مگر میں نے مائرہ کو پہلے دن ہی سختی سے کہہ دیا تھا کہ وہ سلمان کے گھر نہیں جائے گی۔ یہ سن کر مائرہ کو تو منہ بن گیا تھا مگر یہ ہمارے لئے بہتر تھا کہ مستقبل میں مزید پریشانی سے بچنے کے لئے فائدہ مند تھا جس کے بارے میں مائرہ کے والدین کو بھی میں نے آگاہ کر دیا تھا۔ سوچنے کی یہ بات ہے یہ مائرہ کی کیسی محبت ہے کہ وہ اپنے چاہنے والے سے بے پناہ پیار کے بعد بھی اس سے دوری اختیار کئے ہوئے تھی۔ سلمان کی محبت کے دعویٰ کو آپ لوگ کیا کہیں گے؟ کیا یہی محبت ہوتی ہے کہ آپ اپنے محبوب کو یوں تکلیف دیں، اس کی خوشی اگر کسی اور سے محبت کرکے مل رہی ہو تو اُسے چھین کر یا اُسے ہی رقابت کے انتقام کے طور پر اپنا آپ دکھا کر کہ اگر مجھ سے محبت نہ کی، محبت کے بدلے محبت نہ

دی تو یوں اس کو جان سے مار دوں گا، میرے موبائل سے ایس ایم ایس نکال کر مائرہ کو ہی بھیج دینا کس قدر بے حسی، کینہ پروری اور محبت کی توہین کے مترادف ہے۔ میں تو مائرہ سے شادی کرنا چاہتا تھا اسکی محبت اسکو دینا چاہتا ہے تو پھر سلمان نے اپنے محبوب کی خوشی کیلئے اپنی محبت کو قربان کیوں نہیں کیا تھا۔ کیوں وہ چاہتا تھا کہ ہم دو لوگ جدا ہو جائیں اور وہ محض ایک اپنی محبت حاصل کرکے خوش ہو جائے۔ جناب بتائیں یہ کیسی محبت ہے؟ جہاں تک حقائق بتاتے ہیں وہ لفظ ''محبت'' کو درست طور پر جانتا ہی نہیں ہے کہ اس میں اپنا آپ مارنا پڑتا ہے اور محبوب کی خوشی کیلئے ہر طرح کی قربانی دی جاتی ہے؟ یہی دیکھ لیں میں نے مائرہ کی محبت کی خاطر سلمان کے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہیں کی، اس کی عزت کا تحفظ جہاں تک کر سکا کی ہے۔ مگر دوسری طرف سلمان نے محبت کے نام پر جہاں مائرہ کو اپنے دوستوں میں تماشہ بنایا ہے اور اسکی عزت کی دھجیاں اُڑا کر رکھ دی ہیں وہ ایک لڑکی ہی سمجھ سکتی ہے، وہ سارے معاملے کو دوستوں میں لایا ہے جس سے میری اور اُسکی عزت بھی داؤ پر لگی تھی۔

سوچیں ذرا ایک لڑکی کی عزت کتنی مقدس ہوتی ہے اور ایک مفاد پرست انسان نے ایک ایسے جذبے کو جس میں لوگ جان تک دے دیتے ہیں۔ اسے تماشہ اپنے دوستوں میں بنا کر رکھا ہوا تھا اور افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ جس کے ساتھ وہ یہ سب کر رہا ہے وہ اس کے اپنوں میں سے تھی وہ محض کزن ہونے کیوجہ سے چپ تھی اور

اس نے اپنے آپ کو اور بہادر بنا لیا تھا کہ وہ کچھ نہیں کہہ رہی ہے۔کیا اسی کو محبت کہتے ہیں ۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کوئی ہمارے ساتھ ذہنی اعتبار سے بہت منسلک ہو جاتا ہے تو دوسرا بندہ اپنی جان چھڑوالیتا ہے اور ہماری جان پر بن آتی ہے کبھی ہم خود کشی کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی اپنے آپ کو کسی اور طرح سے اذیت دینے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی زندگی کو مزید اس قدر الجھا لیتے ہیں کہ جینا محال ہو جاتا ہے۔اور اکثر اسی محبت کی وجہ سے ساری عمر ایک خاص خول میں ہی گم رہتے ہیں کہ اسیر محبت سب کو دکھائی دیتے ہیں۔کچھ لوگ جب کوئی سچی محبت انکی دل لگی کے جواب میں کرنے لگتا ہے تو بھی کچھ نا عاقبت اندیش پھر انکو اندھیری راہ میں چھوڑ کر اپنی راہ لیتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو محبت کا اظہار کرتے ہیں تو دوسرا مثبت جواب نہیں دیتا ہے اور جب وہ محبت میں گرفتار ہوتا ہے تو پہلا اس کو چھوڑ کر اپنے راہ لے چکا ہوتا ہے۔مائرہ نے بھی ایسا کرنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے پیچھا کرکے اپنی محبت کا حصول ممکن بنایا تھا۔ محبت کرنے والے اور محبت کی دنیا دونوں ہی بڑے نرالے ہیں ازل سے لوگ اس میں گرفتار ہو رہے ہیں مگر ہر محبت کرنے والا سمجھتا ہے کہ اس کی، محبت ہی انوکھی ہے میری کہانی کیسی ہے۔ آپ کیا کہتے ہیں، آپ کے جواب کا منتظر رہوں گا؟